قصص الاولیاء

عالم فقری

پیغام القرآن
IDARA PEGHAM-UL-QURAN

قصص الاولیاء

عالم فقری

IDARA PEGHAM-UL-QURAN
پیغام القرآن

ادارہ پیغام القرآن
۴۰۔ اردو بازار ○ لاہور

اللہ تعالیٰ ہمارا مالک اور رزاق ہے

نام کتاب ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ قصص الاولیاء

مصنف ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ عالم فقری

اشاعت ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۰۰۵ء

تعداد ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۱۰۰

زیر اہتمام ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ محسن فقری

منتظم ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ حسیب فقری

پریس ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اصغر پریس، لاہور

قیمت ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۸۰ روپے

ملنے کا پتہ

شبیر برادرز اردو بازار لاہور

فہرست قصص الاولیاء

تمت بالخیر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری پیاری اور دل و دماغ کو سکون پہنچانے والی دعاؤں کا مجموعہ، کتب احادیث سے دعاؤں والی روایات کو زیر نظر مجموعہ میں یکجا کیا گیا ہے۔

طالبین خیر و برکت و مغفرت کے لیے ایک نادر تحفہ

پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری دعائیں

مولف: عالم فقری

انسان کی چوبیس گھنٹے کی زندگی کو رحمتوں، برکتوں اور نورانی بنانے والی مبارک دعاؤں پر مشتمل ایک نایاب کتاب جسے پڑھ کر ہر موقع کی دعا پڑھنے کا شوق پیدا ہوگا اور وہ ان گراں قدر جامع کلمات سے ہر قسم کی سفلی قوتوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ بھی حاصل کرنے کا طریقہ سیکھ لے گا۔

﴿ناشر﴾

ادارہ پیغام القرآن

40 اُردو بازار لاہور

۱۔ حضرت اویس قرنیؒ کا عشقِ رسولؐ

حضرت اویس قرنی رضؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے والہانہ عشق تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت رحمۃ للعالمینؐ فرمایا کرتے تھے "یمن کی طرف سے مجھے محبت کی نسیم آتی ہے۔ کیونکہ وہاں میرا دوست اویس قرنی رضؓ رہتا ہے۔" آپ نے فرمایا کہ قیامت کے روز حق تعالیٰ ستر ہزار فرشتے پیدا کرے گا جن کی اشکال خواجہ اویس قرنی رضؓ جیسی ہوں گی۔ اور ان کے جلوس میں خواجہ صاحب کو بہشت کی طرف لے جایا جائے گا۔ ساری کائنات یہ منظر دیکھے گی۔ مگر کوئی شخص پہچان نہ پائے گا کہ اصل خواجہ قرنی کون ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح دنیا میں ان کو لوگوں سے چھپائے رکھا، اسی طرح روزِ قیامت کو بھی ان کو غیروں کی نگاہوں سے دور اور محفوظ رکھے گا۔ کیونکہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میرے دوست میری قبا کے نیچے رہتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کو کوئی پہچان نہیں سکتا۔ خواجہ اویس قرنی کو ماسوائے چند ایک صحابہ کرام رضؓ کے کسی نے بھی نہیں دیکھا۔

خواجہ اویس قرنی رضؓ طلوعِ اسلام سے پہلے اس دنیا میں تشریف لا چکے تھے۔ خواجہ صاحب عہدِ طفولیت میں ہی والد کی شفقت سے محروم ہو گئے۔ اس لیے ان کو بچپن میں ہی محنت مزدوری کرنا پڑی۔ آپ لوگوں کے اونٹ اُجرت پر چرایا کرتے تھے اور اس اُجرت سے اپنا اور اپنی ضعیف اور نابینا والدہ کا پیٹ پالا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ جو تھوڑی سی رقم بچ رہتی اس کو لوگوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ آپ کی زندگی کے شب و روز اسی طرح گزر رہے تھے کہ یمن تک اسلام کے نام لیوا پیدا ہو گئے۔ جب آپ کو اسلام اور آنحضرتؐ کے متعلق خبر ملی تو آپ فوراً اسلام لے آئے۔ آپ کے اندر نورِ ہدایت کی شمع ہدایت تو خدا نے پہلے سے ہی روشن کر رکھی تھی۔ اعلانِ نبوت اور اشاعتِ اسلام نے اس شمعِ ہدایت کو جلا بخشی۔ آپ رسول اللہؐ کے دیوانے اور شیدائی بن گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "اویس قرنی رحؒ کو اسلام کی دولت سے اللہ تعالیٰ نے خود

روشناس کرایا ہے اور یہ خدا کی رحمت و فضل کا اعجاز ہے کہ وہ میرا نادیدنی عاشقِ صادق بن گیا" خواجہ اویس قرنی کو قربِ رسولؐ اور دیدارِ حبیبؐ کا بڑا اشتیاق تھا۔ مگر آپ کو چشمِ باطنی کے اشارے سے آنحضرتؐ نے مدینہ آنے سے روکے رکھا۔ اس کی دو وجوہات تھیں۔ ایک تو خواجہ صاحبؒ کی والدہ ضعیف اور بصارت سے محروم تھیں، انھیں اکیلا چھوڑنا ناممکن تھا۔ دوسرے ان پر ہر وقت جذب طاری رہتا تھا۔ اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواجہ صاحب کو حکم دیا کہ آپ ہر وقت میری چشمِ باطنی کے سامنے ہیں لہذا آپ مدینہ آنے کی بجائے اپنی والدہ کی خدمت میں ہمہ تن مصروف رہیں۔

غزوۂ اُحد میں کفار کے حملے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو دانت شہید ہو گئے۔ تمام مسلمانوں کو اس بات کا بہت صدمہ ہوا مگر جس عاشقِ رسول نے اس صدمے کو حقیقی شکل میں محسوس کیا اس کو دنیا حضرت خواجہ اویس قرنی کے نام سے جانتی ہے۔

خواجہ اویس قرنی فرماتے ہیں:" جب مجھے معلوم ہوا کہ میرے آقا سردارِ دو عالمؐ کے دو دانت مبارک شہید ہوئے ہیں تو مجھے یہ بالکل معلوم نہ تھا کہ آنجنابؐ کے کون سے دندانِ مبارک شہید ہوئے ہیں مگر آپ کی موافقت نے مجھے بے چین کر دیا۔ میں نے پہلے ایک دانت توڑا پھر مجھے خیال ہوا شاید یہ والا دانت نہ ٹوٹا ہو، پھر دوسرا توڑا، پھر تیسرا توڑا۔ غرضیکہ جوں جوں جنونِ موافقت شدت اختیار کرتا گیا، میں دانت توڑتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ سارے دانت توڑ ڈالے"۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوبؐ کے اس عاشق دلگیر کی یہ ادا بڑی پسند آئی اور اس کے لیے کیلے کا درخت پیدا کیا کیونکہ ٹوٹے دانتوں کے ساتھ سوائے نرم کیلوں کے اور کوئی چیز کھانا ممکن نہ تھی (سہیل عینی)

۲۔ خرقہ ملنے کا شرف

صحابہ کرامؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وقتِ وصال پوچھا گیا کہ آپ کا خرقہ ہم کس کو دیں؟ آپؐ نے فرمایا اویس قرنی کو۔ اس مقصد کی بجاآوری کے لیے سیدنا حضرت عمر فاروق رضؓ اور علی مرتضیٰ رضؓ کوفہ تشریف لے گئے اور جمعہ کی نماز کے خطبے میں کہا "مسجد میں نجد سے تعلق رکھنے والے جتنے لوگ ہیں سب کھڑے ہو جائیں"۔ چنانچہ اہل نجد کھڑے ہو گئے۔ ان سے پوچھا گیا۔ قرن شہر میں کوئی اویس قرنی نام کا شخص ہے؟ سب نے جواب دیا۔ ہم اویس قرنی سے بالکل شناسا

نہیں ہیں ہاں البتہ ایک دیوانہ ہے جو کہ لوگوں سے بیزار ہو گیا ہے اور ہر وقت ویرانوں میں رہتا ہے۔ اور آبادی کی طرف بالکل نہیں آتا۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے فرمایا۔ وہ کہاں ہے۔ ہمیں اُس سے ملواؤ۔

عرض کی گئی، وہ وادی عرنہ میں اونٹ چراتا ہے اور رات کو رُوکھی سوکھی روٹی کھا کر سو رہتا ہے، کسی سے بات نہیں کرتا۔ وہ کھانا جو ہم لوگ کھاتے ہیں اس کو پسند نہیں کرتا۔ لوگوں کو خوش دیکھتا ہے تو روتا ہے اور جب لوگ روتے ہیں تو وہ خوش ہوتا ہے۔

جب حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ وادی عرنہ میں پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ خواجہ اویس قرنی نماز ادا کر رہے ہیں اور ان کے اونٹوں کو فرشتے چرا رہے ہیں۔ جب خواجہ اویسؓ نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت عمرؓ نے آپ کو "السلام علیکم" کہا، جواب ملا وعلیکم السلام۔ حضرت علیؓ نے آپ سے نام پوچھا۔ جواب دیا میرا نام اللہ کا بندہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا اللہ کے بندے تو ہم سب ہیں آپ اپنا خاص نام بتائیے خواجہ صاحب بولے میرا نام اویس ہے۔ حضرت عمرؓ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر وہ نشان دیکھا جس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا تھا کہ وہ نشان اویس کی شناخت کی علامت ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے جب وہ نشانِ علامت خواجہ اویسؓ کے ہاتھ پر دیکھا تو ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور کہا۔ اے اویس قرنی! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو سلام بھیجا ہے اور ساتھ یہ مرقع بھی عنایت فرمایا ہے، اور وصیت فرمائی ہے کہ آپ امتِ محمدیہ کی بخشش کے لیے دعا کریں۔

خواجہ اویس قرنی نے فرمایا اے عمرؓ و علیؓ! آپ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیقِ خاص ہیں اور مجھ سے اولیٰ ہیں۔ دعا تو آپ لوگ کریں، کیونکہ آپ کا مرتبہ خدا کے دربار میں بلند ہے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علی یک زبان ہو کر بولے۔ ہم تو دعا کرتے ہیں مگر آپ بموجب وصیتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم امتِ مُسلمہ کے لیے دعا فرمایے۔

خواجہ اویس قرنی نے پھر کہا اے عمرؓ و علیؓ! آپ غور کر لیجیے شاید میں وہ اویس نہ ہوں۔ وہ کوئی اور رہوں جس کا ذکر محبوبِ خدا نے فرمایا ہو۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا اے اویس! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے متعلق دو نشان بتائے تھے۔ ایک نشان منہ کے دائیں طرف درم کے برابر ہوگا اور ویسا ہی نشان دائیں ہاتھ پر ہوگا۔ جلے ہوئے یا چنبل کے نشان کی مانند، اور وہ دونوں نشان آپ

کے منہ اور ہاتھ پر موجود ہیں لہٰذا ہماری پہچان، شناخت اور پہنچ بالکل درست ہے۔

خواجہ اویس نے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے کہا۔ لائیے وہ مرقع مجھے عطا کیجیے۔ تاکہ میں حسبِ حکم آقاؐ دعا کروں۔ جب ان کو مرقع دیا گیا تو وہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے کچھ فاصلے پر چلے گئے اور زمین پر سجدہ ریز ہو کر بارگاہِ ایزدی میں عرض کی، اے خداوندِ عالم! میں اس وقت تک یہ مرقع نہ پہنوں گا جب تک تُو سرکارِ دو عالمؐ کی ساری امت کو میری سفارش پر بخش نہ دے گا کیونکہ پیغمبرِ اسلامؐ نے یہ مرقع مجھے عطا کیا ہے اور فاروقؓ اور مرتضیٰؓ نے مجھ تک پہنچانے کے فرائض انجام دے دیے ہیں۔ اب تیرا کام ہے کہ تو میری دعا سُن لے اور قبول کرے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اویس! ہم نے تیری دعا کی برکت سے چند اشخاص کو تیری سفارش پر بخش دیا ہے۔ آپ نے پھر عرض کی۔ یا باری تعالیٰ! جب تک تو سب کو نہیں بخشے گا میں یہ مرقع نہیں پہنوں گا۔ ندا آئی۔ میں نے کئی ہزار افراد بخش دیے۔ عرض کی مولا! میں سب کو بخشوانا چاہتا ہوں۔ ابھی یہ کہہ سُن ہو رہی تھی کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ آپ کے قریب چلے گئے۔ آپ دونوں کو خواجہ اویس قرنی نے کہا۔ آپ لوگ یہاں کیوں آگئے ہیں۔ میرا اور خدا کا سلسلہ جاری تھا آپ لوگوں کی آمد نہ ہوتی تو میں نے اس وقت تک یہ مرقع نہیں پہننا تھا جب تک اپنے آقا کی ساری امت کو نہ بخشوا لیتا اور مجھے پورا یقین تھا کہ حق تعالیٰ نے میری سفارش پر حضورؐ کی امت کے ہر فرد کو بخش دینا تھا۔ (تذکرۃ الاولیاء)

۳۔ دستِ غیب سے روٹی کا ملنا

ایک مرتبہ خواجہ اویس قرنی تین روز سے بھوکے تھے۔ آپ کے پاس کھانے کے لیے کوئی چیز نہ تھی اور نہ ہی کوئی پیسہ تھا۔ اچانک آپ کو ایک درہم ملا۔ آپ نے خیال کیا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ درہم کسی کا گر پڑا ہو۔ چنانچہ آپ کو درہم کو وہیں پڑا رہنے دیا۔ اور آگے چل دیے۔ پھر آپ نے سوچا کہ اگر کوئی چیز کھانے کو نہیں مل سکتی تو گھاس ہی کھا لیتا ہوں۔ ابھی یہ سوچ رہے تھے کہ ایک بھیڑ کو دیکھا، جو ایک گرما گرم روٹی لا رہی تھی۔ بھیڑ نے روٹی لا کر آپ کے آگے رکھ دی۔ آپ نے سمجھا کہ شاید یہ روٹی کسی اور کی ملکیت ہو گی اس لیے آپ نے اس روٹی کو ہاتھ بھی نہ لگایا۔ اس بھیڑ نے زبانِ حال سے

عرض کیا اے اویس قرنیؓ! جس خدا کا تو بندہ ہے میں بھی اس کی مخلوق ہوں اور تو خدا پر یقین کر کہ اس نے یہ روٹی خود بھجوائی ہے۔ یہ سنتے ہی خواجہ اویس قرنی نے روٹی کھانا شروع کر دی۔ آپ فرماتے ہیں کہ جس نے خدا کو پہچان لیا اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہتی۔ اور خدا کو پہچاننے والے ہی عارف و زاہد ہیں۔ غرضیکہ جو شخص اللہ کا بندہ بن جاتا ہے اس پر ہر چیز واضح اور آشکار ہو جاتی ہے تاکہ اس کو دنیا کی کسی چیز کے متعلق جاننے میں دقت نہ ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ یہ بلند مقام صرف اویس قرنی جیسی شخصیات کو عطا کرتا ہے۔

۴۔ حضرت اویس قرنی کا زُہد

مشہور صحابی ربیعؓ کہتے ہیں کہ جب میں خواجہ اویس قرنیؓ کی زیارت کو گیا تو میں نے انھیں فجر کی نماز میں مشغول فرمایا۔ نماز سے فارغ ہوئے تو اپنے درود و وظائف میں مصروف ہو گئے یہاں تک کہ ظہر کا وقت آ گیا، پھر یکے بعد دیگرے تمام نمازوں اور ذکر الٰہی میں ایسے مگن ہوئے کہ ساری رات گزر گئی۔ میں ان کا بغور مشاہدہ کرتا رہا اس طرح تین دن گزر گئے۔ میں نے دیکھا اور حیران رہ گیا کہ ان تین دن اور راتوں میں حضرت نے نہ کچھ کھایا نہ پیا بلکہ عبادت میں مشغول رہے اور لمحہ بھر کے لیے بھی آرام نہ کیا۔ چوتھی رات آپ تھوڑی دیر کے لیے سوئے اور کچھ کھانا بھی کھایا پھر استغفار کرنے لگے کہ یا الٰہی! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں۔ میں نیند اور بھوک کے غلبہ میں مبتلا ہوا۔ ربیع کہتے ہیں کہ خواجہ اویس قرنی نے راتوں کی تقسیم کی ہوئی تھی۔ ایک رات میں سجدہ کرتے تو پوری رات سجدہ میں ہی گزار دیتے اور اگر رکوع کرتے تو شب بھر رکوع کی حالت میں ہی کھڑے رہتے۔ کسی رات کو قیام میں بسر کرتے۔ غرضیکہ ہر رات کو دوسری رات کی طرح زندہ رکھتے تھے۔ (انوار اولیاء)

۵۔ حضرت اویس قرنی کی شانِ استغنیٰ

خواجہ اویس قرنیؓ کو حضرت عمرؓ نے پیغام بھیجا کہ اگر آپ کی اجازت ہو تو میں کوفہ کے گورنر کو لکھوں کہ وہ آپ کا خاص خیال رکھے۔ خواجہ صاحبؓ نے جواب دیا کہ میں خصوصیت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے سخت خلاف ہوں۔ مجھے کسی چیز کی حاجت نہیں۔ میرا ہاتھ حاجت روا کے ہاتھ میں ہے،

مجھے تو بس یادِ الٰہی سے غرض ہے وہ میں کر رہا ہوں اور کوئی چیز درکار نہیں ۔ اس کے بعد آپ نے کوفہ بھی چھوڑ دیا اور کسی اور علاقہ میں نکل گئے جہاں آپ کو کوئی تلاش نہ کر سکے ۔

۶۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کا شوق

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت اویس قرنی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کا شوق اس قدر پیدا ہوا کہ انھوں نے مدینہ آنے کا ارادہ کیا ۔ اب اِدھر انھوں نے ارادہ کیا اُدھر آنحضرت کو کسی غزوہ میں شرکت کے لیے مدینہ سے باہر جانا پڑا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضؓ سے فرمایا کہ میرے جانے کے بعد شاید کوئی مہمان آئے ۔ اگر وہ یہاں آئے تو اس کی خوب خاطر مدارات کی جائے اور ہر طرح سے خیال رکھا جائے کیونکہ وہ بڑا ہی پارسا انسان ہے اور میرے آنے تک اس کو روکنے کی کوشش کی جائے اور اگر وہ نہ رکنا چاہے تو اس کو مجبور نہ کیا جائے مگر اس کی شکل وصورت یاد رکھ لی جائے ۔ یہ ہدایت دے کر رسالت مآب خود تو غزوہ میں شرکت کے لیے روانہ ہو گئے ۔ بعد میں خواجہ اویس قرنی رحؒ مدینہ تشریف لے آئے مگر ان کو جب پتہ چلا کہ حضور سرورِ کائناتؐ فخرِ موجوداتؐ اس وقت مدینہ میں نہیں تو انھوں نے اسی وقت واپسی کا قصد کیا ۔ ان کو روکنے کی بڑی کوشش کی گئی مگر وہ نہ رُکے اور نہ ہی کسی قسم کی خاطر کروائی اور واپس لوٹ گئے ۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم واپس مدینہ تشریف لائے تو آتے ہی انھوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے سوال کیا، کیا کوئی مہمان آیا تھا؟ اُمّ المؤمنین رضؓ نے عرض کی اے اللہ کے رسولؐ! ایک شخص جو کہ یمن سے آیا تھا اس کی شکل وصورت چرواہوں جیسی تھی ۔ آپ کو نہ پاکر وہ ایک لمحہ بھی یہاں نہیں ٹھہرا اور چلا گیا ۔ حضورؐ بولے ۔ عائشہ رضؓ! پتہ ہے وہ کون تھا؟ عرض کی، حضورؐ! میں بالکل نہیں جانتی ۔ فرمایا وہ اویس قرنی رحؒ تھا جو میرے دیدار کے لیے یہاں آیا تھا ۔ اور دیدار کی حسرت دل ہی میں لے کر واپس چلا گیا اور وہ ٹھہر بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ اس کی والدہ جو کہ بوڑھی اور آنکھوں سے معذور ہے اس کی نگہداشت کرنے والا کوئی نہیں ہے ۔ اس لیے اس کو ہر حال میں واپس جانا تھا اور یہ وہ شخص ہے جو کہ خدا اور اس کے رسولؐ کا سچا چاہنے والا ہے جس کو صرف ذکرِ الٰہی سے غرض ہے اور وہ کسی چیز سے نہ مرعوب ہے نہ متاثر ۔ اویس قرنی رضؓ میرا عاشق ہے اور اللہ اس سے محبت کرتا ہے ۔ حضرت عائشہ رضؓ نے جب یہ باتیں سُنیں تو ان کو خواجہ

اویس قرنی رضؓ کے مقام پر رشک آنے لگا اور فرمانے لگیں، اے خدا کے حبیبؐ! وہ شخص واقعی کس قدر عظیم ہوگا جس کے زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت کی تعریف خدا اور اس کا حبیبؐ کرے۔

۷۔ حضرت ہرم بن حیانؒ اور حضرت اویس قرنیؓ

مشہور تابعی حضرت ہرم بن حیان عبدی خیر التابعین حضرت خواجہ اویس قرنیؓ سے اپنی پُر اثر ملاقات کا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں :۔

خواجہ اویس قرنی کوفہ میں مقیم تھے۔ میں نے آپ کی تعریف سنی۔ ملاقات کا شوق غالب ہوا، اور میں ان کی زیارت کے لیے کوفہ پہنچا۔ لوگوں نے بتایا کہ وہ دریائے فرات پر ملیں گے۔ فرات کے کنارہ پر پہنچا تو دیکھا کہ ایک شخص تنہا بیٹھا، دوپہر کے وقت وضو کر رہا تھا اور کپڑے دھو رہا تھا۔ میں اویسؓ کے اوصاف سُن چکا تھا اس لیے فوراً پہچان گیا ان کا جسم فربہ اور رنگ گندمی تھا۔ سر منڈا ہوا تھا اور داڑھی گھنی تھی۔ بدن پر بہت بال تھے۔ چہرہ بہت بڑا اور رعب تھا۔ صوف کا پاجامہ پہنے ہوئے تھے اور صوف ہی کی ایک چادر جسم پر تھی۔ میں نے قریب پہنچ کر سلام کیا۔ انھوں نے جواب دیا اور میری طرف دیکھ کر کہا، اللہ تمھیں سلامت رکھے۔ پھر میں نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا لیکن انھوں نے مصافحہ کرنے سے گریز کیا اور اپنے پہلے الفاظ دہرائے کہ اللہ تمھیں سلامت رکھے۔ مجھے ان کی حالت پر بڑا ترس آیا اور میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ جب میں نے رقت بھرے لہجہ میں کہا کہ اویسؓ! خدا تم پر رحمت کرے اور تمھاری مغفرت فرمائے، تو وہ بھی رونے لگے اور مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ ہرم بن حیان! خدا تم پر رحم کرے میرے بھائی! تمھارا کیا حال ہے؟ تمھیں میرا نام و پتہ کس نے بتایا۔ میں نے عرض کیا خدا نے۔ مگر اے اویس! یہ تو بتاؤ کہ تمھیں میرا اور میرے باپ کا نام کیسے معلوم ہوا، اس سے پہلے نہ میں نے تمھیں دیکھا ہے اور نہ تم نے مجھے۔

حضرت اویسؓ نے جواب دیا نبّانی العلیم الخبیر۔ تمھارا نام مجھے اس نے بتایا ہے جس کے علم و خبر سے کوئی چیز باہر نہیں۔ میری روح نے تمھاری روح کی طرف توجہ کی اور میری روح نے تمھاری روح کو پہچان لیا۔ مومنین کی روحیں ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ خواہ صاحبِ ارواح کا ایک دوسرے سے کوئی تعارف نہ ہو اور نہ وہ کبھی ایک دوسرے سے ملے ہوں۔

میں نے عرض کی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیثِ مبارک سُنائیے تاکہ میں اسے یاد کر لوں۔

حضرت اویس رضؓ نے فرمایا میں نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شرفِ صحبت حاصل نہیں کی البتہ حضورؐ کے صحابہ کرام رضؓ کو دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے اور تم لوگوں کی طرح ان کی زبان سے میں نے بھی حضورؐ کی احادیث سُنی ہیں لیکن میں اپنے اوپر یہ دروازہ کھول کر محدّث، مفتی اور قاضی کہلانا پسند نہیں کرتا۔ مجھے خود اپنے نفس کے بہت سے کام ہیں۔ یہ کہہ کر وہ میرا ہاتھ پکڑ کر رونے لگے۔

میں نے درخواست کی کہ پھر قرآن حکیم ہی کی کچھ آیات سنا دیجیے۔ میرے دل میں آپ کی زبان سے قرآن سننے کا بیحد اشتیاق ہے۔ میری آپ سے محبت اور عقیدت خدا کے لیے ہے۔ میرے لیے دعا فرمائیے اور کچھ وصیتیں کیجیے جن کو میں حرزِ جان بنا کر رکھوں۔

میری درخواست سُن کر اویس رضؓ نے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھا اور چیخ مار کر رونے لگے۔ پھر فرمایا میرے رب کا ذکر بلند ہے اس کا قول سب سے سچا ہے۔ اس کا کلام سب سے اچھا ہے۔ یہ کہہ کر انھوں نے ان آیات کی تلاوت کی۔

حٰمٓ ۝ والکتٰب المبین ۝ انّا انزلنٰہُ فی لیلۃٍ مبٰرکۃٍ انّا کنّا منذرین۔

(حٰم۔ یہ کتاب جو واضح ہے ہم نے اس کو مبارک رات میں اتارا۔ ہم لوگوں کو ڈرانے والے تھے)

ھوا لعزیز الرحیم تک پڑھ کر چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئے۔ ہوش میں آئے تو فرمایا۔

ہرم بن حیان تمہارا باپ مر گیا۔ عنقریب تم کو بھی مرنا ہے۔ کیا خبر جنت میں جائے یا دوزخ میں۔

ابن حیان! آدم فوت ہو گئے، حوا فوت ہو گئیں، ابن حیان! نوحؑ اور ابراہیم خلیل اللہؑ فوت ہو گئے۔ ابن حیان! موسیٰؑ نجی الرحمٰن فوت ہو گئے۔ ابن حیان! داؤدؑ خلیفۃ الرحمٰن فوت ہو گئے۔ ابن حیان! محمدؐ رسول الرحمٰن فوت ہو گئے۔ ابن حیان! ابوبکرؓ خلیفۃ المسلمین فوت ہو گئے۔ ابن حیان! میرے بھائی عمرؓ بن خطاب فوت ہو گئے۔ یہ کہہ کر واعمراہ کا نعرہ لگایا اور ان کے لیے مغفرت کی دعا کی۔ حضرت عمر فاروق رضؓ اس وقت تک زندہ تھے اس لیے میں نے کہا خدا آپ پر رحم کرے حضرت عمر بن خطاب رضؓ تو ابھی فوت نہیں ہوئے۔ فرمایا ہاں جو کچھ میں نے کہا ہے اگر تم اس کو سمجھو تو

خود جان جاؤ گے۔ میں اور تم بھی مُردہ ہیں۔ ہونے والی بات ہو چکی ہے۔

اس کے بعد حضرت اویسؒ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا۔ پھر کچھ اور دعائیں پڑھیں اور فرمایا ہرم بن حیان! میری وصیت یہ ہے کہ کتاب اللہ کو مضبوطی سے پکڑو۔ صلحائے امت کی صحبت اختیار کرو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمیشہ درود و سلام بھیجتے رہو۔ میں نے اپنی اور تمھاری موت کی خبر دے دی۔ آئندہ کسی ساعت موت سے غافل نہ رہنا۔ واپس جا کر اپنی قوم کو بھی نصیحت کرنا اور ڈراتا۔ خبردار! جماعت کا ساتھ کبھی نہ چھوڑنا ورنہ بے دین ہو جاؤ گے اور قیامت میں آتشِ دوزخ کا ایندھن بننا پڑے گا۔

پھر انھوں نے دعا کی: الٰہی! یہ شخص کہتا ہے کہ اس کو تیرے لیے مجھ سے محبت ہے۔ اور اس نے تیرے لیے ہی مجھ سے ملاقات کی۔ اس لیے خدا مجھے توفیق دے کہ میں جنت میں اس کا چہرہ پہچان جاؤں۔ اور دارالسلام میں میری اس کی ملاقات ہو۔ وہ دنیا میں جہاں کہیں بھی رہے اس کو اپنے حفظ و امان میں رکھنا۔ اس کو قناعت عطا کر۔ اس کو اپنی نعمتوں کا شکر گزار بنا۔ اور اس کو جزائے خیر دے۔

دعا کے بعد اویسؒ نے مجھ سے فرمایا اے ہرم بن حیان! اب میں تجھے اللہ کے سپرد کرتا ہوں آج کے بعد میں تم کو نہ دیکھوں گا۔ مجھے شہرت پسند نہیں ہے۔ گوشۂ خلوت ہی میرا رفیق ہے۔ آئندہ مجھے تلاش کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ مجھے ڈھونڈنے میں تم کامیاب نہیں ہو سکو گے۔ میں تمھیں ہمیشہ یاد رکھوں گا اور تم مجھے یاد رکھنا۔ میرے لیے دعائے خیر کرتے رہنا۔ اچھا السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ یہ کہہ کر وہ ایک سمت کو چلے گئے۔ اس کے بعد میں نے ان کو بہت تلاش کیا لیکن کسی سے ان کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ البتہ کوئی ہفتہ ایسا نہیں جاتا جس میں ان کو ایک دو بار میں خواب میں نہ دیکھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اویسؒ پر رحمت نازل فرمائے اور ان کی مغفرت فرمائے (کشف المحجوب)

۸۔ حضرت حسن بصریؒ کو راہِ معرفت کیسے ملی؟

فقر کی راہ اختیار کرنے سے پہلے حضرت خواجہ حسن بصریؒ موتیوں اور جواہرات کی تجارت کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ جواہرات لے کر ہرقل بادشاہِ روم کے پاس گئے۔ پہلے وزیر سے ملے اور کہا کہ میں

سوداگر ہوں اور جواہرات کے سلسلے میں بادشاہ سے ملنے کا خواہشمند ہوں۔ وزیر نے کہا کہ کل تو بادشاہ ایک ضروری کام کے لیے شہر سے باہر جائے گا اور ملاقات کی صرف یہ صورت ہو سکتی ہے کہ تم میرے ساتھ چلے چلو۔ جب بادشاہ اپنے کام سے فارغ ہو گا تو تجھے ملادوں گا۔ حضرت خواجہ حسن بصری نے ہاں میں ہاں ملادی۔ چنانچہ دوسرے روز ایک گھوڑا زین سے آراستہ خواجہ حسن کے لیے منگوایا گیا۔ جب مطلوبہ مقام پر پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ ایک دیبائے رومی کا خیمہ ایک میدان میں ایستادہ ہے اس کی طنابیں ریشم کی ہیں اور جن کیلوں سے بندھی ہوئی ہیں وہ سونے کی ہیں۔ ایک فوج کا بڑا دستہ اسلحہ سے لیس خیمہ کا طواف کر رہا ہے۔ فوجیوں کے طواف کے بعد اہلِ جاہ و حشم نے خیمہ کا طواف کیا۔ اس کے بعد حکماء فلاسفروں اور دبیر و منشی حضرات نے خیمہ کا طواف کیا۔ اس کے بعد کوئی دو سو کے قریب کنیزیں اور لونڈیاں جن کے قیامت خیز حسن تھے اور ہر ایک کے ہاتھ میں زر و جواہر کا ایک تھال تھا انھوں نے بھی اپنے پیشروؤں کی طرح خیمہ کا طواف کیا۔ پھر قیصر اور وزراء کی باری آئی۔ انھوں نے خیمے کے اندر کچھ دیر قیام کیا اور پھر چل دیے۔

یہ ساری کیفیت دیکھ کر خواجہ حسن بصریؒ حیران رہ گئے اور وزیر جو ان کا ہم رکاب تھا اس سے پوچھا یہ مختلف انواع کے لوگوں کا طواف اور یہ شان و شوکت والا خیمہ یہ سب کچھ کیا ہے اور خیمہ کے اندر کون ہے جس کو یہ اعزاز و مراتب دیے جا رہے ہیں؟ وزیر عرض گزار ہوا۔ قیصرِ روم کا بیٹا جو کہ صاحبِ جمال بھی تھا اور صاحبِ علم بھی تھا۔ اس کو نہ صرف جنگ کے جملہ امور میں دسترس تھی بلکہ وہ بہترین سپہ سالار تھا۔ اس کا باپ اس سے بہت پیار کرتا تھا۔ کچھ عرصہ پہلے وہ بیمار پڑ گیا۔ بڑے بڑے طبیب اور وید اس کے علاج کو آئے مگر کوئی حاذق اس کے لیے تریاقِ حیات مہیا نہ کر سکا۔ آخر کار وہ مر گیا۔ اس کو اسی خیمہ میں دفن کیا گیا ہے اور ہر سال ایک بار اس کی زیارت کو تمام لوگ آتے ہیں۔

حضرت حسن بصری نے پوچھا یہ طواف کا طریقہ کار جو مختلف اوقات میں مختلف طبقے کرتے ہیں اس کی وجہ میں جاننا چاہتا ہوں۔ عرض کی، فوج کے لوگ اس وجہ سے طواف کرتے ہیں کہ اگر شہزادہ کسی ایسی مہم یا مصیبت سے دوچار ہوتا تو ساری فوج اپنی جانیں قربان کر کے شہزادے کو [illegible] سامان مہیا کرتی اور اس کو کوئی آنچ نہ آنے دیتی۔ دانشور، فلسفی اور حکماء اس وجہ [illegible]

ہیں کہ اگر حکمت ودانش اور خرد شناسی شہزادے کی بلا کو دفع کر سکتے تو ہم اپنی ساری مساعی اس بات پر صرف کر دیتے کہ شہزادے کی بلا دفع ہو جائے۔ خوبصورت لڑکیوں اور مال وزر کا یہ مطلب ہے کہ یہ مال وزر اور جسم وجاں اگر شہزادے کی صحت یابی میں مدد دے سکتے تو ان سب کو قربان کر دیا جاتا۔

شہزادے کا والد اور وزراء کہتے ہیں اے جانِ پدر اور معزز شہزادے! ہم نے تو فوج، حکماء بزرگوں اور شفیقوں اور مدبروں کی تجاویز حاصل کیں۔ مگر یہ سب کارگر اس لیے نہیں ہوئیں کہ اس بات پر کسی کا کوئی بس نہیں تھا۔ موت کے آگے سب بے بس ہیں۔ خواجہ حسن بصری نے جب یہ باتیں سُنیں۔ اور ساری صورتحال دیکھی تو اس دن سے اپنے آپ کو مجاہداتِ عبادت میں اس قدر مصروف کیا کہ ستر برس کی عمر میں کبھی بے وضو نہ رہے۔ گوشہ تنہائی کو اپنا مسکن بنایا اور قسم کھائی کہ جب تک زندہ ہوں کبھی نہ ہنسوں گا بلکہ آخرت کی فکر میں ہمیشہ روتا رہوں گا اور یوں آپ نے اولیاء میں وہ مقام پایا جس پر آج بھی انھیں یاد کیا جاتا ہے۔ (تذکرۃ الاولیاء)

۱۰۔ اللہ پر توکّل کی تعلیم

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک چھوٹا سا قافلہ حضرت خواجہ حسن بصری کے ہمراہ بیت اللہ کے حج کو گیا۔ راستے میں سارے قافلے کو بہت پیاس لگ گئی۔ راہ میں ایک ایسا کنواں نظر آیا جس کا پانی بہت نیچا تھا اور اس تک پہنچنا اور پانی حاصل کرنا بالکل ممکن نہ تھا۔ رسی اور ڈول بھی دستیاب نہ تھا۔ لوگ بہت پریشان ہو گئے کہ اب پانی کیسے حاصل کریں۔ خواجہ حسن بصری نے لوگوں سے فرمایا میں نماز ادا کرتا ہوں تم لوگ پانی پیو۔ آپ نماز پڑھنے میں مصروف ہو گئے۔ ایک دم پانی کنویں کی منڈیر تک پہنچ گیا اور سب نے خوب سیر ہو کر پیا۔ اس قافلہ کے کچھ لوگوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کیوں نہ پانی کسی چیز میں ڈال لیا جائے تاکہ آگے راستے میں پانی کی کمی محسوس نہ ہو۔ ابھی وہ لوگ پانی ساتھ لے جانے کا انتظام کرنے کے بارے میں سوچ رہے تھے کہ پانی فوراً نیچے اتر گیا۔ خواجہ حسن بصری نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں سے کہا۔ تم نے خدا پر بھروسہ نہ کیا اور قناعت سے بھی دامن خالی کیا۔ اسی وجہ سے پانی کنویں میں اتر گیا۔ راستے میں ایک جگہ لوگوں کو ھوک سنے

آسنایا۔ انھوں نے خواجہ صاحب سے اپنی حاجت بیان کی۔ خواجہ صاحب نے ایک کھجور کا درخت دیکھا جس پر کھجوریں لگی ہوئی تھیں۔ آپ نے کھجوروں کو حکم دیا کہ میرے دامن میں آجاؤ۔ کھجوریں درخت سے آپ کے پھیلے ہوئے دامن میں آگریں۔ آپ نے سب قافلہ والوں کو کھجوریں دیں۔ جو شخص کھجور کھاتا اور حیران ہوتا کہ ہر کھجور کی گٹھلی سونے کی ہے۔ لوگ گٹھلیوں کو مدینے لے گئے اور فروخت کیا اور اپنی ضروریات پوری کرنے کے علاوہ باقی مال خیرات کر دیا۔ خواجہ حسن بصری نے لوگوں سے کہا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کو حج کا انعام ان سونے کی گٹھلیوں کی شکل میں دیا ہے لہذا ہمیشہ صبر اور توکل کا دامن تھامے رکھو (تذکرۃ المشائخ ص ۳۵)

۱۰۔ بُری نظر سے دیکھنے کا خمیازہ

امام ابو عمرؒ قرآن مجید پڑھایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کے پاس کوئی شخص قرآن مجید پڑھنے آیا۔ آپ نے اس کو پڑھانے میں بخل و خیانت کا ارتکاب کیا۔ اس جرم میں اللہ نے انھیں سارا کلامِ حکیم بھُلا دیا۔ وہ روتے ہوئے خواجہ حسن بصری کے پاس گئے اور سارا معاملہ بیان کیا۔ خواجہ حسن نے فرمایا اے شخص! تو حج کو روانہ ہو جا کیونکہ آج کل حج کے ایام ہیں اور جب تو حج سے فارغ ہو جائے تو مسجد خیف میں ایک بزرگ محراب میں بیٹھے ہوئے ملیں گے وہ درود و وظائف میں مشغول ہوں گے۔ وہ جب تک اپنے معمولات سے فارغ نہ ہو جائیں تو ان سے بات نہ کرنا۔ جب وہ فارغ ہو جائیں تو تم اپنی حاجت بیان کرنا۔ ان کی دعا سے تمھیں پھر سے سارا قرآن حکیم ازبر ہو جائے گا۔

ابو عمر نے خواجہ حسن کے حکم کی تعمیل کی۔ حج ادا کیا پھر مسجد خیف پہنچے اور مسجد کے محراب میں ایک بارُعب بزرگ کو دیکھا۔ بہت سارے لوگ اس کے گرد بیٹھے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد سفید پاکیزہ لباس والا ایک شخص وہاں آیا۔ سب لوگ اس کے گرد بیٹھ گئے۔ کچھ دیر باتیں ہوئیں، اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا۔ سفید لباس والا شخص وہاں سے چلا گیا۔ دوسرے لوگ بھی چلے گئے۔ جب وہ بزرگ تنہا رہ گئے تو ابو عمرؒ ان کے پاس پہنچے اور بعد از سلام ان کو اپنا سارا مسئلہ بیان کیا۔ پھر دعا کی درخواست کی۔ ان بزرگ نے آسمان کی طرف دیکھا اور دُعا فرمائی۔ ابھی انھوں نے دُعا

ختم بھی نہ کی تھی کہ ابو عمرؒ کو دوبارہ سارا قرآن مجید زبانی یاد ہوگیا۔ ابو عمرؒ اتنے خوش ہوئے کہ ان بزرگ کے قدموں میں گر گئے۔ انھوں نے ابو عمرؒ کو اپنے قدموں سے اٹھایا اور پوچھا تمھیں میرے پاس کس نے بھیجا ہے۔ جواب دیا، خواجہ حسن بصری نے۔ بزرگ بولے، خواجہ حسن بصری نے ہمارا پردہ فاش کیا ہے۔ ہم ان کا راز افشا کرتے ہیں۔ یہ کہہ کر انھوں نے ابو عمرؒ سے کہا ابھی تم نے سفید پوشاک والے شخص کو دیکھا تھا عرض کی جی ہاں دیکھا تھا۔ فرمایا وہ خواجہ حسن بصریؒ تھے جو روزانہ بصرے سے ظہر کی نماز پڑھ کر مکہ پہنچتے ہیں۔ یہاں ہم لوگ وعظ و نصیحت اور درس دیتے ہیں اور جب عصر کی نماز کا وقت ہوجاتا ہے تو واپس بصرے چلے جاتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ حضرت خواجہ حسن بصریؒ جن لوگوں کے امام ہوں ان کو ہم سے دعا کروانے کی کیا ضرورت ہے کیونکہ جن سے ہم خود سیکھتے ہیں وہ جن کے پاس ہوں ان کا ٹھکانہ بہت ہی بلند اور اعلیٰ و ارفع ہوتا ہے (تذکرۃ الاولیاء)

۱۱۔ جنّوں میں واعظ

ایک شخص نماز فجر کے لیے حضرت خواجہ حسن بصری کی مسجد میں گیا اور مسجد کا دروازہ اندر سے بند پایا، اندر سے خواجہ حسن کے دعا مانگنے کی آواز آرہی تھی۔ اور بہت سے لوگوں کے آمین کہنے کی صدا بھی آرہی تھی۔ اس شخص نے خیال کیا کہ شاید خواجہ کے احباب مسجد میں آئے ہوئے ہیں۔ وہ کچھ دیر انتظار میں باہر ٹھہرا رہا۔ کافی انتظار کے بعد جب صبح ہونے کا وقت قریب پہنچا تو اس نے مسجد کے دروازے کو ہاتھ سے دھکیلا۔ دروازہ کھل گیا حالانکہ پہلے بند تھا۔ اندر خواجہ حسن بصریؒ کے علاوہ اور کوئی بھی نہ تھا۔ اس شخص نے نماز پڑھی اور بعد میں خواجہ صاحب سے پوچھا کہ حضور! میں نے تو مسجد کا دروازہ بند پایا تھا اور آپ کی دعا اور ایک با جماعت آمین کی صدا سُنی تھی۔ مگر جب کچھ دیر کے بعد دروازہ کھُلا تو اندر آپ کے علاوہ کسی کو بھی نہ دیکھا۔ یہ کیا ماجرا ہے خدارا کچھ تو فرمائیے۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے اس شخص کو تنبیہ کی کہ خاموش رہ اور یہ بات کسی کو مت بتانا۔ یہاں ہر روز فجر کی نماز سے پہلے جن اور پریوں کی ایک جماعت میرے پاس درس لینے اور وعظ سننے آتی ہے اور آخر میں باقاعدہ دعا ہوتی ہے۔ آج بھی وہ مخلوق آئی ہوئی تھی اور انھوں نے ہی دروازہ بند کر رکھا تھا۔ اور جب وہ باہر نکلے تو تمھیں خبر تک نہ ہوئی۔ (خزینۃ الاصفیاء جلد دوم)

۱۲۔ بدگمانی سے بچنے کی ترغیب

ایک مرتبہ ایک حبشی دریا کے کنارے ایک عورت کو اپنے قریب بٹھائے شراب نوشی میں مشغول تھا۔ شباب اور شراب کے نشے میں وہ اپنے اردگرد سے بے خبر تھا۔ حضرت حسن بصریؒ کا اس طرف سے گزر ہوا تو انھوں نے اس کو سخت ملامت کی۔ ابھی آپ کی بات جاری تھی کہ دریا کی دوسری طرف سے ایک کشتی آتی ہوئی دکھائی دی۔ کچھ ہی دیر کے بعد کشتی گرداب میں پھنسی اور پھر ڈوب گئی، مال واسباب اور سوار تمام کے تمام غوطے کھانے لگے اسی وقت وہ حبشی دریا میں کودا اور اس نے پہلے سواروں کو پھر ان کے اسباب کو پانی سے نکال باہر کیا۔ یہ سارا واقعہ خواجہ حسن بصری نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اسی وقت توبہ کی اور عہد کیا کہ آئندہ کسی ذلیل سے ذلیل شخص کو بھی کمتر نہیں سمجھیں گے۔ (نزہتہ البساتین)

۱۳۔ اپنے نفس کو سمجھانے کا واقعہ

ایک دن خواجہ حسن بصری نے اپنے ملازم کو کہا کہ میرے لیے بازار سے نان اور مچھلی لا۔ جب وہ لایا اور سامنے رکھی تو آپ نے فرمایا معاذاللہ گنہگار بندے کو ایسا لذیذ کھانا کھانے سے کیا سروکار نوکر نے کہا حضور! میں تو آپ کے ارشاد پر نان اور مچھلی لایا تھا۔ آپ نے نعرہ لگایا اور رونے لگے چالیس دن تک کوئی چیز نہ کھائی اور فرمایا کہ اے میرے نفس! میں نے تجھے سزا دی کہ تو نے لذیذ کھانے کی خواہش کی تھی۔ اس طرح آپ نے تزکیۂ نفس کے لیے اپنے نفس کو سمجھایا کہ اللہ کی راہ میں چلنے کے لیے اللہ جو عطا کرے اسے قبول کرو، خود خواہش نہ کرو۔ (خزینتہ الاصفیاء جلد دوم)

۱۴۔ کلمہ پڑھنے پر بخشش

شمعون نامی مشہور آتش پرست خواجہ حسن بصری کا پڑوسی تھا۔ وہ ستر برس تک آتش پرستی ۱۔ آخری عمر میں وہ بیمار پڑ گیا۔ کئی روز گزر گئے، عمدہ علاج اور تدابیر بھی اسے صحتیاب خواجہ حسن بصریؒ اس کی عیادت کو گئے، عیادت کے بعد آپ نے اس کو

نصیحت کی۔ تم نے ایک عمر کفر و شرک میں گذار دی ہے۔ اب تم اپنے انجام کو پہنچنے والے ہو تو اسلام لے آؤ، شاید خدا تم پر مہربان ہو جائے۔

شمعون نے جواب دیا خواجہ صاحب! مجھے مسلمانوں کی تین عادات سخت ناپسند ہیں۔ ان کی بدولت میں اسلام سے دور رہا ہوں اور اب بھی مجھے اس میں کوئی کشش نہیں محسوس ہوتی۔ خواجہ صاحب نے فرمایا "تو بیان کر وہ کونسی ناپسندیدہ باتیں ہیں جن کی وجہ سے تو اسلام کا منکر ہے"۔ اس نے جواب دیا اوّل یہ کہ مسلمان دنیا کو بُرا کہتے ہیں جبکہ شب و روز دنیا کے متلاشی اور متوالے ہیں دوم موت پر یقین کامل رکھتے ہوئے بھی موت کے لیے کوئی عملی سامان تیار نہیں کرتے۔ سوم یہ کہ خدا کے دیدار اور خدا کو حاصل کرنے کے بھی متمنی رہتے ہیں اور ہر وہ کام بھی کرتے ہیں جو خدا کو پسند نہیں۔

خواجہ حسن بصری نے جواب دیا تمھاری گفتگو بڑی اچھی ہے اس میں حق شناسی کی دلیلیں ہیں مگر یہ بتا کہ تو نے صرف ان باتوں کی وجہ سے ستر برس آتش پرستی میں برباد کر دیے جب کہ ایک مسلمان اور کچھ نہ کرے کم از کم خدا کی وحدانیت پر یقین تو رکھتا ہے اور اس بات سے اس کو خدا کا قرب تو ملے گا تیرا خیال کیا ہے تُو نے آتش کو پوجا ہے تو آگے جا کر تو آگ سے محفوظ رہے گا اور ہم لوگوں نے آتش پرستی نہیں کی تو ہمیں آگ جلا دے گی؟ یہ کہہ کر خواجہ صاحب نے فرمایا ایک آگ جلائی جائے میں اور شمعون دونوں اپنا ہاتھ آگ میں رکھ دیں گے۔ دیکھتے ہیں آگ آتش پرست کو جلاتی ہے۔ یا خدا پرست کو؟ یہ کہہ کر جلتی آگ میں خواجہ صاحب نے اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ مگر خدا کے فضل سے آگ نے آپ کو کوئی ضرر نہ پہنچایا۔ شمعون نے یہ روح پرور منظر دیکھا تو اس کا دل ہدایتِ الٰہی سے منور ہو گیا اور فوراً خواجہ حسن بصریؒ کے آگے ہاتھ جوڑ کر بولا" حضرت! اسی وقت کلمہ پڑھاتیے۔ کفر و شرک میں ایک عمر بسر کی ہے۔ چند سانس باقی ہیں، کیا خبر یہ گھڑی پھر نصیب ہو کہ نہ ہو۔ اس کے ساتھ یہ مطالبہ کیا کہ اگر میں خدا پر ایمان لے آؤں تو کیا آپ مجھے گارنٹی دے سکتے ہیں کہ میں عذابِ الٰہی سے بچ جاؤں گا خواجہ صاحب نے فرمایا کیوں نہیں۔ میں تمھیں لکھ کر دیتا ہوں کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو خدا تمھیں ضرور بخش دیگا۔ چنانچہ ایک اقرار نامہ تیار کیا گیا جس پر خواجہ حسن بصری اور دیگر عادل حضرات کے دستخط بطور گواہ کے رقم کیے گئے۔ پھر شمعون نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ ادھر وہ مسلمان ہوا اُدھر اس کی

روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ خواجہ صاحب نے اس کو غسل دیا، کفنایا اور وہ عہد نامہ اس کے ہاتھ میں دے دیا اور اس کو اپنے ہاتھوں قبر میں اتار دیا۔ رات کو خواجہ صاحب کو ایک پل کے لیے بھی نیند نہ آئی۔ ساری رات نوافل میں ادا کی اور خدا کے آگے عرض کرتے رہے، اے رب کریم! میں تو خود ایک گنہگار آدمی ہوں۔ میں کسی کی بخشش کی کیا ضمانت دے سکتا ہوں۔ میں نے ایک دعویٰ کر دیا ہے اب تو میری لاج رکھنے والا ہے ورنہ قیامت کے روز میں اس شخص کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ جس نے میری ضمانت پر کلمہ پڑھا۔ اسی بے کلی میں خواجہ صاحب کی آنکھ لگ گئی۔ خواب نظر آیا، کیا دیکھتے ہیں کہ شمعون کے سر پر تاج ہے اور وہ مکلف لباس میں ملبوس جنت کے باغات میں سیر کر رہا ہے۔

خواجہ صاحب نے فرمایا اے شمعون! سنا تیرا کیا حال ہے؟ شمعون بولا اے حسن بصری! میں بتلانے کے لیے وہ زبان اور الفاظ نہیں رکھتا کہ خدا نے مجھ پر کیا کیا مہربانیاں کی ہیں۔ مجھے میرے گناہوں کی معافی دی مجھے بہشت کے محلات میں اتارا۔ مجھے اپنا دیدار کروایا اور وہ انعامات دیے کہ بس میں کچھ بھی بیان کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ پھر اس نے وہ عہد نامہ حضرت حسن بصری کو واپس کر دیا اور کہا۔ اب آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں، آپ ہر ضمانت سے سبکدوش ہیں۔

جب خواجہ حسن بصری کی آنکھ کھلی تو حیران رہ گئے کہ وہ اقرار نامہ آپ کے ہاتھ میں تھا جو آپ شمعون کو دے کر قبر میں اتار آئے تھے۔ آپ فوراً سجدے میں گر گئے اور عرض کی اے مالکِ کون و مکان! تیری ذات کتنی مہربان اور غفور الرحیم ہے۔ ایک آتش پرست کو جس نے ستر سال تیری نافرمانی کی اور فقط ایک مرتبہ کلمہ پڑھا، تو نے اتنی نافرمانیوں کو بے معنی کر دیا اور اس کو نہ صرف بخش دیا بلکہ اس کو بلند و بالا درجات بھی عطا فرمائے۔

آواز آئی۔ حسن بصری! تو نے ہمارے بھروسے پر وعدہ کیا اور ایک گمراہ کو سیدھی راہ پر لایا۔ پھر ہم تمہیں کیونکر رسوا کرتے۔ ہمیں تو تمہارا بھرم رکھنا منظور تھا۔ (تذکرۃ الاولیاء)

۱۵۔ رضائے الٰہی کی ضرورت

حضرت خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی بد طبقہ کے لوگوں سے راہ و رسم پیدا کرتا ہے تو دراصل یہ اس کی اپنی برائی اور شرارت کا نتیجہ ہے کیونکہ اگر اس کی سرشت میں بھلائی ہوتی تو وہ

از خود نیک و ظاہر لوگوں کی صحبت کی طرف راغب ہوتا۔ چنانچہ ہر برے آدمی کو کسی دوسرے شخص یا صحبت پر الزام لگانے کی بجائے اپنے آپ کو ملامت کرنا چاہیئے کہ وہ اپنی نا اہلیت و نا لائقی کے سبب برائی کے کنویں میں گرا۔ ان لوگوں کا شیوہ ہوتا ہے کہ وہ صوفیاء کے گرد اپنی خواہشوں کے حصول کے لیے جمع ہو جایا کرتے ہیں اور نام نہاد صوفی بھی بن جاتے ہیں۔ ان میں سے کئی تو جب مطلب براری نہ ہو تو اپنی راہ لیتے ہیں اور صوفیاء کرام کے منکر بھی ہو جاتے ہیں مگر جو لوگ خدا کی رضا کی خاطر اولیاء کرام کے ہاں حاضر ہوتے ہیں وہ نہ صرف صوفیاء کی نظر میں مقبول و منظور ہو جاتے ہیں بلکہ خداوند کریم بھی ان کو برگزیدہ مقام عطا فرماتا ہے اور یہی فرق ہے نیک اور بد لوگوں میں کہ انھیں دنیاوی مقاصد کا حصول کرنا ہوتا ہے جبکہ نیک لوگوں کو آخرت کی دولت، بزرگانِ دین کی نظرِ کرم اور رسول اللہ ؐ کی شفاعت اور اللہ کی رضا درکار ہوتی ہے۔

۱۶۔ رزق ملنے کا یقین

خواجہ حسن بصری ایک روز حبیب عجمی کے گھر کھانا کھا رہے تھے۔ کھانے میں جَو کی روٹی اور نمک تھا۔ خواجہ حسن بصری نے کھانا شروع کیا تو اچانک ایک سائل آگیا۔ حبیب عجمی نے خواجہ صاحب کے آگے سے روٹی اٹھا کر فقیر کو دے دی۔ خواجہ حسن بصری کو یہ بات اچھی نہ لگی اور فرمایا۔ حبیب! تم میں شائستگی تو ہے مگر علم سے بالکل خالی ہو۔ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ مہمان کے سامنے سے روٹی اٹھا کر دینا اخلاقیات کے خلاف ہے اور اگر خیرات کرنی ہی تھی تو آدھی روٹی بھی دے سکتے تھے وہی کافی ہوتی۔

حبیب عجمی خواجہ صاحب کی بات سن کر خاموش ہو گئے۔ اور کوئی جواب نہ دیا بلکہ دروازے پر نظریں جمائے رکھیں۔ چند ہی لمحوں کے بعد ایک شخص ایک خوان لے کر حاضر ہوا۔ اور حبیب عجمی رح سے کہا۔ اس خوان میں مختلف انواع کے کھانے ہیں اور اس کے علاوہ یہ پانچ سو درہم ہیں۔ کھانے آپ کے اور آپ کے مہمان کے واسطے ہیں اور رقم صرف آپ کے اخراجات کے لیے۔

حبیب عجمی نے دونوں چیزیں لے لیں اور خواجہ حسن بصری سے فرمایا کہ اب کھانا تناول فرمائیں انھوں نے کہا آپ بھی ساتھ شریک ہوں۔ چنانچہ حبیب عجمی بھی ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہو گئے۔

دونوں نے شکم سیر ہوکر کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد حبیب عجمی نے خواجہ صاحبؒ سے کہا۔ آپ میرے استاد اور پیرو مرشد ہیں اس لیے آپ کے آگے دم مارنے کی مجھے مجال نہیں مگر ایک بات ضرور عرض کرنا چاہتا ہوں۔ خواجہ صاحبؒ نے فرمایا۔ ضرور ضرور تمھیں اجازت ہے۔ حبیب عجمی بولے، یا حضرت یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ پر رزق کے سلسلے میں یقین کامل رکھنے کا نتیجہ ہے اور یہ بات مجھے آپکی صحبت ہی سے ملی ہے۔ (انوار اصفیاء)

۱۷۔ ہمدردی کا اجر

روایت ہے کہ ایک غریب اور مفلس شخص کا گھوڑا بیمار ہوگیا اس نے حضرت خواجہ حسن بصری سے عرض کیا آپ نے قیمت دریافت کر کے چار سو دینار میں اسے خرید لیا۔ رات کو اس شخص نے خواب میں دیکھا کہ اس کا گھوڑا دوسرے گھوڑوں کے ساتھ بہشت کی چراگاہ میں چر رہا ہے۔ اس نے پوچھا یہ کس کے گھوڑے ہیں۔ بتایا گیا یہ تیرے تھے مگر اب ان کا مالک حسن بصریؒ ہے۔ خواب سے بیدار ہوتے ہی وہ شخص حسن بصریؒ کے پاس آیا اور کہا کہ میں کل والا سودا منسوخ کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تیرے خواب سے میرے خدا نے مجھے پہلے ہی آگاہ کر دیا ہے۔ وہ واپس چلا گیا۔

اگلی رات خواجہ حسن بصری نے خواب میں دیکھا کہ عالی شان محل اور دلفریب منظر ہے۔ پوچھا، اس محل کا مالک کون ہے جواب ملا جو شخص بیع منسوخ کرے یہ اس کا محل ہے۔ بیدار ہونے پر آپ نے اس آدمی کو بلایا اور بیع منسوخ کر دی۔ (انوار اصفیاء)

۱۸۔ حضرت امام جعفر صادقؒ کی عظمت

خلیفہ منصور نے ایک شب اپنے وزیر کو حکم دیا کہ جعفر صادقؒ کو میرے روبرو پیش کرو تاکہ میں ان کو قتل کر دوں۔ وزیر نے عرض کیا کہ دنیا کو خیرباد کہہ کر جو شخص عزلت نشین ہوگیا ہو اس کو قتل کرنا قرین مصلحت نہیں۔ لیکن خلیفہ نے غضبناک ہوکر کہا کہ میرے حکم کی تعمیل تم پر ضروری ہے۔ چنانچہ مجبوراً جب وزیر جعفر صادق کو لینے چلا گیا تو منصور نے غلاموں کو ہدایت کر دی کہ جس وقت میں اپنے سر سے تاج اتاروں تو تم فی الفور صادق کو قتل کر دینا لیکن جب وزیر کے ہمراہ آپ تشریف لائے

تو آپ کی عظمت و جلال نے خلیفہ کو اس درجہ متاثر کیا کہ وہ اضطراری طور پر آپ کے استقبال کے لیے کھڑا ہو گیا اور نہ صرف آپ کو صدر مقام پر بٹھایا بلکہ خود بھی مؤدبانہ آپ کے سامنے بیٹھ کر آپ کی حاجات اور ضروریات کے متعلق دریافت کرنے لگا آپ نے فرمایا کہ میری سب سے اہم حاجت و ضرورت یہ ہے کہ آئندہ پھر کبھی مجھے دربار میں طلب نہ کیا جائے تاکہ میری عبادت و ریاضت میں خلل واقع نہ ہو۔ چنانچہ منصور نے وعدہ کر کے عزت و احترام کے ساتھ آپ کو رخصت کیا لیکن آپ کے دبدبے کا اس پر ایسا اثر ہوا کہ لرزہ براندام ہو کر مکمل تین شب و روز بے ہوش رہا لیکن بعض روایات میں ہے کہ تین نمازوں کے قضا ہونے کی حد تک غشی طاری رہی۔ بہر حال خلیفہ کی یہ حالت دیکھ کر وزیر و غلام حیرت زدہ رہ گئے اور جب خلیفہ سے اس کا حال دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ جس وقت جعفر صادق میرے پاس تشریف لائے تو ان کے ساتھ ایک اتنا بڑا اژدہا تھا جو اپنے جبڑوں کے درمیان پورے چبوترے کو گھیرے میں لے سکتا تھا اور وہ اپنی زبان میں مجھ سے کہہ رہا تھا کہ اگر تو نے ذرا سی گستاخی کی تو تجھ کو چبوترے سمیت نگل جاؤں گا۔ چنانچہ اس کی دہشت مجھ پر طاری ہو گئی اور میں نے آپ سے معافی طلب کر لی۔ (خزینۃ الاصفیاء جلد اول)

۱۹۔ سمجھانے کا عملی طریقہ

اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات کے بارے میں آپ کا نظریہ بہت واضح اور ٹھوس تھا ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ کے پاس آ کر اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ خدا کا دیدار کرنا چاہتا ہے۔ آپ نے اس شخص سے فرمایا کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا گیا تھا کہ تُو مجھے کبھی نہیں دیکھ سکتا، پھر تو نے کس لیے اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ تجھے خدا دکھایا جائے۔ اگر کوئی باطن کی نگاہ سے دیکھے تو اسے ہر شے میں خدا نظر آئے گا۔

وہ شخص بھی آسانی سے ٹلنے والا نہ تھا اس نے حضرت امام جعفر صادق سے کہا، حضرت موسیٰؑ کا معاملہ اور تھا لیکن یہ تو امتِ محمدی ہے جس کے بارے میں ایک شخص کہتا ہے "رَاٰی قلبی ربّی"۔ یعنی میرے قلب نے اپنے پروردگار کو دیکھا اور دوسرا شخص یہ کہتا ہے کہ "لو اعبد ربًّا لم اراہ" یعنی میں ایسے رب کی عبادت نہیں کرتا جو مجھے نظر نہیں آتا۔

اس شخص کی یہ باتیں سن کر حضرت امام جعفر صادق نے حکم دیا کہ اس شخص کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے دریائے دجلہ میں ڈال دیا جائے چنانچہ جب اس شخص کو ہاتھ پاؤں باندھ کر دریائے دجلہ میں ڈال دیا گیا۔ اور پانی نے اس کو اوپر پھینکا تو اس نے حضرت امام جعفر صادق سے بہت التجا کی مگر آپ نے اس کی ایک نہ سنی اور دریا کے پانی کو حکم دیا کہ اس شخص کو خوب اچھی طرح غوطے دیے جائیں۔ دریائے دجلہ کے پانی نے آپ کے حکم کے مطابق جب اس شخص کو کئی مرتبہ پانی میں غوطے دے دیے اور وہ بر لب جان ہو گیا تب وہ گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے اعانت کا طلبگار ہوا۔ حضرت امام جعفر نے جب یہ دیکھا کہ خدا کے دیدار کا مطالبہ کرنے والا راہِ راست پر آگیا ہے تو آپ نے اسے پانی سے باہر نکلوایا۔

تھوڑی دیر بعد پانی سے نکلنے کے بعد جب اس شخص کے حواس قدرے درست ہوئے اس وقت حضرت امام جعفر نے اس سے دریافت فرمایا اب بتاؤ کیا تم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیا۔ وہ شخص کہنے لگا اے پیر و مرشد! جب تک میں دوسروں کی اعانت کا طلبگار رہا اس وقت تک تو میرے سامنے ایک حجاب کا پردہ تھا لیکن جب میں اللہ تعالیٰ سے اعانت کا طالب ہوا تو میرے دل میں کچھ ایسی روشنی اور سکون پیدا ہوا جس سے میری ساری اضطراری کیفیت جاتی رہی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے "کہ کون ہے جو حاجتمند کے پکارنے پر اس کا جواب دے"۔

اس پر امام جعفر صادق نے اس شخص سے فرمایا اے بندے جب تک تو نے اللہ تعالیٰ کو نہ پکارا، اس وقت تک تو جھوٹا تھا لیکن اب تمہارا دل ایمان کی روشنی سے منور ہو چکا ہے۔ (تذکرۃ الاولیاء)

۲۰۔ دکھاوے کی ہمدردی کی مذمّت

جس دور میں حضرت امام جعفر صادق نے گوشہ نشینی اختیار کر لی اور تارکِ دنیا ہو گئے تو اس وقت حضرت ابو سفیان ثوری نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر فرمایا۔ امام صاحب! آپ نے تارکِ دنیا ہو کر لوگوں سے بڑی نعمت چھین لی ہے وہ آپ کے فیوض و برکات سے محروم ہو گئے ہیں، کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ ان کی خاطر گوشہ نشینی ترک کر کے انھیں دوبارہ اپنی صحبت سے فیض یاب فرمائیں۔ حضرت ابو سفیان ثوری کی ساری بات سن کر آپ کے ہونٹوں پر ایک پُر معنی مسکراہٹ پھیل گئی۔ چند لمحے خاموشی اختیار کرنے کے بعد آپ نے حضرت ابو سفیان ثوری کو اپنے دو اشعار پڑھ کر سنائے جن کا ترجمہ کچھ اس طرح سے

ہے "کسی جاننے والے انسان کی وفا بھی چلی گئی اور لوگ اپنے خیالات میں غرق ہو گئے اگرچہ وہ ظاہری طور پر ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں زہریلے سانپوں اور بچھوؤں کا زہر بھرا ہوا ہے۔" گویا آپ کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ اس نفسا نفسی اور افراتفری کی دنیا میں انسان کو انسان کے دکھ درد سے کوئی واسطہ نہیں رہا۔ وہ محض دکھاوے اور دنیا داری کی خاطر ایکدوسرے سے محبت کا اظہار کرتے ہیں جبکہ حقیقت میں وہ زہریلے جانوروں سے بھی خطرناک ہیں اور کسی بھی وقت ایک دوسرے کی ہلاکت، تباہی اور بربادی کا سبب بن سکتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت ابوسفیان ثوری خاموشی سے واپس چلے گئے۔ (نزہۃ البساتین)

۲۱۔ حضرت امام جعفر صادق کی کرامت

حضرت لیث بن سعد کا بیان ہے کہ میں نے ۱۱۳ھ میں حج کیا۔ جب میں نے عصر کی نماز مسجد حرم میں ادا کی اور کوہ ابو قبیس پر چڑھا تو وہاں ایک شخص کو بیٹھا دعا مانگتے دیکھا۔ وہ شخص یوں دعا مانگ رہے تھے "یاربّ یاربّ" پھر خاموش ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد اس شخص نے پھر اللہ کو یاد کیا "یا حیی یا قیوم"! پھر انھوں نے کہا "الٰہی میں انگور کھانا چاہتا ہوں، خدایا مجھے انگور کھلا دے۔" میری دونوں چادریں پھٹ گئی ہیں۔ مجھے نئی چادریں عطا کر دے۔" راوی کا بیان ہے کہ ابھی اس شخص کی دعائیں التجائیں ختم بھی نہ ہونے پائی تھیں کہ میں نے ایک انگوروں کا بھرا ہوا ٹوکرا دیکھا۔ حالانکہ اس وقت روئے زمین پر انگور کا وجود کہیں نہ تھا اور دو چادریں دیکھیں کہ جن کی مثال میں نے دنیا میں کہیں نہیں دیکھی تھی۔ اس شخص نے قدرت کے اس عطیے کو دیکھ کر انگور کھانے چاہے۔ میں نے کہا میں بھی آپ کا شریک ہوں۔ انھوں نے پوچھا کیونکر؟ میں نے جواب دیا کہ جب آپ دعا کر رہے تھے تو میں آمین کہہ رہا تھا۔ یہ سن کر انھوں نے کہا آگے آیئے اور شوق سے کھایئے۔ میں آگے بڑھا اور انگور کھائے۔ میں نے اپنی عمر میں ایسے لذیذ انگور کبھی نہیں کھائے تھے۔ ہم نے پیٹ بھر کر انگور کھائے مگر ٹوکرا اسی طرح بھرا ہوا تھا۔ اس شخص نے فرمایا کہ ان کو کل کے لیے اٹھا نہ رکھو اور نہ انھیں چھپاؤ۔ اس شخص نے ایک چادر خود لے لی اور دوسری مجھے دیدی۔ میں نے کہا یہ آپ ہی رکھ لیں مجھے ضرورت نہیں۔ میری خواہش پر اس شخص نے ایک چادر تہبند کے طور پر خود باندھ لی اور دوسری اوڑھ لی۔ پھر دونوں پرانی چادریں ہاتھ میں لیے پہاڑ سے اترے۔

صفا و مروہ کے درمیان ایک شخص نے ان سے سوال کیا۔ "اے فرزندِ رسول اللہ! میں ننگا ہوں، یہ مجھے اُڑھا دیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو اُڑھائے ہیں۔ اس شخص نے وہ دونوں چادریں سائل کو دیدیں یہ دیکھ کر میں نے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ سائل نے جواب دیا کہ یہ سیدنا حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ تھے۔ (مراۃ الاسرار جلد اول ص ۲۰۴)

۲۲۔ اہلبیت کی محبّت کی تلقین

حضرت امام جعفر کی تمام زندگی حق سچ کے بول بالا کے لیے جہاد کرتے ہوئے گزر گئی۔ مثلاً ایک مرتبہ جب امام شافعی کے مخالفین نے ان پہ رافضیت کا الزام لگایا تو آپ نے اس پہ دکھ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ کس قدر تاسف آمیز بات ہے کہ اہل بیت ہی کی محبت کی وجہ سے حضرت امام شافعی رح کو رافضی کا خطاب دے کر قید و بند کی صعوبتوں میں ڈال دیا گیا۔ جس کے متعلق امام صاحب خود ہی اپنے ایک شعر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ "اگر اسے اہل بیت سے محبت کا نام رفض ہے تو پھر پورے عالم اسلام کو میری رافضیت پہ گواہ رہنا چاہیے" اور اگر بالفرض اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرنا ارکانِ ایمان میں داخل نہ ہو تب بھی ان سے محبت کرنے اور ان کے حالات سے باخبر رہنے میں کیا حرج واقع ہوتا ہے اس لیے ہر اہلِ ایمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس طرح دل و جان سے سرورِ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب سے آگاہی حاصل کرتا ہے اسی طرح خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت کے مراتب کو بھی ان کے مقام اور مرتبے کے مطابق افضل و اعلیٰ تصور کرے (تذکرۃ الاولیاء)

۲۳۔ حضرت امام جعفر صادق اور شفیق بلخی کی باتیں

حضرت شفیق بلخی فرماتے ہیں۔ میں ۱۴۹ھ میں بارادۂ حج گھر سے چلا۔ قادسیہ میں اترا۔ میں لوگوں کی زینت اور ان کی کثرت دیکھ رہا تھا کہ ایک جوان خوبرو پر نظر پڑی۔ نفیس لباس پہنے تھا اوپر سے اونی چادر اوڑھے ہوئے پاؤں میں جوتی، لوگوں سے الگ بیٹھا تھا۔ میں نے اپنے دل میں کہا، یہ جوان صوفی ہے لوگوں پہ بار ہوگا۔ میں اس کے پاس ضرور جاؤں اور اسے دھمکاؤں۔ میں اس کے قریب گیا۔ جب اس نے مجھے متوجہ پایا۔ کہا اے شفیق! گمان کرنے سے بچو، بعض گمان گناہ ہے اور مجھے

چھوڑ کر چل دیا۔ میں نے اپنے جی میں کہا یہ بُرا کام ہے اس نے جو میرے جی میں تھا کہہ دیا اور میرا نام لیا یہ تو کوئی مرد صالح معلوم ہوتا ہے میں اس سے ضرور ملوں گا اور میں اس سے بدگمانی معاف کراؤں گا میں اس کے پیچھے جلدی کر کے چلا مگر نہ پایا اور میری نظر سے غائب ہو گیا۔ جب ہم مقام واقصہ میں اترے اس کو نماز میں پایا۔ اس کے اعضاء کانپ رہے تھے اور آنسو جاری تھے۔ میں نے کہا یہ تو وہی میرا دوست ہے اس سے مل کر میں اپنا قصور بدگمانی کا معاف کراؤں گا۔ میں نے کچھ دیر صبر کیا اور وہ فارغ ہو کر بیٹھا میں اس کی طرف متوجہ ہوا۔ جب مجھے آتے دیکھا کہا اے شقیق یہ آیت پڑھ: وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ الخ جو کوئی توبہ کرے اور ایمان لائے اور اچھے عمل کرے اور راہ پائے تو میں اس کے گناہ بخش دیتا ہوں، پھر مجھے چھوڑ کر چلتا ہوا۔ میں نے کہا یہ جوان ضرور ابدال ہے۔ میرے دل کی بات دو مرتبہ بیان کر دی۔ جب ہم منیٰ میں اترے، میں نے اسی جوان کو دیکھا ہاتھ میں کوزہ لیے پانی کے واسطے کنوئیں پہ کھڑا ہے۔ اس کے ہاتھ سے کوزہ کنوئیں میں گر پڑا میں اس کو دیکھ رہا تھا۔ اس جوان نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور کہا خداوندا! اے میرے مالک! سردار! تو خوب جانتا ہے میرے پاس سوائے اس کے اور کچھ نہیں، مجھ سے یہ گم نہ کرنا۔ شقیق فرماتے ہیں خدا کی قسم! میں نے دیکھا کہ کنوئیں کا پانی اُوپر تک اُبل آیا۔ اس جوان نے اپنا کوزہ لے کر پانی سے بھرا اور وضو کر کے نماز کے لیے کھڑا ہوا۔ بعد ادائے نماز ایک ریت کے ٹیلے کی طرف گیا اور بالو اٹھا کر کوزے میں بھرتا تھا اور ہلا ہلا کر بار بار پیتا تھا۔ میں اس کے پاس گیا اور سلام کیا، اس نے جواب دیا۔ میں نے کہا اپنا جھوٹا مجھے عنایت کیجیے۔ کہا اے شقیق! خدا کی نعمتیں ظاہری و باطنی ہمیشہ ہمارے ساتھ ہیں، اپنے پروردگار کے ساتھ نیک گمان رکھو۔ پھر مجھ کو کوزہ دیا۔ میں نے اس میں سے پیا۔ ستو اور شکر اس میں گھلے ہوئے تھے۔ خدا کی قسم! اس سے لذیذ اور خوشبودار کبھی کوئی چیز میں نے نہ پی ہوگی۔ میری بھوک پیاس جاتی رہی اور کئی دن تک وہاں ٹھہرا رہا، کھانے پینے کی خواہش نہ ہوئی۔ پھر راہ میں مجھے وہ جوان نہ ملا یہاں تک قافلہ مکہ معظمہ میں داخل ہوا۔ ایک رات متصل پانی کے قبہ کے آدھی رات کے وقت میں نے نماز پڑھتے دیکھا۔ نہایت عاجزی سے نماز پڑھتا تھا، رونے کی آواز سنی جاتی۔ اسی حالت میں تمام رات گزر گئی۔ جب صبح ہوئی اپنے مصلے پر بیٹھا تسبیح پڑھتا رہا۔ پھر کھڑے ہو کر نماز فجر ادا کی اور سلام پھیر کر خانہ کعبہ کا طواف کیا اور حرم سے باہر نکلا۔ میں اس کے ساتھ ہوا اس کے خادم و غلام نظر آئے۔ اثنائے راہ میں جس وضع سے

تھا یہاں اس کے خلاف پایا۔ لوگ گرد جمع ہو گئے اور سلام کرتے تھے میں نے ایک شخص سے جو اس کے قریب تھا دریافت کیا یہ جوان کون ہے؟ کہا حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ہیں۔ مجھے سخت تعجب ہوا کہ بیشک یہ عجیب و غریب کرامات ایسے ہی سید کے ہیں۔ (نزہۃ البساتین)

۲۴۔ حضرت حبیب عجمی کی توبہ کا قصّہ

حضرت حبیب عجمی ابتدا میں بڑے مالدار تھے آپ کا ذریعہ معاش سُود خوری تھا آپ لوگوں کو قرضہ دے کر اس پر سُود وصول کر کے اپنی بسر اوقات کرتے۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ آپ کی بیوی نے کہا، آج گھر میں کوئی پیسہ نہیں، کوئی انتظام کیجیے۔ حبیب عجمی گھر سے نکلے اور اپنے ایک مقروض کا دروازہ کھٹکھٹایا سُوئے اتفاق کہ گھر کا مالک گھر پر نہ تھا اس کی بیوی نے بتایا کہ اس کا شوہر گھر پر نہیں ہے۔ حضرت حبیب عجمی نے کہا مجھے شوہر نہیں اپنی سُودی قسط درکار ہے۔ اس پر مالک کی بیوی نے جواب دیا۔ جب شوہر گھر پر نہیں تو آپ کو سُودی قسط کس طرح مل سکتی ہے۔ اس پر حبیب عجمی نے پھر کہا کہ مجھے تمھاری کسی بات سے سروکار نہیں۔ اگر تم مجھے میری قسط نہ دو گے تو میں وقت کے ضائع کرنے کا ہرجانہ بھی وصول کروں گا۔ قرضدار شخص کی بیوی نے کہا جب ہمارے پاس کوئی پیسہ ہی نہیں تو پھر سودی قسط کہاں، اور ہرجانے کی رقم کہاں۔ ہم سے ہی کچھ نہیں سکتے۔ حبیب عجمی نے دروازے پر ٹھوکر مار کر کہا۔ میں خالی ہاتھ تو نہ جاؤں گا کچھ نہ کچھ تو لے کر ہی جاؤں گا۔

قرضدار کی بیوی کو بڑا غصہ آیا اس نے سوچا عجیب قسم کا انسان ہے جب میں اپنی مجبوری اور معذوری بیان کر رہی ہوں پھر بھی تقاضے کیا جا رہا ہے۔ اس نے جان چھڑانے کے لیے کہا ہم نے کل ایک بکری ذبح کی تھی اس کا گوشت وغیرہ تو ختم ہو چکا ہے اس کی سری پڑی ہے وہ لینی ہے تو لے لو۔ "دے دو" حبیب عجمی نے کہا۔ عورت نے فوراً سری حبیب عجمی کی طرف بڑھا دی۔ وہ سری لے کر گھر کو چل دیے اور بیوی سے جا کر کہا آج ہرجانے میں سری ہی ملی ہے اس کو ہی آج پکا لو۔

حضرت حبیب عجمی کی بیوی نے کہا کہ خالی سری سے تو کام نہیں چل سکتا۔ اس کے لیے ایندھن، آٹا، مرچ مصالحہ اور دیگر اشیاء کی بھی ضرورت ہے اور یہ چیزیں بھی نہیں ہیں۔ حضرت حبیب عجمی نے کہا فکر مت کرو میں یہ چیزیں بھی سود میں لے آتا ہوں۔ فوراً باہر گئے اور دیگر تمام چیزیں بھی سُود میں

لے آئے۔ بیوی نے سالن پکانے کے لیے ہانڈی چولھے پر رکھ دی۔ اور اس میں سری کا گوشت پکنے کے لیے رکھ دیا۔ کچھ دیر کے بعد سالن تیار ہو گیا اور بیوی نے کہا کہ سالن پک گیا ہے لہذا کھانا کھالیں۔ عین اس وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ دروازہ کھولا گیا تو در پر ایک فقیر کھڑا بھیک کا طالب تھا۔ فقیر کو دیکھ کر حبیب عجمی سخت برہم ہوئے "کیا تمھیں معلوم نہیں کہ یہ ایک وصول کرنے والے کا گھر ہے اور میں جو خود لوگوں سے سارا دن رقمیں وصول کرتا ہوں تو مجھ سے وصول کرنے آ گیا ہے۔ کچھ شرم کر اور اپنا راستہ ناپ۔ فقیر نے عاجزانہ انداز میں التجا کی کہ جناب مجھے بھوک لگی ہے بخدا مجھے کچھ کھانا کھلائیں۔ حبیب عجمی بولے جاؤ ایک بار تو کہہ دیا ہے کہ کھانا نہیں ملے گا۔ اس پر فقیر نے کہا اے حبیب عجمی! میں بھی تمھارا شاگرد ہوں۔ جس طرح تو لوگوں کے دروازوں پر اکڑ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور کچھ لیے بغیر وہاں سے نہیں ٹلتا، میں بھی یہاں سے کچھ لیے بغیر نہیں جاؤں گا۔ اس پر حبیب عجمی دوبارہ کہنے لگے کہ میں نے تو لوگوں کو قرض دیا ہوتا ہے اس کا سود طلب کرتا ہوں۔ تم نے مجھے کیا دیا ہوا ہے جو مجھ سے لینے آیا ہے۔ مگر فقیر کہنے لگا کہ مالداروں کے مال و زر میں اہلِ احتیاج کا بھی حصہ ہوتا ہے اور میں اپنا حصہ وصول کرنے آیا ہوں اور وصول کر کے جاؤں گا۔

حبیب عجمی غصے سے بولے۔ یہاں سے چلا جا۔ میں اب بھی تیرا لحاظ کر رہا ہوں ورنہ کوئی اور ہوتا تو اس سے کاغذ پر دستخط کروا کر اپنے وقت کے زیاں کی قیمت وصول کر لیتا۔ فقیر کہنے لگا کہ اے حبیب عجمی! تمھارا دم تو کنجوسی سے ویسے ہی نکلا جا رہا ہے۔ میں نے تم سے کوئی مال و زر تو نہیں مانگا۔ بلکہ تو فقط کھانے کے لیے کچھ مانگ رہا ہوں۔ حبیب عجمی نے سخت روکھے پن سے کہا اے ناہنجار فقیر! میں نے تمھیں بتایا ہے کہ میں تمھیں کچھ نہیں دوں گا اگر میں تمھیں کچھ مال دے بھی دوں تو تم اس سے امیر نہیں ہو سکتے مگر میں غریب ضرور ہو جاؤں گا۔ اگر میں تمھیں کھانے کے لیے کچھ کھانا دوں تو تمھارا پیٹ نہیں بھرے گا اور میں خواہ مخواہ بھوکا رہ جاؤں گا۔

اس پر فقیر کو بھی غصہ آ گیا اور کہنے لگا اے حبیب عجمی! اگر مجھے کھانا دینے سے تو بھوکا رہ جائے گا تو مجھے کھانا مت دے مگر ایک بات یاد رکھ جب اللہ کسی کو بھوکا رکھنے کا ارادہ کرے تو وہ شخص کبھی پیٹ نہیں بھر سکتا، اور آج تو خدا کے حکم سے بھوکا رہے گا۔

فقیر کی بات سن کر حبیب عجمی پر تو کوئی اثر نہ ہوا مگر ان کی بیوی کا دل پسیج گیا اور اس نے یہ

خواہش کی کہ فقیر کو کھانا دے دیا جائے مگر وہ اپنے شوہر کے آگے بے بس تھی۔ اس نے بڑی کوشش کی کہ حبیب عجمی کچھ کھانا فقیر کو دے دیں مگر حبیب عجمی پر حرص و طمع کا غلبہ تھا۔ انھوں نے بیوی کو بھی مطعون کیا اور فقیر کو بھگا دیا۔ فقیر تو خدا کا بھیجا ہوا فرشتہ تھا جو انسانی روپ میں آیا تھا۔ اس نے جب یہ بددعا دی کہ اگر تو مجھے کھانا نہیں دے گا تو خود بھی نہیں کھا سکے گا۔ اس کی اس بات کو جھٹلانے کے لیے حبیب عجمی نے اپنی بیوی سے کہا لاؤ کھانا میں ابھی اس فقیر کو کھانا کھا کر دکھاتا ہوں۔ بیوی نے سالن نکالنے کے لیے جب دیگچی کا ڈھکنا اٹھایا تو حیران رہ گئی کہ دیگچی شوربے اور سالن کی بجائے خون سے بھری پڑی تھی اس نے حبیب عجمی کو بلا کر سارا معاملہ سنایا اور دکھایا۔ پہلے تو حبیب عجمی نے سالن کے رنگ و بو پر غور کیا اور جب ان کو اطمینان ہوگیا کہ یہ واقعی خون ہے تو پھر ان کا بھی ماتھا ٹھنکا۔ اب بیوی کو بولنے کا موقع ملا اس نے کہا تم نے ہمیشہ بخیلی سے کام لیا اپنی ہوس کے لیے لوگوں کا خون چوسا۔ قرض کی تہوں پر تہیں چڑھا کر لوگوں کی زندگیوں کو اجیرن کیا اور آج اسی سائل کو جو غالباً خدا کا بھیجا ہوا فرشتہ تھا، اس سے نہایت بُرا رویہ اختیار کیا اور خدا نے اس خون سے جو تم لوگوں کا چوستے ہو ہمارا سالن بدل دیا ہے۔

حبیب عجمی کی حالت تو پہلے ہی پریشان کن تھی۔ اوپر سے بیوی کی جلی کٹی باتوں نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور وہ فقیر کو ڈھونڈنے کے لیے بھاگے مگر وہ تو نامعلوم کہاں غائب ہوگیا تھا۔ اسی پریشانی میں گھر واپس آئے تو بیوی سے کہا اب میرا ایک مشورہ مان لو۔ پوچھا جلدی بتاؤ۔ میں سخت بے کل ہو رہا ہوں نامعلوم مجھے کونسی سزا ملنے والی ہے۔ اس پر بیوی نے کہا میری بات مانو تو اپنا سارا قرضہ جو تم نے لوگوں سے لینا ہے ایک دم معاف کر دو۔ تمھاری اس سخاوت اور دریا دلی کی خبر سن کر فقیر خود بخود دوڑا دوڑا آئے گا۔

حبیب عجمی کہنے لگے کہ مگر میں پھر ساری زندگی روپے پیسے کے بغیر کس طرح گزاروں گا۔ اس پر بیوی نے جواب دیا کہ یہ کونسی مشکل بات ہے۔ اتنی مدت تم نے عیش سے زندگی بسر کی ہے اب باقی زندگی میں محنت و مشقت کرنا، تجارت کر لینا، پیسہ کسی طرح بھی تم کما سکتے ہو۔ اب حبیب عجمی سوچوں میں غرق ہو گئے، گھناؤنا کاروبار، دولت و حشمت اور عیش و عشرت چھوڑنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ جوں جوں کاروبار کو چھوڑنے کی سوچتے دل و دماغ میں الجھن بڑھتی جا رہی تھی مگر پھر اچانک حبیب عجمی کے دل میں سودی کاروبار سے نفرت و کراہت پیدا ہو گئی۔ اسی وقت پاک و صاف ہو کر مصلے پر آ گئے۔ نماز ادا

کر کے سجدے میں گر گئے اور عرض کی، "اے خدائے مطلق! میں گنہگار اور سیاہ کار ہوں۔ زندگی بھر غلطیوں اور بداعمالیوں کا شکار رہا ہوں۔ ان سے لاتعلق ہونا چاہتا ہوں۔ میری مدد فرما کیونکہ میری عقل کمزور ہے لہٰذا مجھے عقل کے حوالے کرنے کی بجائے تو خود میری دستگیری اور راہنمائی فرما۔ میں تیرے ساتھ وعدہ کرتا ہوں کہ میں اپنے تمام سُودی کاروبار ختم کر دوں گا اور اپنے سارے قرضے لوگوں کو معاف کر دوں گا۔

دعا ختم ہوئی، حبیب عجمی کے دل و دماغ سکون و اطمینان سے پُر ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے فیصلے پر قائم رکھنے کا حوصلہ دیا اور گناہگاری ترک کرنے کی ہدایت دی۔ آپ نے فوراً اپنی بیوی کو بتایا میں تمہارے سامنے اپنے گناہوں سے تائب ہو کر فعال زندگی گزارنے کا اقرار کرتا ہوں تُو میری گواہ رہنا۔ بیوی بڑی خوش ہوئی اور بولی، آپ نے زندگی کی حقیقت کو پالیا، گناہگاری ترک کر دی اور استغفار کے ذریعہ صراطِ مستقیم اختیار کی۔ میں آپ کی قیامت تک گواہ رہوں گی۔ یہ سن کر حبیب عجمی کا چہرہ تشفی اور تسلی کے نور سے چمک اٹھا۔ وہ فوراً گھر سے باہر نکلے، اور بلند آواز سے لوگوں کو بتاتے جاتے کہ میں نے جس کسی سے قرض لینا ہے وہ مجھ سے قرض کی معافی کی فارغ خطی لکھوالے۔ جب لوگوں نے سنا کہ حبیب عجمی اپنی فطرت و عادت کے برخلاف اعلان کر رہے ہیں تو اکثر نے یہ کہا کہ حبیب عجمی لوگوں کے خون نچوڑنے کے نئے طریقے کا اعلان کر رہے ہیں۔ گلی کے لڑکوں نے آپ کو دیکھا تو ایک دوسرے کو خبردار کرنے لگے، "حبیب عجمی کے قریب مت جانا کیونکہ اس کے قریب جانا جہنم کی آگ کو چھونے کے برابر ہے"۔

یہ باتیں سن کر حبیب عجمی کو بڑا دکھ ہوا مگر کسی کو کیا کہتے۔ یہ سب ان کی اپنی بداعمالیاں تھیں کسی پہ کیا دوش دیا جاسکتا تھا۔ روتے روتے وہ خواجہ حسن بصری کی مجلس کی طرف چلے۔ وہاں پر موضوع بھی آپ کے حسبِ حال تھا جس نے آپ کے ذہن کے بند دریچوں کو کھول دیا اور بعد میں خواجہ حسن بصری کی پُر درد تقریر اور نصیحتوں نے آپ کی کایا پلٹ کر رکھ دی اور آپ تے بیوی کے علاوہ خواجہ حسن بصری کو بھی اپنی توبہ کا گواہ بنا لیا اور خدا سے وعدہ کیا کہ وہ سُود جیسے مکروہ کاروبار کا خیال بھی دل میں نہ لائیں گے اور لوگوں سے اپنے سارے قصوروں کی معافی مانگیں گے۔

خواجہ حسن بصریؒ نے آپ کے فیصلے اور استغفار کو بڑا سراہا اور آپ کے حق میں دعا کی۔ حبیب عجمی خواجہ حسن بصری کی دعا لیتے واپس گھر لوٹے۔ راستے میں آپ کو ایک شخص ملا جو آپ کا قرضدار تھا۔ آپ نے اس سے کہا "چلو میرے ساتھ میرے گھر میں کاغذ پہ تمہیں تمہارے قرضے سے فارغ خطی لکھ دوں"۔ قرضدار

بولا اگر میں آپ کے گھر گیا تو آپ وہاں میرے ساتھ بُرا سلوک کریں گے۔ میں تو ہرگز نہ جاؤں گا۔ حبیب عجمی بولے، بیشک تم میرے ساتھ چلو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں، مجھے اپنے گھر لے چلو وہاں جا کر میں تمہیں فارغ خطی لکھ دیتا ہوں۔ مگر وہ شخص بالکل نہ مانا اور بولا آپ میرے گھر جا کر وہاں شور و غل مچا کر مجھے محلے بھر میں رسوا کریں گے۔ آپ رونے لگے اور خدا سے عرض کی لے خدا! میں اتنا ہی بے اعتبار ہو چکا ہوں کہ میری نیکی پر بھی لوگ یقین نہیں کرتے۔ آپ نے اس قرضدار سے کہا، تو جا اور کاغذ یہاں لے آ۔ میں تمہیں یہاں پر ہی فارغ خطی لکھ دیتا ہوں۔ اب اس شخص کو تھوڑا سا اعتماد پیدا ہوا اور وہ آپ کے ساتھ گھر چلنے پر آمادہ ہو گیا۔ راستے میں پھر گلی کے لڑکوں سے حبیب عجمی کا سامنا ہوا۔ لڑکے آپ کو دیکھ کر بولے، ہٹ جاؤ، کہیں ہماری اڑائی ہوئی گرد حبیب عجمی پر نہ پڑ جائے اور ہم گناہ گار نہ ہو جائیں۔ یہ بات سن کر قرضدار بڑا متعجب ہوا۔ حبیب عجمی اسی وقت سجدے میں گر گئے۔ عرض کی یا مولا کریم! تیری قدرت کے بھی عجیب تماشے ہیں۔ اِدھر میں نے توبہ کی ہے اُدھر تو نے میری نیک نامی کے اعلان کرانا شروع کر دیے ہیں اسی وقت آپ نے اپنے تمام قرضداروں کو فارغ خطی لکھ کر دینا شروع کر دی اور اعلان کرا دیا کہ میرا کوئی بھی مقروض جہاں بھی ہو وہ مجھ سے فارغ خطی لکھوا لے۔ تمام قرضداروں کو فارغ خطیاں لکھ کر دینے کے بعد آپ نے اپنا تمام اثاثہ لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ جب سارا کچھ بانٹ چکے تو ایک سائل آ گیا اس وقت آپ کے پاس کچھ نہ رہا تھا آپ نے اس کو اپنا کُرتہ دے دیا۔ ابھی وہ سائل موجود ہی تھا، کہ ایک اور آ گیا۔ آپ نے اس کو اپنی بیوی کی چادر دے دی۔ اور اپنا دامن دنیاوی دولتوں سے جھاڑ دیا۔ (اولیائے کرام)

۲۵۔ اللہ پہ بھروسہ اور یقینِ کامل

خواجہ حسن بصری اور آپ کے درمیان بڑا گہرا تعلق تھا۔ ایک روز آپ اپنے گھر میں جو چوراہے پہ واقع تھا وہاں غسل کے لیے چلے گئے۔ آپ کے کپڑے گھر سے باہر کی طرف دیوار پہ لٹکے ہوئے تھے اور خواجہ حسن بصری کا ادھر سے گزر ہوا اور ان کو آپ کے لباس کی خوشبو آئی اور وہ ٹھہر گئے کہ ان خوشبو بھرے کپڑوں کو کوئی چور نہ اٹھا کر لے جائے اور کافی دیر کھڑے رہ کر حبیب عجمی کے لباس کی نگرانی کرتے رہے۔ جب حبیب عجمی واپس آئے تو کپڑوں کے پاس خواجہ حسن بصری کو کھڑے پایا، اور

پوچھا آپ یہاں کیسے کھڑے ہیں؟ جواب ملا، یہاں سے گزر رہا تھا، دیوار پر آپ کے کپڑے دیکھے تو اس خیال سے رک گیا کہ کہیں کوئی چور آ کر آپ کے کپڑے نہ اٹھا لے۔ اس کے بعد خواجہ حسن بصری نے پوچھا کہ آپ نے یہ کپڑے کس کے بھروسے پر دیوار پر لٹکا دیے تھے، اگر چوری ہو جاتے تو؟ حبیب عجمی نے جواب دیا کہ اگر کپڑے چوری ہو جاتے تو جس نے یہ کپڑے دیے تھے وہ اور دے دیتا۔ دوسرے یہ کہ میرے کپڑوں کی نگرانی کے لیے جس نے آپ کو بھیجا ہے اسی کے بھروسے پر میں کپڑے یوں چھوڑ کر چلا گیا تھا خواجہ حسن بصری لاجواب ہو کر واپس تشریف لے گئے۔ (تذکرۃ الاولیاء ص ۲۸)

۲۶۔ وصلِ الٰہی سے دنیا کی محبت کا خاتمہ

حبیب عجمی نے ایک مرتبہ ایک کنیز خریدی اور اس کو گھر میں بھیج کر اپنے حجرے میں عبادت کی غرض سے چلے گئے اور عبادت میں اس قدر مشغول رہے کہ اپنا ہوش بھی نہ رہا۔ بیس سال عبادت و ریاضت میں گزارنے کے بعد اچانک ایک روز ان کو یاد آ گیا کہ میں نے ایک کنیز خریدی تھی۔ آپ نے گھر میں پہنچ کر تو اسی کنیز کو دیکھا مگر یہ بھول گئے تھے کہ یہ والی ہی میری کنیز ہے۔ اس سے کہنے لگے اے خاتون! ذرا آپ میری کنیز کو میرے پاس بھیج دیجئے۔ کنیز نے جواب دیا حضرت! آپ کس کنیز کو بلوا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا آپ میری بیوی سے جا کر پوچھیں وہ آپ کو کنیز کے متعلق بتا دے گی۔ کنیز نے عرض کیا اے حبیب عجمی! کیا آپ میرے ساتھ مذاق تو نہیں کر رہے کیونکہ آپ کے سامنے تو کنیز کھڑی ہے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ کنیز کو میرے پاس بھیجو۔ حبیب عجمی نے کہا میں آپ سے ہرگز مذاق نہیں کر رہا بلکہ میں نے ایک مدت سے کسی کے ساتھ بھی مذاق نہیں کیا۔ آپ کو میں نے بالکل نہیں پہچانا کہ آپ ہی میری کنیز ہیں بلکہ میری تو یہ حالت ہے کہ میں اکثر لوگوں کی پہچان بھول گیا ہوں اور کئی لوگ اس بات کی شکایت کرتے ہیں مگر میں نے جب سے خدا کو پہچانا ہے، بندوں کا خیال میرے دل سے نکل گیا ہے۔ آپ نے اسی وقت کنیز کو آزاد کر دیا۔ (نزہۃ البساتین)

۲۷۔ حضرت حبیب عجمی کی بصیرت

ایک روز حبیب عجمی ایک جگہ تشریف فرما تھے اور عبادت میں مشغول تھے۔ وہاں سے امام شافعیؒ

اور امام احمد بن حنبل کا گزر ہوا۔ حبیب عجمی کو دیکھ کر امام احمد بن حنبل سے امام شافعی بولے، حبیب واصل باللہ ہیں، ان سے سوال کرنا فضول ہے، ان کا مسلک ہم سے مختلف ہے لہٰذا ان کو سوالوں سے ہلکان کرنا دانشمندی نہیں۔ امام احمد بن حنبل پر امام شافعی کی بات نے کوئی اثر نہ کیا اور انھوں نے ایک سوال کر دیا اور پوچھا اے حبیب عجمی! اگر کسی شخص کی پانچ نمازوں میں سے ایک نماز قضا ہو جائے مگر وہ شخص بھول چکا ہو کہ کونسی نماز قضا ہوئی تھی تو پھر وہ اس صورت میں کونسا راستہ اختیار کرے گا۔ حبیب عجمی نے جواب دیا کہ اس شخص کو سارے دن کی تمام نمازیں ادا کرنی ہوں گی کیونکہ وہ خدا کی فرض عبادت سے اتنا غافل کیوں ہوا اور اتنی بڑی غلطی کے ارتکاب کی اتنی سزا تو بے حد ضروری ہے۔ امام احمد بن حنبل خاموش ہو گئے مگر امام شافعی کو بہت خوشی ہوئی اور فرمایا میں نے تمھیں بتایا تو تھا کہ حبیب عجمی سے کوئی ایسا ویسا سوال نہ کرنا جس سے تمھیں سبکی ہو۔ کیونکہ جس مرتبے پر حبیب عجمی فائز ہیں وہاں بڑے بڑے اولیا نہیں پہنچ سکے تو پھر ہمارا بھلا کیا مقام ہے۔ (انوار اصفیاء ص ۳۵)

۲۸۔ رحم اور مغفرت کی دعا

ایک دن حبیب عجمی ایک پھانسی گھر کے قریب سے گزر رہے تھے اسی وقت ایک قاتل کو پھانسی دی جانے والی تھی۔ پھندا اس شخص کے گلے میں ڈال دیا گیا تھا آپ کو دیکھ کر اس قاتل نے عرض کی، اے حبیب عجمی! میں بڑا سیاہ کار اور گناہگار ہوں میرے لیے مغفرت کی دعا فرمائیں۔ آپ نے خدا سے عرض کی، اے مالک ملک: اس شخص نے مجھے کوئی نیک بزرگ سمجھ کر دعا کی درخواست کی ہے اس پر رحم فرما اور اس کی خطاؤں کو معاف فرما دے۔ آپ دعا کر کے آگے روانہ ہو گئے، اس قاتل کو پھانسی مل گئی اور وہ مر گیا جب اس کی نعش اٹھائی جا رہی تھی تو انہ ہا او ہمدردی جلاد نے کہا اس بیچارے کو حبیب عجمی کی اچھی دعا لگی کہ یہ اگلے جہان جا پہنچا۔ اسی رات جلاد نے خواب میں دیکھا کہ وہ خونی قاتل ایک بہت بڑے باغ میں انتہائی خوش و خرم بیٹھا ہے اور اس کے ارد گرد کا ماحول اس قدر دلکش ہے کہ نظروں کو خواہ مخواہ حلاوت محسوس ہو رہی ہے۔ جلاد نے اس قاتل سے پوچھا تو اس قدر خوش کیوں ہے۔ اس نے جواب دیا، یہ سب حبیب عجمی کی دعا کا اثر ہے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر خصوصی مہربانی فرمائی۔ اگلے روز جلاد حبیب عجمی کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے سوءِ ظنی کی معافی مانگی۔ آپ نے اس کو معاف کر دیا اور اس کو نصیحت

بھی کی اور اس کے لیے دعا بھی کی۔ (مرأۃ الاسرار ص ۲۴۶)

۲۹۔ حضرت حبیب عجمی کی کرامت

ایک عورت فریاد و زاری کرتی ہوئی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میرا بچہ گم ہو گیا ہے جس کی وجہ سے میں بہت ہی مضطرب ہوں۔ آپ نے پوچھا کہ تمہارے پاس اور کیا ہے؟ اس نے کہا کہ دو درہم ہیں۔ آپ نے اس سے وہ دو درہم لے کر خیرات کر دیے اور دعا کر کے فرمایا کہ جاؤ تمہارا بچہ آ گیا۔ چنانچہ گھر پہنچ کر جب اس نے دیکھا تو واقعی اس کا بچہ گھر پر موجود تھا۔ اس کو گلے لگا کر پوچھا کہ تو کہاں چلا گیا تھا۔ لڑکے نے کہا کہ میں تو کرمان میں تھا اور میرے استاد نے گوشت لانے کے لیے بازار بھیجا راستہ میں اچانک ایسی آندھی آئی کہ جو مجھے یہاں تک اڑا کر لے آئی اور میں نے کسی کہنے والے کو سنا کہ لے ہوا اس کو گھر پہنچا دے۔ (تذکرۃ الاولیاء)

۳۰۔ اللہ کی مزدوری کا اجر

ایک مرتبہ بیوی نے کہا کہ خورد و نوش کے لیے کچھ نہ کچھ کام کرنا چاہیے تو آپ مزدوری کرنے کے لیے گھر سے نکلے لیکن دن بھر عبادت میں مشغول رہ کر جب گھر پہنچے تو بیوی نے سوال کیا کہ کیا لائے ہو آپ نے جواب دیا کہ جس کی مزدوری کی ہے وہ بہت کرم والا ہے اور اس کے کرم ہی کی وجہ سے مجھ میں اجرت طلب کرنے کی جرأت نہ ہو سکی لیکن اس نے خود ہی کہہ دیا ہے کہ دس یوم کے بعد جب تم کو ضرورت ہو گی تو پوری اجرت دیدوں گا۔ پھر جب دس دن کے بعد آپ کو خیال آیا کہ آج گھر پر جا کر کیا جواب دوں گا تو ایک طرف تو اپنے تصور میں غرق چلے جا رہے تھے اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے ایک بوری آٹا ایک ذبح شدہ بکری، گھی، شہد اور تین سو درہم ایک غیبی شخص کے ذریعہ آپ کے گھر پہنچا دیے اور ساتھ ہی یہ پیغام بھی دیا کہ حبیب سے کہہ دینا کہ اپنے کام کو ترقی دیں جس کے صلہ میں ہم اس سے بھی زیادہ مزدوری دیں گے۔ چنانچہ جب آپ گھر کے دروازے پر پہنچے تو گھر میں سے کھانے کی خوشبو آ رہی تھی۔ اندر جا کر بیوی سے صورتحال دریافت کی تو اس نے پورا واقعہ اور پیغام آپ تک پہنچا دیا۔ یہ سن کر آپ کو خیال آیا کہ جب صرف دس یوم کی عدم توجہی کی ریاضت کا اللہ تعالیٰ نے یہ نعم البدل عطا فرمایا ہے تو اگر

زیادہ دل جمعی کے ساتھ عبادت کروں تو نہ جانے کیا انعامات حاصل ہوں گے۔ چنانچہ اسی دن سے دنیا کو چھوڑ کر اس درجہ عبادت میں غرق ہوگئے کہ مستجاب الدعوات کے درجہ تک پہنچے اور آپ کی دعاؤں سے مخلوق کو بہت مفاد حاصل ہوا۔ (تذکرۃ الاولیاء)

۳۱۔ رضائے الٰہی

ایک مرتبہ حسن بصری مغرب کی نماز کے وقت آپ کے یہاں پہنچے لیکن آپ نماز کے لیے کھڑے ہو چکے تھے اور حسن بصری نے جب یہ دیکھا کہ آپ الحمد کی بجائے الہمد (چھوٹی ہ سے) قرأت کر رہے ہیں تو یہ خیال کر کے کہ آپ چونکہ قرآن کا تلفظ صحیح ادا نہیں کر سکتے اس لیے آپ کے پیچھے نماز نہ پڑھنی چاہیئے چنانچہ انھوں نے علیحدہ نماز پڑھی لیکن اسی رات کو خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوا تو آپ نے عرض کیا کہ یا اللہ! تیری رضا کا ذریعہ کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ تو نے ہماری رضا پائی لیکن اس کا مقام نہیں سمجھا۔ آپ نے پوچھا کہ وہ کونسی رضا تھی؟ ارشاد ہوا کہ اگر تو نماز میں حبیب عجمی کی اقتدا کر لیتا تو تیرے لیے تمام عمر کی نمازوں سے بہتر تھا کیونکہ تو نے اس کی ظاہری عبادت کا تصور تو کیا لیکن اس کی نیت نہیں دیکھی جبکہ دل کی نیت سے تلفظ کی صحت کم درجہ رکھتی ہے۔ (تذکرۃ الاولیاء)

۳۲۔ حضرت حبیب عجمی کا روحانی تصرف

منقول ہے کہ ایک مرتبہ حسن بصری، حجاج بن یوسف کے سپاہیوں سے چھپتے ہوئے حضرت حبیب عجمی کی عبادت گاہ میں پہنچ گئے اور جب سپاہیوں نے حبیب عجمی سے معلومات حاصل کیں تو انھوں نے صاف بتا دیا کہ حسن عبادت گاہ کے اندر ہیں لیکن پورے عبادت خانے کی تلاشی کے باوجود بھی حضرت حسن کا سراغ نہ مل سکا اور حضرت حسن فرماتے ہیں کہ سات مرتبہ سپاہیوں نے میرے اوپر ہاتھ رکھا لیکن مجھے نہ دیکھ سکے۔ پھر سپاہیوں نے حضرت حبیب سے کہا کہ حجاج تم کو دروغ گوئی کی سزا دے گا۔ آپ نے فرمایا کہ حسن میرے سامنے عبادت گاہ میں داخل ہوئے تھے لیکن اگر وہ تمھیں نظر نہیں آئے تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔ چنانچہ دوبارہ پھر تلاشی لی لیکن ان کو نہ پا کر واپس آ گئے۔ حضرت حسن نے باہر نکل کر حضرت حبیب سے کہا کہ آپ نے تو استادی کے حق کا بھی کچھ پاس نہیں کیا اور صاف صاف انھیں میرا پتہ بتا دیا

انھوں نے جواب دیا کہ چونکہ میں نے سچ سے کام لیا اس لیے آپ محفوظ رہے اور اگر میں دروغ گوئی سے کام لیتا تو پھر یقیناً ہم دونوں گرفتار کر لیے جاتے۔ یہ سن کر حضرت حسن نے پوچھا کہ آخر تم نے کیا منتر پڑھ دیا تھا کہ جس کی وجہ سے میں سپاہیوں کو نظر نہ آسکا۔ آپ نے فرمایا کہ دو مرتبہ آیۃ الکرسی، دو مرتبہ قل ہو اللہ احد، اور دو مرتبہ آمن الرسول پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ حسن کو تیرے حوالے کیا تو ہی ان کی حفاظت کرنا۔ (تذکرۃ الاولیاء)

۳۳۔ حضرت مالک بن دینار کی کرامت

ایک مرتبہ حضرت مالک بن دینار ایک کشتی میں سفر کر رہے تھے۔ جب کشتی عین منجدھار میں پہنچ گئی تو ملاح نے ان سے کرایہ طلب کیا۔ بزرگ نے فرمایا کہ میرے پاس تو تمھیں دینے کے لیے کچھ نہیں ہے اگر ایسی ہی بات تھی تو مجھے کشتی میں سوار کرنے سے پہلے کہہ دیا ہوتا۔ تاکہ میں سفر کے لیے کوئی اور وسیلہ تلاش کر لیتا۔ ان کی بات سن کر کشتی کا مالک سخت بدتمیزی اور بدکلامی پر اتر آیا۔ اس نے آپ کو اس قدر مارا کہ آپ پر غشی طاری ہو گئی۔ کشتی والا کوئی بہت ہی ظالم اور سنگدل انسان معلوم ہوتا تھا اس نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ جب آپ کی غشی دور ہوئی تو اس نے آپ سے دوبارہ کرایہ طلب کرتے ہوئے کہا کہ اگر تم نے کشتی میں سفر کرنے کا معاوضہ ادا نہ کیا تو میں تمھیں دریا کی طوفانی موجوں کے سپرد کر دوں گا ابھی اس ملاح نے اپنی بات بھی مکمل نہ کی تھی کہ اچانک کچھ مچھلیاں منہ میں ایک ایک دینار دبائے پانی کے اوپر کشتی کے پاس آئیں اور آپ نے ایک مچھلی کے منہ سے دینار لے کر کرایہ ادا کر دیا۔ ادھر ملاح یہ ساری صورت حال دیکھ کر تھر تھر کانپنے لگا اور فوراً آپ کے قدموں میں گر کر معافی طلب کرنے لگا مگر آپ کشتی میں سے دریا میں اتر گئے اور پانی پر چلتے ہوئے نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ (مرأۃ الاسرار جلد اول ص ۲۲۹)

۳۴۔ صداقتِ زبان کا واقعہ

حضرت مالک بن دینار ایک مرتبہ شدید بیماری کے بعد جب صحت یاب ہوئے تو کسی ضرورت کے تحت انتہائی مشکل سے گرتے پڑتے بازار تشریف لے گئے۔ حُسنِ اتفاق سے اس وقت سامنے سے

بادشاہ سلامت کی سواری آرہی تھی۔ سواری کو راستہ دلوانے کے لیے پہریداروں نے لوگوں کو ادھر اُدھر ہٹانے کے لیے ایک شور بلند کیا۔ حضرت مالک بن دینار اس قدر کمزوری محسوس کر رہے تھے کہ انھیں راستے سے ہٹنے میں تھوڑی سی تاخیر ہوگئی۔ چنانچہ ایک پہریدار نے آپ کو اس زور سے کوڑا مارا کہ تکلیف کی حالت میں آپ کے منہ سے اس پہریدار کے بارے میں یہ کلمہ نکل گیا کہ خدا کرے کہ تیرے ہاتھ کٹوا دیے جائیں۔ کرنا خدا کا کیا ہوا کہ چند ہی روز بعد کسی جرم کی پاداش میں اس پہریدار کے ہاتھ کٹوا دیے گئے تاہم آپ کو اس کی یہ حالت دیکھ کر انتہائی قلق ہوا اور آپ نے دل میں کہا کہ کاش کرب کی حالت میں میرے منہ سے پہریدار کے بارے میں بُرا کلمہ نہ نکلا ہوتا۔ (خزینۃ الاصفیا جلد ۵ ص ۲۱)

۳۵۔ ترکِ دنیا

حضرت مالک بن دینار دنیاداری سے ہمیشہ دور رہتے تھے۔ یہاں کی رنگینیوں اور دلکشیوں کو دیکھ کر مالک بن دینار پر ایک قسم کا خوف طاری ہو جایا کرتا تھا۔ منقول ہے کہ بصرہ میں کوئی امیر آدمی فوت ہو گیا اور اس کی وسیع جائداد اور مال و دولت کی وارث اس کی اکلوتی لڑکی ٹھہری جو کہ انتہائی خوبصورت اور قیامت خیز شخصیت کی مالک تھی۔ ایک دن اس لڑکی نے حضرت ثابت بنانی کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ وہ نکاح کرنا چاہتی ہے۔ حضرت ثابت بنانی نے پوچھا کہ تم کس سے نکاح کرنے کی آرزومند ہو؟ اس پر لڑکی نے جواب دیا، میری خواہش ہے کہ مالک بن دینار سے میرا نکاح ہو جائے کیونکہ وہ پرہیزگار دیندار اور ذکرِ الٰہی میں مصروف رہنے والے انسان ہیں۔ میں ان سے اس لیے شادی کرنا چاہتی ہوں تاکہ دینی کاموں میں وہ میری معاونت کر سکیں۔

چنانچہ حضرت ثابت بنانی نے اس لڑکی کا پیغام مالک بن دینار تک پہنچا دیا جس پر آپ نے فرمایا کہ میں تو دنیا کو طلاق دے چکا ہوں اور چونکہ عورت کا شمار بھی دنیا میں ہوتا ہے اس لیے طلاق شدہ عورت سے نکاح جائز نہیں ہے۔ (مرأۃ الاسرار جلد اول ص ۲۲۱)

۳۶۔ صداقت ثابت کرنے کی دلیل

حضرت مالک بن دینار کے بارے میں ایک مشہور واقعہ ہے کہ کسی ملحد سے آپ کا مناظرہ ہو گیا۔

آپ بھی اپنے موقف کو حق پر سے تعبیر کرتے رہے اور ملحد بھی اپنے موقف کو درست ثابت کرنے پر تُلا رہا۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر لوگوں نے فیصلہ کیا کہ آپ کے اور اس ملحد کے ہاتھوں کو آگ میں ڈالا جائے لہذا جس کے ہاتھ آگ سے محفوظ رہیں گے اس کو حق پر تصور کیا جائے گا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ دونوں میں سے کسی کے ہاتھ کو بھی نقصان نہ پہنچا۔ اس پر طے یہ پایا کہ ملحد اور مالک ابن دینار دونوں ہی حق پر ہیں۔ مگر آپ اس صورتِ حال سے بہت افسردہ ہوئے اور اللہ تعالےٰ سے عرض کرنے لگے کہ اے باری تعالیٰ! میں نے پورے ستر سال تیری عبادت و ریاضت میں گزار دیے مگر تو نے مجھے ایک ملحد کے برابر قرار دیا۔ اس پر غیب سے آواز آئی کہ اے مالک! تمہارے ہاتھ کی وجہ سے ایک ملحد کا ہاتھ جلنے سے بچ گیا ہے کیا تمہیں اس کی خوشی نہیں ہے۔ اگر وہ تنہا اپنا ہاتھ آگ میں ڈال دیتا تو یقیناً وہ جل جاتا۔ (خزینۃ الاصفیا جلد ۵ ص ۲۰)

۳۷۔ حضرت مالک بن دینار کی دانائی

خود شناسی کے ساتھ ساتھ آپ کو لوگوں کو پرکھنے اور ان کے باطن کو بھی سمجھنے کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود تھی مثلاً ایک مرتبہ حضرت مالک بن دینار کسی مریض کی مزاج پرسی کے لیے تشریف لے گئے وہاں پہنچ کر جب آپ نے دیکھا کہ مریض قریب المرگ ہے اور زندگی کے آخری سانس گن رہا ہے تو آپ نے اسے کلمہ پڑھنے کی تلقین فرمائی، لیکن جب وہ کلمہ پڑھنے کے بجائے بار بار "دس اور گیارہ" کہتا رہا تو آپ نے اس کا سبب دریافت کیا۔ آپ نے جب ایک مرتبہ پھر کلمہ پڑھنے کے لیے کہا تو مریض نے نقاہت کے عالم میں بتایا کہ جب وہ کلمہ پڑھنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کے سامنے آگ کا پہاڑ آجاتا ہے اور آگ کے شعلے اس کی جانب لپکتے ہیں۔ حضرت مالک بن دینار نے مریض کے پاس کھڑے دوسرے لوگوں سے پوچھا، کیا یہ شخص سود کا کاروبار کرتا ہے؟ لوگوں نے کہا اعلیٰ حضرت! یہ تو بالکل سچ ہے لیکن آپ نے کیسے جانا؟ اس پر حضرت مالک بن دینار نے فرمایا کہ جس شخص کو دمِ آخر دشواری نظر آئے تو سمجھ لو کہ وہ کم تولنے والا اور سود کھانے والوں میں سے تھا۔

(تذکرۃ الاولیاء ص ۲۳)

۳۸۔ تزکیۂ نفس

حضرت مالک بن دینار چالیس سال تک بصرے میں قیام فرما رہے لیکن آپ کو خرما کھانے کی رغبت نہ ہوئی۔ جس وقت اس کے متعلق استفسار کیا جاتا آپ فرماتے کہ اہل بصرہ! میرا پیٹ خرما نہ کھانے سے کچھ کم نہیں ہو گیا اور نہ ہی خرما کھانے سے تمہارا پیٹ کچھ بڑھ گیا۔ جب چالیس سال گزر گئے تو ایک روز آپ کے نفس میں خرما کھانے کی خواہش عود کر آئی۔ آپ نفس کو سمجھاتے کہ میں تیری اس آرزو کو پورا نہ کروں گا۔ یہاں تک کہ ایک رات آپ نے خواب میں دیکھا جیسے کوئی کہہ رہا ہو خرما کھاؤ اور اپنے نفس کو رہا کرو۔ جب آپ نے اپنے نفس سے کہا کہ ایک ہفتہ روزہ رکھ اور دن اور رات کو کچھ نہ کھا اور تمام رات قیام کر اس کے بعد میں تیری آرزو پوری کروں گا۔ نفس نے اقرار کیا اور ایک ہفتہ تک بموجب ارشاد عمل کیا۔ مدت ختم ہو جانے کے بعد آپ نے خرما خریدا اور مسجد میں آ گئے کہ نوش فرما سکیں۔ اتنے میں ایک لڑکے نے اپنے باپ کو آواز دی کہ ایک یہودی نے خرما خریدا ہے اور اسے کھانے کے لیے مسجد میں گیا ہے۔ باپ نے کہا کہ یہودی کا مسجد میں کیا کام اور ایک لکڑی اٹھا کر مسجد کے اندر داخل ہوا اور وہاں جب حضرت کو دیکھا تو پاؤں پر گر پڑا اور معافی طلب کرتے ہوئے بولا کہ اے خواجہ معاف کرنا۔ ہمارے محلے میں سوائے یہودیوں کے دن کو اور کوئی نہیں کھاتا۔ حضرت بہت شرمندہ ہوئے اور خرما نہ کھایا۔ (مرأۃ الاسرار جلد اوّل ص ۲۳۰)

۳۹۔ نگاہِ فیض کا اثر

یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اگر نظر کرم ہو جائے تو بڑے بڑے گنہگار اور پاپ کرنے والے بھی نیکو کار اور پرہیزگار بن جاتے ہیں۔ روایت ہے کہ ایک بدمعاش قسم کا نوجوان حضرت مالک بن دینار کے پڑوس میں رہتا تھا اور شرفاء اس نوجوان کے ہاتھوں خاصے پریشان تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ لوگوں نے آپ سے اس کے مظالم کی شکایت کی مگر آپ نے جب اس نوجوان کے پاس جا کر اسے نصیحت کی تو وہ آپ کے ساتھ خاصی گستاخی سے پیش آتے ہوئے بولا کہ میں حکومت کا آدمی ہوں اور کسی کو میرے کاموں میں دخل دینے کی قطعی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میں اپنے اچھے برے فعل کا خود ذمہ دار ہوں۔ حضرت مالک

ابن دینار نے جب اس سے فرمایا کہ میں بادشاہ سے تیری شکایت کروں گا تو اس نے جواب دیا کہ بادشاہ بہت رحمدل اور نرم مزاج ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ میرے خلاف کسی کی بات سننا گوارا نہیں کریگا۔ مالک بن دینار نے کہا کہ اگر بادشاہ نے تمھارے خلاف شکایت نہ سنی تو میں اللہ تعالیٰ سے تیری شکایت کروں گا۔ اس پر نوجوان نے فخریہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو بادشاہ سے بھی زیادہ رحیم وکریم ہے نوجوان کی یہ بات سن کر مالک بن دینار واپس لوٹ آئے لیکن چند ہی روز بعد جب لوگوں نے دوبارہ اس نوجوان کے مظالم کی شکایت کی تو آپ پھر اس نوجوان کو نصیحت کرنے تشریف لے گئے لیکن اتنے میں غیب سے ندا آئی کہ میرے دوست کو پریشان مت کرو۔

غیب کی یہ ندا سن کر حضرت مالک بن دینار حیرت زدہ رہ گئے اور انھوں نے اس نوجوان سے جا کر کہا کہ میں اس غیبی آواز کے متعلق تجھ سے پوچھنے آیا ہوں جو میں نے راستے میں سنی ہے۔ نوجوان یہ سن کر خود بھی حیرت زدہ رہ گیا اور پھر ایک مصمم ارادے کے ساتھ پرعزم انداز میں کہنے لگا کہ اگر یہ بات ہے تو میں اپنی تمام دولت خدا کی راہ میں قربان کرتا ہوں۔ چنانچہ کچھ ہی دن بعد وہ نوجوان اپنا پورا اثاثہ خیرات کر کے نامعلوم سمت کی جانب روانہ ہو گیا۔ پھر ایک مرتبہ مالک بن دینار جب مکہ معظمہ پہنچے تو انھوں نے اس نوجوان کو وہاں انتہائی کمزور اور قریب المرگ حالت میں دیکھا جو اس وقت سجدے میں پڑا کہہ رہا تھا "خدا نے مجھے اپنا دوست فرمایا ہے اس لیے میں بھی اس کے احکام پر اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کروں گا اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس کی رضا اور خوشنودی صرف عبادت سے ہی حاصل ہوتی ہے اور آج سے میں کوئی بھی ایسا کام کرنے سے سچی توبہ کرتا ہوں جو اس کی تسلیم و رضا کے خلاف ہوگا"۔ پھر حضرت مالک ابن دینار نے دیکھا کہ اتنا کہنے کے بعد وہ نوجوان اسی وقت اپنے مالک حقیقی سے جا ملا۔ (تذکرۃ الاولیاء ص ۲۲)

۴۰۔ ایمان ذریعہ بخشش بنا

مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ میں نے بصرہ میں کچھ لوگ دیکھے جو جنازہ لیے جا رہے تھے اور سوائے حاملین جنازہ کے اور کوئی شخص جنازہ کے ہمراہ نہ تھا میں نے ان لوگوں سے اس کی وجہ دریافت کی تو کہنے لگے کہ یہ شخص بہت بڑا گناہگار تھا۔ مالک بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے اس کی نماز جنازہ ادا کی اور

قبر میں اتارا اور وہاں سے آگے ایک جگہ سایہ میں بیٹھ گیا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ دو فرشتے آسمان سے نازل ہوئے اور اس کی قبر شق کی اور ایک ان میں سے قبر کے اندر داخل ہوا اور اپنے ساتھی سے کہنے لگا کہ اس کو اہلِ نار میں لکھ لیجئے۔ کیونکہ اس کا کوئی عضو گناہ سے محفوظ نہیں ہے۔ اس ساتھی نے کہا بھائی جلدی نہ کرو اس کی آنکھوں کو دیکھو۔ کہا میں نے خوب دیکھا وہ نظر بد اور حرام سے پُر ہیں۔ کہا کانوں کو دیکھ اور آزما۔ کہا وہ بھی فواحش و منکرات کے استماع سے پُر ہیں۔ کہا اس کی زبان پر غور کر۔ کہنے لگا وہ بھی ارتکابِ محرمات سے پر ہے۔ کہا اس کے ہاتھوں کو دیکھ، کہا وہ بھی تناولِ حرام اور شہوات سے پُر ہیں۔ کہا اس کے پاؤں کو دیکھ، کہا وہ بھی بیہودہ دیکھے کہ امور مذمومہ سے اور ناپاک جگہ کی طرف دوڑنے سے پُر ہیں۔ پھر کہا اے بھائی! جلدی نہ کر اب مجھے اترنے دے۔ چنانچہ دوسرا فرشتہ اترا اور ایک ساعت اس کے پاس رہا۔ پھر کہا اے بھائی! میں نے اس کا قلب دیکھا کہ ایمان سے پُر ہے لکھ دے کہ یہ مرحوم و سعید ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا فضل اس کی خطا اور گناہوں کو دھو دے گا۔ اور یہ دو شعر پڑھے ؎

لما راوہ مبعدا عن طاعتی ✤ حکموا بانی لا اجود برحمتی

حلمی اجل ولن یضیق علی الوری ✤ من ذا یحد اوامری و مشیتی

ترجمہ:۔ "جب لوگوں نے بندہ کو میری عبادت سے دور رہتے دیکھا تو حکم لگا دیا کہ میں اپنی رحمت سے اسے نہ بخشوں گا۔ حلم میرا بہت بڑا ہے اور مخلوق پر حلم کا دروازہ تنگ نہیں ہے۔ میرے احکام اور مرضیات کو کون پورا کر سکتا ہے"۔

(مؤلف کہتے ہیں) یہ کیفیت اس شخص کو عنایتِ خداوندی سے حاصل ہوئی اس پر غرہ نہ کریں کیونکہ سب گنہگاروں کو یہ بات حاصل نہیں ہے گنہگار اس خطرہ سے بالکل محفوظ نہیں ہیں کہ مشیتِ ایزدی سے کیا حال درپیش ہو۔ بلکہ ہر ایک صالح اور نیک آدمی کو بھی یہ اندیشہ ہے کہ اس کا خاتمہ کیسا ہو۔ ہم خدا تعالیٰ سے حسنِ خاتمہ اور دنیا و آخرت کی عافیت و مغفرت کے لیے دعا کرتے رہیں وہ ہمارے اور ہمارے احباب اور جملہ مسلمان بھائیوں کے لیے دین سلامت رکھے۔ آمین!

(نزہۃ البساتین)

۴۱۔ عشقِ الٰہی کا صلہ

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حج کے لیے بیت اللہ جا تا تھا کہ ایک شخص سے ملاقات ہوئی۔ اس کے پاس نہ تو کوئی توشہ تھا نہ پانی تھا اور نہ سواری۔ پا پیادہ ذوق وشوق میں راہ طے کر رہا تھا۔ میں نے اسے سلام کیا، اس نے میرے سلام کا جواب دیا۔ پھر میں نے پوچھا اے جوان! تو کہاں سے آتا ہے؟ کہا اسی کے پاس سے۔ میں نے کہا، کہاں جاتا ہے؟ کہا اسی کی طرف۔ میں نے کہا توشہ کہاں ہے؟ کہا اسی کے ذمہ۔ میں نے کہا بھلا پانی اور توشہ کے بغیر راستہ کیونکر کٹے گا، تیرے پاس تو کچھ نظر نہیں آتا۔ کہا ہاں! میں نے گھر سے نکلتے وقت پانچ حرف توشہ کے لیے لائے ہیں۔ میں نے کہا وہ کونسے ہیں؟ کہا قولِ خدا کٓھٰیٰعٓصٓ۔ میں نے کہا ان کے معنی؟ کہا کاف کے معنی کافی، ہٰ کے معنی ہادی۔ یٰ کے معنی جگہ دینے والا، عٓ کے معنی عالم، صٓ کے معنی صادق۔ جس کا مصاحب اور ساتھی کافی، ہادی، جگہ دینے والا، عالم اور صادق ہو وہ بر باد نہ ہوگا اور نہ اسے خوف ہوگا اور نہ وہ سفر کا توشہ اور پانی لینے کا محتاج ہے۔ مالک بن دینار کہتے ہیں کہ جب میں نے اس کی باتیں سنیں تو اپنا کرتہ اتار کر پہنانا چاہا۔ اس نے انکار کیا اور کہا اے شیخ! دنیا کے کرتے سے ننگا رہنا بہتر ہے۔ دنیا کی حلال چیز میں حساب ہوگا اور اس کے حرام میں عذاب۔ جب رات ہوئی تو اس جوان نے اپنا منہ آسمان کی طرف کر کے کہا اے وہ خدائے کریم جسے طاعت خوش آتی ہے اور گناہ اس کا کچھ نقصان نہیں کرتا۔ جو تجھے خوش آئے مجھے بخش اور میرے گناہ جو تجھے نقصان نہیں پہنچاتے بخش دے۔ جب لوگوں نے احرام باندھ کر لبیک کہی۔ میں نے اس سے کہا تم لبیک نہیں کہتے، کہا اے شیخ! میں ڈرتا ہوں کہ میں تو لبیک کہوں اور جواب میں وہاں سے "لالبیک ولا سعدیک" ہو (میں تیری بات نہیں سنتا اور نہ تیری طرف دیکھتا ہوں) یہ کہہ کر چل دیا۔ پھر میں نے منیٰ کے سوا اور کہیں نہیں دیکھا۔ وہ کہہ رہا تھا میرا دوست وہ ہے جسے میرا خون گرانا پسند ہے۔ اس کے واسطے میرا خون حل اور حرم میں حلال ہے۔ خدا کی قسم اگر میری روح کو معلوم ہو کہ کس سے تعلق ہے تو سر کے بل اس کے واسطے کھڑی ہو جائے اے ملامت کرنے والے اس کی محبت میں مجھے ملامت نہ کر۔ کیونکہ جو خوبی اور حسن میں اس میں دیکھتا ہوں اگر تو دیکھ پائے تو ہرگز نہ بچے بلکہ میری طرح اس کے عشق میں جان و دل قربان کر ڈالے۔ لوگوں نے تو

عید کے دن بکری اور مینڈھے قربان کیے اور میرے دوست نے میری جان کی قربانی کی پھر کہا خداوندا! لوگوں نے قربانیاں کیں اور تجھ سے تقرب حاصل کیا۔ میرے پاس تو کوئی چیز بھی نہیں کہ جس کے ذریعہ سے تقرب حاصل کروں۔ ہاں ایک جان ہے جو تیری راہ میں قربان کرتا ہوں، تو میری طرف سے اسے قبول فرما، پھر زور سے ایک چیخ ماری اور مردہ ہو کر گر پڑا۔ ناگاہ ہاتفِ غیبی نے آواز دی۔ یہ خدا کا دوست ہے خدا کا مقتول ہے۔ خدا کی تلوار سے قتل ہوا ہے۔ مالک کہتے ہیں میں نے اس کی تجہیز و تکفین کر کے اسے دفن کیا اور اس رات نہایت درجہ پریشان سویا۔ خواب میں دیکھ کر اس سے پوچھا کہ خدا نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا، کہا وہ معاملہ کیا جو بدر کے شہیدوں کے ساتھ کیا بلکہ ان سے بھی زیادہ دیا۔ میں نے کہا زیادتی کی وجہ؟ کہا وہ لوگ تو کافروں کی تلوار سے مارے گئے اور میں خدائے جبار کی محبت میں۔ خدا اس سے راضی ہو۔ (نزہتہ البساتین)

۴۲۔ حضرت ذُوالنون مصری کی توبہ

حضرت ذوالنون مصری کے تائب ہونے کا واقعہ عجیب و غریب ہے اور وہ یہ کہ کسی شخص نے آپ کو اطلاع دی کہ فلاں مقام پر ایک نوجوان عابد ہے اور جب آپ اس سے نیاز حاصل کرنے پہنچے تو دیکھا کہ وہ ایک درخت پر اُلٹا لٹکا ہوا اپنے نفس سے مسلسل یہ کہہ رہا ہے کہ جب تک تو عبادتِ الٰہی میں میری ہمنوائی نہیں کرے گا میں تجھے یونہی اذیت دیتا رہوں گا حتیٰ کہ تیری موت واقع ہو جائے۔ یہ واقعہ دیکھ کر آپ کو اس پر ایسا ترس آیا کہ رونے لگے اور جب نوجوان عابد نے پوچھا کہ یہ کون ہے جو ایک بے حیا معصیت کار پر ترس کھا کر رو رہا ہے۔ یہ سن کر آپ نے اس کے سامنے جا کر سلام کیا اور مزاج پرسی کی۔ اس نے بتایا کہ چونکہ یہ بدن عبادتِ الٰہی پر آمادہ نہیں ہے اسی لیے یہ سزا دے رہا ہوں۔ آپ نے کہا کہ مجھے تو یہ گمان ہوا کہ شاید تم نے کسی کو قتل کر دیا ہے یا کوئی گناہِ عظیم سرزد ہو گیا ہے اس نے جواب دیا کہ تمام گناہ مخلوق سے اختلاط کی وجہ سے جنم لیتے ہیں اس لیے میں مخلوق سے رسم و راہ کو بہت بڑا گناہ تصور کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تم تو واقعی بہت بڑے زاہد ہو۔ اس نے جواب دیا کہ اگر تم کسی بڑے زاہد کو دیکھنا چاہتے ہو تو سامنے کے پہاڑ پر جا کر دیکھو۔ چنانچہ جب آپ وہاں پہنچے تو ایک نوجوان کو دیکھا جس کا ایک پیر کٹا ہوا باہر پڑا تھا اور اس کا جسم کیڑوں کی خوراک بنا ہوا تھا اور

جب آپ نے یہ صورتحال معلوم کی تو اس نے بتایا کہ ایک دن میں اسی جگہ مصروفِ عبادت تھا کہ ایک خوبصورت عورت سامنے سے گزری جس کو دیکھ کر میں فریبِ شیطانی میں مبتلا ہوا اس کے نزدیک پہنچ گیا اس وقت ندا آئی کہ اے بے غیرت تیس سال خدا کی عبادت و طاعت میں گزار کر آج شیطان کی عبادت کرنے چلا ہے۔ لہٰذا میں نے اسی وقت اپنا ایک پیر قطع کر دیا کہ گناہ کے لیے پہلا قدم اسی پیر سے بڑھایا تھا۔ پھر بتائیے کہ آپ مجھ گنہگار کے پاس کیوں آئے ہیں اور اگر واقعی آپ کو کسی بڑے زاہد کی جستجو ہے تو اس پہاڑ کی چوٹی پر چلے جائیے لیکن جب بلندی کی وجہ سے آپ کو پہنچنا ناممکن ہو گیا تو اس نوجوان نے خود ہی ان بزرگ کا قصہ شروع کر دیا۔ اس نے بتایا کہ پہاڑ کی چوٹی پر جو بزرگ ہیں ان سے ایک دن کسی نے یہ کہہ دیا کہ روزی محنت سے حاصل ہوتی ہے۔ بس اس دن سے انھوں نے یہ عہد کر لیا کہ جس روزی میں مخلوق کا ہاتھ ہو گا وہ میں استعمال نہیں کرونگا۔ اور جب بغیر کچھ کھائے کچھ دن گزر گئے تو اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھیوں کو حکم دے دیا کہ ان کے گرد جمع رہ کر انھیں شہد مہیا کرتی رہیں۔ چنانچہ ہمیشہ وہ شہد ہی استعمال کرتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت ذوالنون نے درسِ عبرت حاصل کیا اور اسی وقت سے عبادت و ریاضت کی طرف متوجہ ہو گئے۔ (خزینۃ الاصفیا۔ جلد ۵ ص ۴۸)

۴۲۔ حضرت ذوالنون مصری کی کرامت

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ کشتی پر سوار کہیں جا رہے تھے۔ کشتی کے مسافروں کو حضرت سے تعارف نہ تھا۔ اس کشتی میں ایک سوداگر بھی تھا۔ اتفاقاً اس کا ایک موتی گم ہو گیا اس نے غلط فہمی سے حضرت ذوالنون پر یہ الزام لگا دیا کہ موتی انھوں نے لیا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ حاشا و کلا موتی میں نے نہیں لیا۔ وہ سوداگر کہنے لگا کہ موتی آپ ہی نے لیا ہے اور گستاخی سے پیش آنے لگا حضرت ذوالنون نے اس وقت آسمان کی طرف منہ کر کے عرض کیا۔ الٰہی! تو جانتا ہے کہ میں اس الزام سے بری ہوں۔ یہ کہنا ہی تھا کہ ہزاروں مچھلیاں دریا سے اپنے اپنے منہ میں ایک ایک موتی لے کر نکل آئیں۔ آپ نے ان میں سے ایک موتی لے کر اس سوداگر کو دے دیا۔ کشتی کے لوگوں نے حضرت کی جب یہ شان اور کرامت دیکھی تو سب آپ کے قدموں پر گر پڑے اور معافی چاہنے لگے۔ "نُون" مچھلی کو کہتے ہیں۔ آپ کی اسی کرامت کی وجہ سے آپ کا نام ذوالنون مشہور ہو گیا۔ (مرآۃ الاسرار ص ۲۸۶)

۴۴۔ اللہ سے محبّت کی تلقین

حضرت ذوالنون مصری سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں مکہ معظمہ کی زیارت کے ارادے سے روانہ ہوا۔ جب جنگل میں پہنچا تو مجھے شدت کی پیاس لگی۔ میں قبیلہ مخزوم میں چلا گیا۔ وہاں میں نے ایک چھوٹی سی حسین وجمیل خوبصورت لڑکی دیکھی۔ وہ گنگنا کے اشعار پڑھ رہی تھی۔ میں اس کے اس فعل کو دیکھ کر حیران رہ گیا کیونکہ وہ ابھی بچی تھی۔ میں نے اس لڑکی سے کہا اے لڑکی! کیا تجھے ایسے اشعار پڑھتے شرم نہیں آتی۔ اس نے کہا چپ رہ اے ذوالنون! میں نے رات شراب محبت خوشی کے ساتھ نوش کی ہے اور صبح کے وقت مولا کی محبت میں مخمور اٹھی ہوں۔ میں نے کہا اے لڑکی! میں تجھے عقلمند پاتا ہوں مجھے کچھ نصیحت کر۔ لڑکی نے کہا اے ذوالنون! سکوت کو لازم پکڑ و اور دنیا سے تھوڑی روزی پر راضی رہو تو تم جنت میں اس حیّ وقیوم کی زیارت کروگے جو کبھی نہیں مرتا ہے۔ میں نے کہا تیرے پاس کچھ پانی ہے۔ لڑکی نے کہا میں تجھے پانی بتاتی ہوں۔ میں نے گمان کیا کہ وہ مجھے پانی کا کنواں یا چشمہ بتائے گی۔ میں نے کہا بتاؤ۔ لڑکی نے کہا لوگ قیامت کے دن چار فریق ہو کر پانی پئیں گے۔ ایک فرقے کو ملائکہ پلائیں گے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے وہ شراب سفید ہوگی اور اپنے پینے والوں کو لذت بخشے گی اور ایک فرقے کو داروغہ جنت پانی پلائیں گے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اس شراب میں تسنیم کا پانی ملایا جائے گا۔ اور ایک فرقے کو حق جلّ جلالہ پلائیں گے اور وہ لوگ بندگانِ خاص ہوں گے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں شراب طہور انھیں پلائیں گے۔ پس تم دنیا میں اپنا راز کسی پر اپنے مولا کے سوا ظاہر نہ کرو تاکہ آخرت میں حق تعالیٰ تمھیں اپنے ہاتھ سے پلائیں۔

۴۵۔ اللہ کے کرم کا عجیب انداز

حضرت ذوالنون مصری ایک مرتبہ دریائے نیل کے کنارے بغرض سیر تشریف لے جا رہے تھے کہ اچانک آپ کو ایک بچھو نظر آیا آپ نے ادھر اُدھر دیکھ کر ایک پتھر اٹھایا اور ارادہ کیا کہ اس موذی جانور کو ہلاک کر دیں لیکن بچھو جلدی سے بھاگ کر دریا کے کنارے پر جا ٹھہرا۔ اتنے میں دریا سے ایک مینڈک نکلا اور بچھو اس کے اوپر سوار ہو گیا۔ مینڈک دریا میں تیرتا ہوا دوسرے کنارے پر جا پہنچا۔ ان تمام واقعات کو

دیکھ کر حضرت ذوالنون مصری کے دل میں مزید مشاہدے کا اشتیاق پیدا ہوا اور آپ بھی ان کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔ جب مینڈک نے دریا کا سفر طے کیا اور اپنے سوار بچھو کو دوسرے کنارے پر لے جا کر اتارا تو آپ نے دیکھا کہ خشکی پر پہنچتے ہی بچھو نے تیزی سے بڑھنا شروع کیا۔ آپ بھی اس کے ساتھ ساتھ رہے پھر ایک جگہ پہنچ کر آپ نے دیکھا کہ ایک ویران اور چٹیل مقام پر ایک شخص شراب کے نشے میں زمین پر اپنی سدھ بدھ بسرائے سو رہا ہے اور اس کے اوپر ایک بہت ہی خوفناک سیاہ اژدھا پھن کھولے موت کی تصویر بنا اس کے سر کے اوپر رقص کر رہا تھا۔ بچھو تیزی کے ساتھ اس کے پاس پہنچا اور اس اژدہا کے اوپر اس طرح ڈنک مارا کہ اس کے اثر سے اژدہا ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑا۔ بچھو اس کے بعد نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

آپ نے جب یہ واقعہ دیکھا تو اس شخص کو جگایا۔ جب وہ خواب سے بیدار ہوا اور اپنے سامنے ایسے بھیانک اژدہے کو خاک و خون میں تڑپتے ہوئے دیکھا تو آپ سے اس کی وجہ دریافت کی۔ آپ نے اسے تمام واقعہ کہہ سنایا۔ یہ سن کر وہ شخص سجدے میں گر گیا اور اللہ تعالیٰ سے رجوع ہو کر گڑگڑانے لگا کہ اے اللہ! جب تو اپنے نافرمانوں پر اس قدر مہربان ہے تو اپنے اطاعت گزاروں کے ساتھ کس قدر لطف و کرم سے پیش آتا ہو گا۔ تیری عزت و جلال کی قسم! اب آئندہ تیری نافرمانی نہیں کروں گا۔ اس کے وہ ایک شعر پڑھتا ہوا چلا گیا جس کا ترجمہ یہ ہے:

"اے سونے والے! خدا تیری ہر اس بُری چیز سے نگہبانی کرتا ہے جو اندھیرے میں چلتی ہے۔ ایسے بادشاہ کی طرف سے آنکھیں کیونکر سوتی ہیں جو عمدہ نعمتیں عطا فرماتا ہے۔"

۴۶۔ حضرت ذوالنون مصری کا روحانی تصرّف

ایک دن حضرت ذوالنون مصری چند ساتھیوں کے ساتھ دریائے نیل میں کشتی پر جا رہے تھے اس وقت دستور کے مطابق کشتیوں کا مقابلہ ہو رہا تھا۔ مصریوں کا دستور تھا کہ وہ کشتیوں میں سوار ہوتے اور جب کوئی دوسری کشتی قریب آتی تو اس میں سوار لوگ گانے بجانے کا شغل کرتے اور خوب شور و غل مچاتے۔ چنانچہ کوئی کشتی حضرت ذوالنون مصری کی کشتی کے قریب آئی اور اس میں سوار گانے بجانے والوں نے خوب شور و غل اور ہنگامہ کیا تو حضرت ذوالنون مصری کے شاگردوں نے عرض کیا۔ یا شیخ! ان

کے لیے یہ دعا کیجئے کہ اے اللہ تعالیٰ ان سب کو غرق کر دے تاکہ ان کی ہنگامہ آرائی سے لوگوں کو نجات حاصل ہو۔ حضرت ذوالنون مصری کھڑے ہو گئے اور ہاتھ اٹھا کر دعا کی یا اللہ! جس طرح تو نے ان لوگوں کو دنیا میں خوشیاں بخشی ہیں اسی طرح اس جہاں میں بھی ان کو خوشی و مسرت عطا فرما۔ شاگردوں نے یہ دعا سنی تو حیرت زدہ ہو گئے اور جب وہ کشتی اور زیادہ قریب آئی اور ان کی نظریں حضرت ذوالنون مصری پر پڑیں تو بے اختیار رونے لگے، انھوں نے اسی وقت ساز وغیرہ توڑ دیے اور تائب ہو گئے (کشف المحجوب)

۴۷۔ حضرت ذُوالنون مصری کا تقویٰ

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ متقدمین اولیاء اللہ میں نہایت بلند پایہ اور خدا رسیدہ بزرگ ہیں۔ آپ کا طریقۂ عبادت اور مجاہدۂ نفس عقلِ بشری سے بالاتر تھا اس لیے اہلِ مصر آپ کو زندیق کہتے تھے اور آپ کی ولایت کے قائل نہ تھے۔ دربارِ خلافت میں حضرت کے حالات کی شکایت کی گئی اور خلیفہ متوکل عباسی کے حکم سے آپ پابجولاں مصر سے بغداد لائے گئے، اثنائے راہ میں ایک عورت نے آپ کو ہدایت کی ذوالنون! خبردار، حکومت کے ظلم سے نہ ڈرنا۔ خلیفہ بھی تیری ہی طرح خدا کا ایک عاجز بندہ ہے اور بندہ کا بندے سے ڈرنا کیا معنیٰ؟ بندہ ہر وقت مجبور ہے، وہ کچھ نہیں کر سکتا۔

آپ دربارِ خلافت میں پیش کیے گئے تو خلیفہ نے آپ کو جیل خانے بھیجنے کا حکم دیا۔ چالیس شبانہ روز آپ اسیرِ زنداں رہے اس دوران میں حضرت بشر حافی کی ہمشیرہ ہر روز ایک روٹی لے جا کر آپ کو پیش کرتی رہیں۔ جس دن آپ کو باہر نکالا گیا تو محافظِ زنداں نے وہ چالیس روٹیاں آپ کے حکم سے فقراء کو تقسیم کیں۔ جس وقت یہ خبر حضرت بشر حافی کی بہن کو پہنچی کہ حضرت ذوالنون مصری نے میری دعوتِ مستونہ کو رد کر دیا اور ایک دن بھی وہ روٹی نہیں کھائی تو انھیں بے حد صدمہ ہوا، دل شکستہ اور آزردہ خاطر حاضرِ خدمت ہوئیں اور فرمایا۔ حضرت آپ کو علم ہے کہ یہ روٹیاں کسبِ حلال کی تھیں اور خدا گواہ ہے کہ اس کے ذریعے آپ پر کوئی احسان کرنا بھی مقصود نہ تھا۔ پھر آپ نے انھیں کیوں قبول نہیں کیا۔ حضرت ذوالنون مصری نے فرمایا وہ روٹیاں بیشک حلال تھیں میں جانتا ہوں مگر وہ داروغہ جیل کے ناپاک ہاتھوں کے ذریعے آئی تھیں اس لیے میرے لیے حلال نہ تھیں۔ یہ تھا اولیاء اللہ کا تقویٰ۔

بشری حیثیت سے چالیس روز تک کچھ نہ کھانے سے کمزوری و ناتوانی اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ

جب آپ کو زنداں سے نکالا گیا تو آپ فرطِ نقاہت سے زمین پر گر پڑے سر پھٹ گیا مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اس طور پر اظہار ہوا کہ حضرت ذوالنون کے کپڑوں پہ کوئی چھینٹ بھی خون کی نہ تھی۔ اسی طرح زمین پر بھی کوئی قطرۂ خون نظر نہ آتا تھا۔ جس قدر خون مجروح پیشانی سے نکلا قدرت نے اپنے دامنِ رحمت میں جذب کر لیا۔

حضرت ذوالنون کو خلیفہ کے سامنے پیش کیا گیا تو دربارِ عام میں خلیفہ نے آپ سے چند سوالات کیے۔ آپ نے نہایت فصاحت و خطابت اور جرأت و دلیری سے خلیفہ بغداد کے سوالات کا جواب دیا اور اس طرح خلیفہ اور درباری لوگوں پر رقت طاری ہو گئی۔ خلیفہ متوکل عباسی نے اسی وقت آپ کے دستِ اقدس پر بیعت کی اور نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ آپ کو مصر واپس بھیج دیا گیا۔

سچ فرمایا گیا ہے "مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ" (جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے)

ایک طرف دشمنانِ حق اللہ تعالیٰ کے ایک ولی کی ایذا دہی اور توہین کے درپے ہیں اور بغض و کینہ کے سفلی جذبات سے مجبور ہو کر حکومت سے شکایت کرتے ہیں اور سزا دلوا کر آتشِ حسد کو ٹھنڈا کرتے ہیں اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی یہ ہے کہ اپنے ولی کی آزمائش تحمل و توکل کے بعد یہ عزت افزائی فرمائی گئی ہے کہ حکومت کے مقتدرِ اعلیٰ کو حضرت ذوالنون مصری کے قدموں پہ جھکا دیتی ہے۔۔۔

(تذکرۃ الاولیاء ص ۷۳)

۴۸۔ حضرت ذُوالنون مصری کا استغنیٰ

حضرت شیخ ذوالنون مصری کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا جس کو ترکۂ پدری میں ایک ہزار دینار ملے تھے وہ دینار حضرت شیخ کی نذر کیے اور عرض کیا مجھے مرید کر لیجئے اور یہ دینار خانقاہ کے درویشوں میں تقسیم فرما دیجئے۔ چنانچہ شیخ نے اس کو مرید کیا اور وہ تمام دینار فقراء کو تقسیم کر دیے۔ ایک دینار بھی حضرت شیخ نے دوسرے دن کے لیے باقی نہیں رکھا۔ چنانچہ اس مرید نے آہِ سرد بھر کر کہا اب ہزار دینار کب میسر ہوں گے۔ کاش! مجھے آج بھی اتنے ہی دینار میسر آ جائیں تو میں اخراجات خانقاہ کے لیے شیخ کی خدمت میں پیش کر دوں۔

حضرت ذوالنون مصری نے اس کی اضطرابی دعا کو سنا اور فرمایا تین درہم لے کر عطار کی دکان پر

جاؤ اور فلاں دوا خرید لاؤ۔ اس نے تعمیلِ حکم کی، تو شیخ نے فرمایا۔ اس دوا کو ہاون دستہ میں کوٹ کر روغن میں گوندھو اور تین گولیاں خرمہرہ کے برابر بناؤ اور سوئی سے گولیوں میں سوراخ کر کے میرے پاس لے آؤ۔ وہ حسبِ ارشاد گولیاں بنا کر لایا۔ شیخ نے ان گولیوں کو اپنے دست مبارک سے مس کیا کچھ کلمات ان گولیوں پر دم کیے۔ تینوں گولیاں تین یاقوتِ سرخ بن گئیں۔ حضرت شیخ نے اس مرید سے فرمایا ان گولیوں کو بازار لے جاؤ۔ فروخت نہ کرنا۔ صرف قیمت معلوم کر کے واپس آجاؤ۔ مرید گولیوں کو لے کر جوہریوں کی دکان پر گیا۔ انھوں نے ہر یاقوت کی قیمت ایک ہزار دینار بخوشی منظور کی لیکن فروخت نہ کرنے کا حکم تھا اس لیے قیمت معلوم کر کے گولیاں شیخ کی خدمت میں واپس لے آیا تو آپ نے فرمایا ان گولیوں کو پھر ہاون دستہ میں ڈال کر کوٹ دو اور چھوٹے چھوٹے ریزے کر کے دریا میں ڈال دو۔ اور فرمایا اللہ والے درویش دولتِ دنیا کے بھوکے نہیں ہوتے بلکہ ان کے لیے بھوکا رہنا ہی معراجِ کمال ہے۔ (تذکرۃ الاولیاء ص ۱۷۰، خزینۃ الاصفیاء جلد ۵ ص ۵۰)

۴۹ تزکیۂ نفس کے لیے نفس کی مخالفت

حضرت ذوالنون مصری کی تمام عمر اپنے نفس کے خلاف جنگ کرتے ہوئے گزر گئی۔ آپ کا کہنا تھا کہ نفس سے صلح کرنے والا شخص خدا کا دوست نہیں ہو سکتا۔ عام انسانوں کی طرح آپ کو بھی لذیذ کھانوں کی خواہش تھی لیکن کبھی اپنی خواہش پوری نہ کی۔ ایک مرتبہ عید کی شب جب میرے نفس نے تقاضا کیا کہ آج تو کوئی لذیذ غذا ضرور ملنی چاہیے تو فرمایا کہ اگر تو دو رکعت میں قرآن مکمل کر لے تو میں تیری خواہش پوری کر دوں گا۔ نفس نے آپ کی یہ شرط منظور کر لی اور ختم قرآن کے بعد جب آپ لذیذ غذائیں لے کر آئے تو پہلا ہی لقمہ اٹھا کر ہاتھ کھینچ لیا اور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اور جب لوگوں نے آپ سے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ پہلے ہی لقمے پر نفس نے خوش ہو کر کہا کہ آج دس برس کے بعد تیری خواہش پوری ہو رہی ہے۔ چنانچہ میں نے ہاتھ سے لقمہ چھوڑ کر کہا کہ میں تیری ہر خواہش کبھی پوری نہ ہونے دوں گا لیکن اسی وقت ایک شخص عمدہ کھانے کی دیگ لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں بہت مفلس اور بال بچوں والا ہوں مگر آج صبح عید کی وجہ سے میں نے لذیذ کھانا پکوایا اور سو گیا۔ چنانچہ خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ اگر تو محشر میں مجھ سے ملنے کا آرزو مند ہے، تو یہ کھانا

ذوالنون کو دے آ۔ اور میرا یہ پیغام پہنچا دے کہ وقتی طور پر اپنے نفس سے صلح کر کے اس کھانے کے دو ایک لقمے چکھ لے۔ حضورؒ کا یہ پیغام سن کر میں نے دس سال کے دوران پہلی مرتبہ تھوڑا سا اچھا اور لذیذ کھانا چکھ لیا۔ (تذکرۃ الاولیاء ص ۷۲)

۵۰۔ اصلاح کی انوکھی تجویز

آپ کے ایک عقیدتمند نے جس نے چالیس چلّے کھینچے۔ چالیس حج کیے اور چالیس برس تک جاگتا رہا۔ غرض یہ کہ اتنی عبادت و ریاضت کے باوجود آج تک اللہ تعالیٰ مجھ سے ہم کلام نہیں ہوا اور نہ کبھی رموزِ خداوندی مجھ پر منکشف ہو سکے لیکن نعوذ باللہ یہ اللہ تعالیٰ سے شکوہ نہیں بلکہ اپنی بدنصیبی کا اظہار ہے۔

آپ نے اس ارادت مند سے فرمایا کہ خوب پیٹ بھر کر کھانا کھاؤ اور عشا کی نماز پڑھے بغیر آرام سے سو جاؤ۔ مرید نے آپ کے حکم کی تعمیل میں پیٹ بھر کر کھانا تو کھا لیا مگر دل میں نماز کو ترک کرنا گوارا نہ کیا اس لیے نماز پڑھنے کے بعد سو گیا اور خواب میں حضور اکرمؐ کی زیارت ہوئی۔

آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے نا امید لوٹنے والا نامراد ہوتا ہے تم یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ تیری چالیس سالہ ریاضت کا صلہ نہ دے گا لیکن ذوالنون کو ہمارا یہ پیغام پہنچا دینا کہ تمہیں شہر بھر میں اس لیے ذلیل کریں گے کہ تو پھر کبھی ہمارے دوستوں کو فریب میں مبتلا نہ کر سکے۔ اس مرید نے جب اپنا خواب حضرت ذوالنون مصری کو سنایا تو ان کی آنکھوں میں مسرت کے آنسو چھلک پڑے لیکن اگر کوئی معترض یہ کہے کہ کیا کوئی مرشد کسی کو نماز نہ پڑھنے کا حکم دے سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مرشد کی حیثیت طبیب کے برابر ہوتی ہے اور کبھی کبھار طبیب کو زہر سے بھی مریض کا علاج کرنا پڑتا ہے۔ اور چونکہ آپ کو بخوبی معلوم تھا کہ میرے کہنے سے مرید ہرگز نماز ترک نہیں کر سکتا۔ اس لیے آپ نے ایسا حکم دیا اور اس کے علاوہ طریقت کی راہوں میں ایسے احوال بھی آ جاتے ہیں جو بظاہر شریعت کے منافی ہوتے ہیں لیکن وہ درحقیقت اپنی جگہ بالکل درست ہوتے ہیں۔ جس طرح حضرت خضر کو لڑکے کے قتل کا حکم دیا گیا لیکن منشائے خداوندی یہی تھا۔ گویا یہ بات اپنی جگہ مسلّم ہے کہ خلافِ شرع کوئی کام نہ کیا جائے۔ لیکن راہ طریقت میں ایسے احوال عموماً بیش آتے ہیں جس سے کسی طور بھی انکار ممکن نہیں (تذکرۃ الاولیاء ص ۷۳)

۵۱۔ اللہ تعالیٰ کی رضا میں کسی کا دخل نہیں

حضرت ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ سفر کے دوران میرا ایک برف پوش صحرا سے گزر ہوا تو میں نے دیکھا کہ ایک آتش پرست ہر طرف اناج بکھیرنے میں مصروف ہے۔ آپ کے دریافت کرنے پر اس آتش پرست نے بتایا کہ ایسی حالت میں پرندوں کو چونکہ کہیں سے دانا دنکا میسر نہیں آتا اس لیے میں ثواب کی نیت سے دانہ بکھیر رہا ہوں۔ اس پر میں نے اسے کہا کہ اللہ کے ہاں غیر کی روزی ناپسندیدہ ہے لیکن اس نے عرض کیا کہ میرے لیے بس اتنا ہی کافی ہے کہ وہ میری نیت کو دیکھ رہا ہے اس کے بعد میں نے اس آتش پرست کو ایام حج کے دوران بڑی دیوانگی کے عالم میں بیت اللہ کا طواف کرتے دیکھا اور طواف کے بعد اس نے مجھ سے کہا آپ نے دیکھا کہ میں نے پرندوں کے لیے جو دانہ دنکا بکھیرا تھا۔ اس کا پھل مجھے کتنی بہتر شکل میں ملا ہے۔

حضرت ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ یہ سنتے ہی میں نے پُرجوش لہجے میں اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ تو نے چالیس برس تک آگ پوجنے والے کو تو اناج کے چند دانوں کے عوض ارزاں فروشی کرتے ہوئے اتنی بڑی نعمت سے کیوں سرفراز فرمایا۔ اس پر غیب سے آواز آئی کہ ہم اپنی مرضی کے مختار ہیں اور ہمارے معاملات میں کسی کو مداخلت کی اجازت نہیں (تذکرۃ الاولیاء ص ۴۷)

۵۲۔ ہر حال میں اللہ کی اطاعت

ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں انطاکیہ کے ایک پہاڑ پر جا رہا تھا کہ ایک دیوانی سی لڑکی صوف کا جبہ پہنے ہوئے نظر پڑی۔ میں نے سلام کیا اس نے جواب دے کر کہا تم ذوالنون ہو۔ میں نے حیران ہو کر پوچھا تو نے مجھے کس طرح پہچانا؟ کہا محبوب حقیقی کی معرفت سے۔ پھر کہنے لگی۔ ذوالنون! میں یہ دریافت کرتی ہوں کہ سخا کیا چیز ہے۔ میں نے کہا سخاوت داد و دہش ہے۔ کہا یہ تو دنیا کی سخاوت ہے۔ دین کی سخاوت کیا ہے؟ میں نے کہا اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں سعی کرنا۔ کہا جب بندہ طاعت میں سعی کرتا ہے تو محبوب حقیقی قلب پر متجلی ہوتا ہے لیکن اس وقت چاہیئے کہ تو اس سے کچھ نہ مانگے، اے ذوالنون بیس برس سے میرا ارادہ ہوتا ہے کہ اس سے ایک شے طلب کروں مگر اس سے شرم آتی ہے

کہ بُرے مزدور کی طرح ہو جاؤں گی کہ جب وہ کام کرتا ہے تو فوراً ہی اجرت مانگ لیتا ہے اس لیے میں تو اس کی تعظیم اور جلال کی وجہ سے کام کرتی ہوں۔ یہ کہا اور روانہ ہوئی۔ (نزہتہ البساتین)

۵۳۔ گناہ ختم کرنے کا نسخہ

ذوالنون مصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک طبیب کو دیکھا کہ اس کے ارد گرد عورتوں اور مردوں کا بیشمار مجمع ہے اور وہ ہر ایک کو مناسب دوا بتاتا ہے۔ میں نے بھی اس کے پاس جا کر سلام کیا اور کہا آپ مجھ کو ذنوب کی دوا بتایئے۔ اس نے تھوڑی دیر سر جھکایا پھر سر اٹھا کر کہا اگر میں بیان کروں تو سمجھیے گا؟ میں نے کہا انشاء اللہ تعالیٰ۔ کہا اول یہ اجزا جمع کر لو: بیخِ صبر، برگِ شکر، ہلیلہ تواضع، بلیلہ خشوع، روغن بنفشہ ہیبت، خطمی ہیبت، تمر ہندی سکینت، گلابِ صدق، ان سب اجزا کو لے کر احکام کی دیگچی میں ڈال کر آبِ احکام سے تر کر کے اس کے نیچے نارِ اشتیاق وہ سوزش روشن کرو اور کفچہ عظمت سے ہلاؤ کہ اس پر حکمت کا کف آ جائے۔ جب صفائے فکر سے خوب صاف ہو جائے تو اس کو جامِ ذکر میں رکھو اور پھر رضا کی چھلنی سے چھان کر اس میں خمیرہ انابت اور عمل میں حل کر کے متقل اور ملاؤ۔ پھر حانوتِ خلوت میں جا کر پیو۔ اور آبِ وفا سے کلی کر لو اور خوف اور گرسنگی کی مسواک کرو اور اوپر سے قناعت کا سیب کھا لو اور اپنے لبوں کو اعراض ما سوی اللہ کے رومال سے صاف کر لو۔ یہ شربت انشاء اللہ گناہوں کو بالکل زائل کر دے گا اور اللہ تعالےٰ اپنا قرب عطا فرما دے گا۔

۵۴۔ قربِ الٰہی کی عنایات

ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے کوہِ لبنان کے ایک غار میں ایک بزرگ کو دیکھا کہ ان کا سر اور داڑھی بالکل سفید اور سر کے بال غبار آلود ہیں اور وہ نہایت لاغر ہیں اور نماز میں مشغول ہیں جب انھوں نے سلام پھیرا تو میں نے سلام کیا انھوں نے سلام کا جواب دے کر پھر نیت باندھ لی اسی طرح عصر تک برابر نماز میں مشغول رہے پھر ایک پتھر کے سہارے بیٹھ گئے اور سبحان اللہ پڑھنے لگے اور مجھ سے کچھ بات چیت نہ کی۔ میں نے خود ہی عرض کیا کہ حضرت میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایئے

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو اپنے قرب سے مانوس فرمادے۔ میں نے کہا کچھ اور فرمایئے۔ فرمایا بیٹا جسے اللہ تعالیٰ اپنے قرب سے مانوس کر دیتا ہے اسے چار خصلتیں عطا فرماتا ہے: عزت بغیر خاندان، علم بے طلب، غنا بغیر مال، انس بے جماعت۔ یہ کہہ کر زور سے ایک چیخ ماری اور بیہوش ہوگئے اور پورے تین دن بعد افاقہ پایا اٹھ کر وضو کیا اور مجھ سے پوچھ کر سب فوت شدہ نمازوں کی قضا کی اور مجھ سے سلام کر کے رخصت ہونے لگے۔ میں نے عرض کیا حضرت میں تو تین دن اسی امید پر پڑا رہا کہ شیخ اور کچھ نصیحت فرمائیں گے اور مجھے اس وقت رونا آگیا۔ فرمایا اپنے مولا کو دوست رکھ اور اس کے بدلہ کسی کی چاہت نہ کر کیونکہ اللہ کو دوست رکھنے والے ہی تمام بندوں کے سرتاج اور اللہ کے برگزیدہ اور اس کے خالص بندے ہیں پھر ایک چیخ ماری اور جان بحق ہوگئے۔ کچھ دیر بعد عابدوں کی ایک جماعت پہاڑ سے اتری اور تجہیز و تکفین کرنے میں مشغول ہوگئی۔ دفن سے فارغ ہونے کے بعد میں نے ان سے پوچھا۔ صاحبو! اس شیخ کا کیا نام تھا؟ کہا کہ شیبان مصاب رحمۃ اللہ تعالیٰ ونفعنا بہ۔ (نزہۃ البساتین)

۵۵۔ حقیقی محبّت کی شان

ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قبیلہ بنی اسرائیل میں ایک عورت سے ملا جو بالوں کا ایک کرتہ پہنے اور اون کی اوڑھنی اوڑھے ہوئے تھی اور ہاتھ میں ایک لوہے کا عصا تھا۔ میں نے قریب جا کر سلام کیا، سلام کا جواب دے کر کہا، مردوں کو عورتوں سے کیا مطلب ہے۔ میں نے کہا تمہارا (دینی) بھائی ذوالنون ہوں، کہا مرحبا آیئے، میں نے پوچھا تم یہاں کس شغل میں ہو، کہا میرا شغل کیا پوچھتے ہو۔ میری حالت تو یہ ہے کہ جب کسی ایسے شہر میں میرا گذر ہوتا ہے کہ وہاں میرے محبوب حقیقی کی مخالفت اور نافرمانی ہوتی ہو تو وہاں کا رہنا مجھے گراں گزرتا ہے کہ پھر کوئی اور پاک جگہ ڈھونڈتی ہوں اور وہاں جا کر اپنے قلب سے جو شدتِ شوق سے سوختہ و گداختہ ہو رہا ہے مناجات کرتی ہوں۔ ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے کہا کہ تم تو محبوبِ حقیقی کی باتیں خوب کرتی ہو بھلا یہ تو بتاؤ کہ محبت کی حقیقت کیا ہے کہا سبحان اللہ! تم ایسے جلیل القدر واعظ اور حکیم ہو کر مجھ سے محبت کی حقیقت دریافت کرتے ہو۔ سنو محبت کی شان یہ ہے کہ جب وہ شروع ہو جاتی ہے تو محب کو ایک دائمی الم اور قلق لگ جاتا ہے۔

شدہ شدہ کثرت محبت سے اہل محبت کی ارواح غایت صفائی پر پہنچ جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ انھیں اپنی محبت کے مزیدار جام سے سیراب کرتا ہے جسے وہ خوب مزے لے کر پیتے ہیں۔ یہ کہہ کر ایک چیخ ماری اور بیہوش ہوکر گر پڑی۔ پھر جب ہوش میں آئی تو یہ اشعار پڑھے:۔

اُحِبُّکَ حُبَّیْنِ حُبَّ الْھَوٰی ٭ وَحُبًّا لِاَنَّکَ اَھْلٌ لِذَاکَا

فَاَمَّا الَّذِیْ ھُوَ حُبُّ الْھَوٰی ٭ فَذِکْرٌ شَغَلْتُ بِہٖ عَنْ سِوَاکَا

وَاَمَّا الَّذِیْ اَنْتَ اَھْلٌ لَہٗ ٭ فَکَشْفُکَ لِلْحُجُبِ حَتّٰی اَرَاکَا

وَلَا حَمْدَ فِیْ ذَا وَلَا ذَاکَ لِیْ ٭ وَلٰکِنْ لَکَ الْحَمْدُ فِیْ ذَا وَذَاکَا

یعنی اے محبوب حقیقی! مجھے آپ سے دو قسم کی محبت ہے اس واسطے کہ آپ محبوب بننے کے اہل ہیں پہلی قسم کی محبت جس کا اقتضا مجھ میں ہے اس کا اثر تو ذکر ہے کہ جس سے آپ نے اپنے ماسوٰی سے مجھے علیحدہ کر دیا ہے، اور وہ دوسری قسم کی محبت کہ جس کے آپ اہل ہیں اس کا ثمرہ یہ ہے کہ آپ حجاب سامنے سے اٹھا دیں تاکہ میں آپ کو دیکھوں اور دونوں قسم کی محبت میں میرا کچھ کمال نہیں اس لیے میری کوئی اس میں حمد نہیں بلکہ ہر صورت میں آپ ہی کے لیے حمد اور ستودگی ثابت ہے۔

(نزہتہ البساتین)

۵۶۔ ایک عارف کی مناجات

ذوالنون مصری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک روز بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا اور حالت یہ تھی کہ سب لوگوں کی آنکھیں بیت اللہ کی طرف لگ رہی تھیں اور اسے دیکھ دیکھ کر ٹھنڈی آہ بھر رہے تھے کہ اسی حالت میں ایک شخص بیت اللہ کے مقابل ہو کر اس مضمون کی دعا کرنے لگا۔ اے میرے پروردگار! میں تیرا مسکین بندہ اور تیرے در سے بھاگا ہوا اور دھتکارا ہوا ہوں۔ اے اللہ! میں ایسی چیز کا سوال کرتا ہوں کہ وہ آپ کی محبت و قرب کا زیادہ ذریعہ ہو اور ایسی عبادت مانگتا ہوں جو آپ کو زیادہ پسند ہو اور اے اللہ! میں آپ سے آپ کے برگزیدہ بندوں اور انبیاء کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ اپنی محبت کا پیالہ مجھے پلا دیجیے اور میرے دل سے اپنی معرفت کے لیے جہل کے پردے اٹھا دیجیے تاکہ میں شوق کے بازوؤں سے آپ تک اڑ کر عرفان کے باغوں میں آپ سے مناجات کروں

اس دعا کے بعد وہ شخص اتنا رویا کہ آنسوؤں سے زمین کی کنکریاں تر ہو گئیں۔ پھر ہنسا اور وہاں سے چل دیا۔ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا اور اپنے جی میں کہا کہ یا تو یہ شخص کوئی عارف ہے یا مجنون۔ القصہ وہ مسجد حرام سے نکل کر مکہ مکرمہ کے ویرانہ کی طرف ہو لیا۔ پھر مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ تمھیں کیا ہوا کیوں آرہے ہو؟ جاؤ! میں نے پوچھا آپ کا نام کیا ہے؟ کہا عبداللہ۔ میں نے پوچھا کس کے بیٹے ہو؟ کہا عبداللہ کا۔ میں نے کہا یہ تو میں جانتا ہوں کہ ساری خلقت عبداللہ ہے (اللہ کے بندے) اور ابن عبداللہ (اللہ کے بندے کے بیٹے ہیں) میں آپ کا خاص نام دریافت کرتا ہوں، کہا میرے باپ نے میرا نام سعدون رکھا ہے۔ میں نے کہا جو مجنون کے نام سے مشہور ہے؟ کہا ہاں وہی۔ میں نے پوچھا وہ کون لوگ ہیں جن کے وسیلہ سے تم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے فرمایا کہ وہ اپنے اللہ کی طرف ایسے چلتے ہیں جیسے وہ چلتا ہے اور وہ خدا کی محبت کو نصب العین کیے ہوئے اور لوگوں اور تمام دنیا کی چیزوں سے ایسے الگ ہوئے ہیں کہ جیسے کسی کے دل میں آگ لگی ہوئی ہو۔ (نزہۃ البساتین)

۵۷۔ اللہ کو پانے والی باتیں

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اے موسیٰ! اس پرندہ کے مانند زندگی بسر کرو جو تنہا رہتا ہے۔ درخت پر سے اپنی روزی کھاتا ہے اور خالص پانی یا نہر کا پانی پیتا ہے اور جب رات ہو جاتی ہے تو کسی غار میں پناہ گزین ہوتا ہے کیونکہ اسے مجھ سے اُنس اور میرے نافرمانوں سے نفرت ہے۔ اے موسیٰ! میں نے اپنے اوپر قسم کھائی ہے کہ کسی مُدعیِ عمل کا عمل پورا نہ ہونے دوں گا اور جو غیر سے امید رکھتا ہے اس کی امید منقطع کر دوں گا اور جو میرے سوا پر تکیہ کرے گا اس کی پیٹھ توڑ دوں گا اور جو میرے غیر سے اُنس کرتا ہے اس کو وحشت میں ڈالوں گا۔ جو غیر سے محبت کرے اس سے اعراض کروں گا اے موسیٰ! میرے بعض بندے ہیں کہ اگر وہ مجھ سے سرگوشی کرتے ہیں تو میں کان لگا کر سنتا ہوں۔ اگر پکارتے ہیں تو ان کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اگر میری طرف آتے ہیں تو میں ان کو اپنے قریب کرتا ہوں اور تقرب ڈھونڈتے ہیں تو مواصلت عطا کرتا ہوں اور ان کی کفایت کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھے سرپرست بناتے ہیں تو ان کی سرپرستی قبول کرتا ہوں۔ اگر خالص محبت کرتے ہیں، تو میں بھی ویسی ہی محبت کرتا ہوں، عمل کرتے ہیں تو

جزا دیتا ہوں، میں ہی ان کے امور کا مدبّر ہوں اور ان کے قلوب کا نگہبان ہوں اور ان کے احوال کا متوّلی ہوں۔ میں نے ان کے دلوں کی تسکین صرف اپنے ذکر ہی سے کی ہے۔ اسی سے ان کی بیماریوں کی شفا ہے، اور ان کے دلوں میں روشنی ہے۔ میرے سوا کسی سے انس نہیں پکڑتے اور میرے پاس ہی اپنے دل کی منزل بناتے ہیں اور ان کو چین بھی نہیں آتا سوائے میرے اے اللہ! تو ہم کو بھی ان کے ساتھ ملا دے یا رب العالمین آمین!۔ (نزہتہ البساتین)

۵۸۔ تخت کا چکر لگانا

حضرت ابو جعفر اعور نے بتایا کہ ایک مرتبہ میں حضرت ذوالنون مصری کی مجلس میں موجود تھا اور آپ جمادات کی فرمانبرداری کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے فرما رہے تھے کہ جمادات اہل اللہ کے اس درجہ فرمانبردار ہوتے ہیں کہ اگر میں اس سامنے والے تخت سے یہ کہدوں کہ پورے مکان کا چکر لگالے تو وہ ہرگز دریغ نہیں کر سکتا۔ یہ کہتے ہی سامنے والا تخت پورے مکان کا چکر لگا کر پھر اپنی جگہ قائم ہوگیا۔ یہ واقعہ دیکھ کر ایک نوجوان نے روتے روتے اپنی جان دیدی اور آپ نے اسی تخت پر غسل دے کر دفن کر دیا۔

۵۹۔ کرامت سے اجتناب کا درس

لوگوں نے جب حضرت بایزید بسطامی سے یہ سوال کیا کہ آپ کا مرشد کون ہے؟ فرمایا کہ ایک بوڑھی عورت، اس لیے کہ میں ایک مرتبہ جنگل میں تھا کہ ایک بڑھیا سر پہ آٹا رکھے ہوئے ملی اور مجھ سے کہنے لگی کہ یہ آٹا میرے مکان تک پہنچا دو۔ اسی دوران مجھے ایک شیر نظر آگیا اور میں نے آٹا اس کی کمر پر رکھ کر بڑھیا سے کہا کہ جاؤ یہ تمھارے گھر پہ پہنچا دے گا لیکن تم یہ بتاتی جاؤ کہ شہر میں جا کر لوگوں سے کیا کہو گی؟ بڑھیا نے کہا کہ میں یہ کہوں گی کہ آج جنگل میں میری ملاقات ایک خود نما ظالم سے ہوگئی۔ آپ نے پوچھا کہ مجھے خود نما ظالم کا خطاب کیوں دیا؟ بڑھیا نے کہا کہ شریعت نے شیر کو مکلف نہیں بنایا اور تم ایک غیر مکلف کی پشت پر اپنا بوجھ لادے ہو۔ یہ ظلم نہیں تو پھر کیا ہے اور دوسرا عیب تمھارے اندر یہ ہے کہ تم خود کو لوگوں پر صاحبِ کرامت ظاہر کرنا چاہتے ہو اور اسی کا نام خود نمائی ہے۔ چنانچہ میں نے بڑھیا کی بات سے ایسی نصیحت و عبرت حاصل کی کہ ہمیشہ کے لیے ایسی چیزوں کے اظہار سے توبہ کر لی

بس اس وجہ سے میں اس بڑھیا کو اپنا مرشد تسلیم کرتا ہوں اور اب میری یہ حالت ہے کہ ہر کرامت پر میں اللہ تعالیٰ کی تصدیق کا طالب ہوں اور اس تصدیق کے لیے اس دن سے ایک نور ظاہر ہوتا ہے جس پر سبز حروف میں یہ کلمات تحریر ہوتے ہیں "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، نوح نجی اللہ، ابراہیم خلیل اللہ، موسیٰ کلیم اللہ، عیسیٰ روح اللہ علیہم الصلوٰۃ والسلام جس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ پانچ شہادتیں میری کرامت کی شاہد ہیں۔

۶۰۔ حضرت بایزید بسطامی کی کرامت

حضرت ابو تراب بخشی کا ایک ارادت مند اپنی ریاضت کے اعتبار سے بہت بلند تھا اور آپ اس سے یہ فرمایا کرتے کہ حضرت بایزید بسطامی کی صحبت تیرے لیے زیادہ سود مند ہو گی لیکن وہ عرض کرتا کہ میں تو بایزید کے خدا کو دن میں سو مرتبہ دیکھتا ہوں ان سے بھلا مجھے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے حضرت ابو تراب نے فرمایا کہ ابھی تک تو نے اپنے پیمانے کے مطابق خدا کا دیدار کیا ہے لیکن ان کی توجہ کے بعد ایسا دیدار ہو گا جس طرح دیدار کا حق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا مختلف طریقوں سے مشاہدہ کیا جا سکتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ محشر میں ایک خاص تجلی تو حضرت صدیق اکبر پر ڈالے گا اور ایک تجلی پوری مخلوق پر یہ سننے کے بعد اس مرید کے قلب میں حضرت بایزید کا اشتیاق دیدار پیدا ہوا اور اپنے مرشد کے ہمراہ جس وقت آپ کے مکان پر پہنچا تو آپ کہیں سے پانی بھرنے گئے ہوئے تھے اور جب یہ دونوں ان کی تلاش میں چلے تو دیکھا کہ آپ ایک ہاتھ میں گھڑا اور ایک ہاتھ میں پوستین لٹکائے چلے آ رہے ہیں۔ لیکن اس مرید پر آپ کی ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ لرزہ براندام ہو کر زمین پر گر پڑا اور وہیں دم نکل گیا اور جب حضرت ابو تراب نے کہا کہ آپ نے تو ایک ہی نظر میں کام ختم کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے اندر کشف کا ایک خاص مقام باقی رہ گیا ہے جو اس وقت اس کو حاصل ہوا لیکن وہ برداشت نہ کرتے ہوئے جان بحق ہو گیا۔ جس طرح مصر کی عورتیں حسن یوسف کی تاب نہ لا کر اپنی انگلیاں تراش بیٹھی تھیں۔

۶۱۔ ڈاکہ زنی اور عبادت کا کیا تعلق؟

ایک مرتبہ کوئی مالدار قافلہ سفر کو روانہ ہوا۔ قافلے میں شامل ایک شخص کے پاس بہت زیادہ دولت

اور ہیرے جواہرات تھے۔ چنانچہ اس نے لٹیروں کے خوف اور ڈر سے یہ سوچ کر کہ اگر رقم بچ جائے تو اچھا ہے اس رقم کو صحرا میں کسی جگہ دفن کرنے کا فیصلہ کیا۔ ابھی وہ شخص اپنی دولت دبانے کے لیے جگہ ہی تلاش کر رہا تھا کہ اچانک وہ اپنے قریب ہی ایک بزرگ (حضرت فضیل بن عیاض) کو مصلّیٰ بچھا کر تسبیح پڑھتے دیکھ کر قدرے مطمئن ہو گیا اس نے اپنی رقم ان بزرگ کے پاس بطورِ امانت رکھ دی اور خود جب وہ دوبارہ قافلے میں پہنچا تو پورا قافلہ لٹیروں کی نذر ہو چکا تھا۔

چنانچہ وہ امیر شخص جب ان بزرگ سے اپنی امانت واپس لینے کے لیے پہنچا تو وہاں ایک عجیب و غریب منظر دیکھ کر حیران رہ گیا اس نے دیکھا کہ وہ بزرگ تمام لٹیروں کے درمیان بیٹھے مالِ غنیمت آپس میں تقسیم کر رہے ہیں۔ اب تو وہ امیر بہت سٹپٹایا اس نے دل میں سوچا میں کتنا احمق ہوں کہ اپنی دولت اس شخص کے پاس امانت رکھوا دی جو خود لٹیروں کا سردار ہے مگر حضرت فضیل نے اسے اپنے قریب بلوا کر پوچھا کہ یہاں کیوں آئے ہو۔ اس نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا، اپنی رقم کی واپسی کے لیے حاضر ہوا تھا۔ حضرت فضیل نے کہا کہ جس جگہ رکھ کر گئے تھے وہیں سے اٹھا لو۔ جب وہ شخص اپنی رقم واپس لے کر چلا گیا تو آپ کے ساتھیوں نے آپ سے پوچھا کہ یہ رقم باہمی تقسیم کرنے کی بجائے آپ نے واپس کیوں لوٹا دی۔ حضرت فضیل نے فرمایا۔ ساتھیو! اس نے مجھ پر اعتماد کیا تھا اور میں اس کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچا سکتا تھا۔ اس واقعہ کو ابھی چند روز ہی گزرے تھے کہ آپ کے ساتھی لٹیروں نے ایک دوسرے قافلے کو لوٹ لیا جس میں بہت مال و متاع ہاتھ آیا۔ اہل قافلہ میں سے کسی نے لٹیروں نے دریافت کیا کہ کیا تمہارا کوئی سرغنہ ہے؟

لٹیروں نے جواب دیا، ہمارا سردار تو یقیناً ہے لیکن اس وقت وہ دریا کے کنارے عبادت وریاضت میں مصروف ہے۔ اس شخص نے کہا، یہ وقت تو کسی نماز کا نہیں ہے۔ رہزنوں نے کہا کہ وہ نوافل پڑھ رہا ہے۔ اس شخص نے پھر سوال کیا کہ جب تم لوگ کھانا کھاتے ہو تو کیا وہ تمہارے ساتھ مل کر کھانا کھاتا ہے لٹیروں نے جواب دیا کہ ہمارا سردار دن میں روزہ رکھتا ہے۔ اس شخص نے پھر کہا کہ یہ تو رمضان کا مہینہ نہیں ہے۔ ڈاکوؤں نے کہا کہ وہ نفلی روزے رکھتا ہے۔ ڈاکوؤں کی زبانی ان کے سردار کے بارے میں اس قسم کی باتیں سن کر قافلے کا شخص بہت حیران ہوا اور وہ حضرت فضیل کے پاس جا کر عرض کرنے لگا کہ صوم و صلوٰۃ کے ساتھ رہزنی کا کیا تعلق ہے، آپ نے اس شخص سے دریافت کیا، کیا تو نے قرآن مجید پڑھا ہے

اس شخص نے جب اثبات میں جواب دیا تو حضرت فضیل نے قرآن پاک کی ایک آیت تلاوت کی جس کا ترجمہ تھا۔

”یعنی دوسروں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے عمل صالح کو اس کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے۔“

آپ کی زبانی قرآنی آیات سن کر وہ شخص محوِ حیرت رہ گیا۔ (تذکرۃ الاولیاء، ص ۴۷)

۶۲۔ حضرت فضیل بن عیاض کے راہِ راست پر آنے کا واقعہ

حضرت فضیل بن عیاض کے راہِ راست پر آنے اور حق گوئی کو اختیار کرنے کا واقعہ بھی بڑا عجیب وغریب ہے جس نے آپ کی پوری زندگی کو بدل کر رکھ دیا۔ روایت ہے کہ ایک مرتبہ جنگل میں رات کے وقت کسی قافلے نے آ کر پڑاؤ ڈالا۔ اس قافلے میں ایک شخص تلاوت کر رہا تھا جس کا ترجمہ تھا۔

”کیا ایمان والوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے قلوب اللہ کے ذکر سے خوفزدہ ہو جائیں۔“

اس آیتِ قرآنی کا حضرت فضیل بن عیاض پر اس قدر اثر ہوا کہ جیسے کسی نے آپ کے دل میں کوئی نشتر اتار دیا ہو اور آپ نے انتہائی رقت آمیز لہجے میں خود سے کہا ”فضیل آخر تم یہ غارت گری اور لوٹ مار کب تک جاری رکھو گے۔ اب وہ لمحہ آ گیا ہے کہ تو اللہ کے بتائے ہوئے سیدھے راستے پر چل پڑے۔“ کہتے ہیں کہ اس کے بعد آپ زار وقطار رونے لگے اور پوری یکسوئی کے ساتھ عبادت و ریاضت میں مصروف ہو گئے اور ایک ایسے ریگستان میں جا پہنچے جہاں ایک قافلہ پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا جب آپ پڑاؤ کے قریب پہنچے تو آپ کے کانوں میں قافلے میں شامل ایک شخص کی آواز پڑی وہ کہہ رہا تھا۔

”اس راستے میں فضیل ڈاکے ڈالتا ہے اس لیے ہمیں اب راستہ تبدیل کر دینا چاہیئے۔“

فضیل بن عیاض یہ سنتے ہی اس شخص کے سامنے چلے گئے اور فرمایا لوگو! اب آپ بے فکر ہو جائیں کیونکہ میں نے راہزنی سے پکی توبہ کر لی ہے۔ پھر آپ ان تمام لوگوں سے معافی کے خواستگار ہوئے جو آپ کے ہاتھوں لٹ چکے تھے۔ تمام لوگوں نے تو آپ کو معاف کر دیا مگر ایک یہودی نے آپ کو معافی دینے سے انکار کر دیا اور یہ شرط پیش کی کہ اگر تم سامنے والی پہاڑی کو یہاں سے ہٹا دو تو میں تمہیں معاف کر دوں گا۔

یہودی کی شرط قبول کرتے ہوئے حضرت فضیل بن عیاض نے وہاں سے مٹی ہٹانا شروع کر دی۔ حسنِ اتفاق سے اسی وقت ایسی تیز آندھی چلی کہ دیکھتے ہی دیکھتے پوری پہاڑی صفحۂ ہستی سے غائب ہو گئی۔ چنانچہ یہ دیکھتے ہوئے یہودی نے آپ کو سچے دل سے معاف کر دیا۔

یہودی نے عرض کیا کہ میں نے یہ تہیہ کر رکھا تھا کہ جب تک تم میرا لوٹا ہوا مال واپس نہیں لوٹاؤ گے میں تمہیں معاف نہیں کروں گا لہٰذا اس وقت میرے تکیہ کے نیچے اشرفیوں کی ایک تھیلی رکھی ہوئی ہے وہ آپ اٹھا کر مجھے دیدیں تاکہ میری قسم کا کفارہ ہو جائے۔

چنانچہ آپ نے یہودی کے تکیے کے نیچے سے تھیلی اٹھا کر اس کے ہاتھ میں تھما دی۔ اس کے بعد یہودی نے مزید ایک شرط پیش کی۔ اس نے کہا پہلے مجھے معاف کرو پھر میں تمہیں معاف کروں گا آپ نے کلمہ پڑھا کر یہودی کو مسلمان کر لیا۔ یہودی نے اسلام لانے کے بعد فضیل بن عیاض سے کہا، میرے مسلمان ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ میں نے ایک مرتبہ تورات میں پڑھا تھا کہ اگر سچے دل سے تائب ہونے والا خاک کو بھی چھو لے تو وہ کندن بن جاتی ہے لیکن مجھے اس بات کا یقین نہیں تھا اور آج جبکہ میری تھیلی میں مٹی بھری ہوئی تھی جب آپ نے اس تھیلی کو اٹھا کر میرے ہاتھ میں تھمایا تو وہ سونا بن گئی۔ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ واقعی دینِ اسلام ایک سچا مذہب ہے۔ یہ کہہ کر وہ یہودی زار و قطار رونے لگا۔ اور اس نے خدا اور اس کے رسول سے لو لگا لی۔ یوں فضیل بن عیاض نے سیدھے راستے پر آتے ہی سب سے پہلے ایک یہودی کو مسلمان کر کے اپنے ولی اللہ ہونے کا ثبوت فراہم کر دیا۔ (تذکرۃ الاولیاء)

۶۳۔ حضرت فضیل بن عیاض کی حق گوئی

خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے وزیر فضل بن ربیع کے ساتھ حج کیا۔ ارکانِ حج کی ادائیگی سے فراغت ہوئی تو ہارون نے فضل سے کہا کہ میں یہاں کسی مردِ خدا رسیدہ سے ملنا چاہتا ہوں، کسی کا نام بتاؤ جس سے مل کر مجھے فائدہ ہو۔ فضل نے حضرت عبدالرزاق صنعانی کا نام بتایا جو بڑے رحم دل اور مرجع خلائق تھے۔ چنانچہ ہارون الرشید ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد خلیفہ نے وزیر سے کہا، ان سے پوچھو اگر ان پر کسی کا قرض واجب ہو تو یہ بتلائیں، ادا کر دیا جائے گا۔ فضیل بن ربیع نے حضرت سے دریافت کیا تو حضرت نے جواب میں قرض کی رقم بتلا دی اور خلیفہ ہارون الرشید نے فضل کو اس رقم کی

ادائیگی کا حکم دے دیا۔

لیکن جونہی ہارون الرشید ان کے مکان سے نکلا تو اس نے اپنے وزیر فضل بن ربیع سے کہا کہ فضل! مجھے اس ملاقات سے سیری نہیں ہوئی۔ میں کسی اور مردِ فقیر سے ملنا چاہتا ہوں۔ فضل بن ربیع نے غور کیا۔ بہت غور و فکر کے بعد اس نے حضرت سفیان بن عیینہ کا نام لیا جو اپنے وقت کے مشہور اولیاء اللہ اور محدثین میں سے ہیں۔ ہارون الرشید ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ابتدائی گفتگو کے بعد ہارون الرشید نے پھر فضل بن ربیع سے اسی طرح کہا کہ معلوم کرو کہ ان کو کسی کا کوئی قرض ادا کرنا تو نہیں ہے۔ یہاں بھی وہی اثبات میں جواب ملا۔ ہارون الرشید نے اپنے وزیر فضل بن ربیع کو حکم دیا کہ وہ رقم حضرت کو ادا کر دی جائے۔

خلیفہ ہارون الرشید اس مرتبہ بہت افسردہ خاطر ہوا اور برہمی کے لہجے میں فضل بن ربیع سے کہا کہ میں تم سے کسی مردِ خدا کی ملاقات کی خواہش بیان کرتا ہوں، کیا یہ سرزمین عرب اہل اللہ سے یکسر خالی ہو گئی ہے؟ فضل بن ربیع بہت گھبرایا۔ سے جن علماء و صلحاء کے متعلق معلوم تھا اس نے تو ان ہی میں سے دو بہترین اولیاء اللہ کے نام لیے تھے۔ آخر خلیفہ کا حکم تھا۔ تعمیل کرنا ضروری تھا لیکن کوئی ایسی گرامی قدر شخصیت اب اس کے ذہن میں نہیں آرہی تھی جو خلیفہ کے اپنے معیار پہ بالکل ہی پوری اتر جائے آخر جب خلیفہ نے دوبارہ اس سے کہا تو اس نے حضرت خواجہ فضیل بن عیاض کی ذات گرامی کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت فضیل نے خرقہ ارادت حضرت عبدالواحد بن زید سے پہنا ہے۔ حضرت زید نے حضرت خواجہ حسن بصری سے اور آپ نے مولائے کائنات شیر خدا امیرالمؤمنین حضرت علیؓ سے خرقۂ ارادت پہنا ہے۔

جس وقت ہارون الرشید اور فضل بن ربیع آپ کے حجرۂ مبارک پر پہنچے تو رات ہو چکی تھی اور آپ کے حجرۂ مبارک سے قرآن مجید پڑھنے کی دلکش آواز آرہی تھی اور آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّئَاتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

ہارون الرشید نے اس آیت کو سنتے ہی کہا کہ بس یہی کافی ہے۔ لیکن پھر بھی فضل نے حجرے کا دروازہ کھٹکھٹایا آواز آئی کون ہے؟ فضل بن ربیع نے کہا امیرالمؤمنین ہارون الرشید۔ تو حضرت نے اندر سے ہی جواب میں فرمایا مَالِیَ وَلِاَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ (ہمارا امیرالمؤمنین سے کیا تعلق ہے) ہارون الرشید نے خود ہی جواب دیا۔ میں آپ سے اپنے لیے دعا کرانے آیا ہوں۔ آپ سے اپنے نفس کی اصلاح چاہتا ہوں اور یہ کام

آپ کو ضرور کرنا ہوگا۔ حضرت خواجہ فضیل بن عیاض نے فوراً چراغ گل کیا اور حجرے کا دروازہ کھول کر آپ ایک کونے میں کھڑے ہو گئے۔ ہارون الرشید نے حجرے میں پہنچ کر آپ کو ڈھونڈا اور اس کا ہاتھ اتفاقاً حضرت خواجہ کے ہاتھ پر پڑا تو آپ نے بڑے ہی دردمند لہجے میں فرمایا:۔

"آہ! آج تک اس ہاتھ سے زیادہ نرم ہاتھ میں نے کوئی نہیں دیکھا اور یہ ہاتھ واقعی بہت ہی نازک ہے بشرطیکہ قیامت کے دن دوزخ کی آگ سے محفوظ رہے۔"

ہارون الرشید رونے لگا۔ روتا رہا یہاں تک کہ بیہوش ہو گیا۔ کچھ دیر بعد ہوش میں آیا تو بولا کہ "مجھے کچھ اور نصیحت کیجیے۔"

حضرت خواجہ نے فرمایا اے امیر المؤمنین! تیرے جدِ امجد نے جو حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے، ایک قوم پر حکومت کرنے کی درخواست کی تھی جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "اے عمِ محترم! خدا کی فرمانبرداری میں آپ کا ایک سانس ان ہزار برسوں سے کہیں بہتر ہے جن میں خلقِ خدا آپ کی اطاعت کرے۔" "اِنَّ الْاِمَارَۃَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ نَدَامَۃٌ"

ہارون الرشید نے کہا: "مجھے کچھ اور نصیحت فرمائیے۔"

حضرت خواجہ نے ارشاد فرمایا: "یہ تیرا چہرہ بہت خوبصورت، دلکش اور آبدار ہے لیکن مبادا یہ تیرا چہرہ کہیں دوزخ کی آگ میں جھلس کر نہ رہ جائے اس لیے تجھے خدا ترسی اور اس سے پہلے اس کی خوش گزاری کرنی چاہیئے۔" ہارون الرشید نے نصیحتیں سُن لیں تو عرض کیا کہ "اگر آپ کو کسی کا قرض ادا کرنا ہو تو بلا تکلف فرما دیجیے۔"

حضرت خواجہ فضیل بن عیاض نے فرمایا کہ "ہاں! خدا کا بہت بڑا قرض دینا ہے جس کے ادا کرنے میں مشغول ہوں۔ حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم اور توفیق سے اسے ادا کرے۔" آپ کی یہ باتیں سن کر ہارون الرشید رونے لگا۔ روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی۔ پھر جب سنبھلا تو اس نے بڑے ہی ادب و احترام سے ایک ہزار طلائی دیناروں کی تھیلی آپ کے سامنے رکھ دی تو حضرت خواجہ نے برہم ہو کر فرمایا: "میری نصیحت کا کیا یہی بدلہ ہے۔ افسوس کہ میری نصیحت کی باتیں تجھے کچھ بھی فائدہ نہ پہنچا سکیں۔ میں نے تجھے نصیحت کی، دنیا کی بجائے خدا کی طرف آنے کو کہا اور تو مجھے مصیبت و بلا میں پھنساتا ہے۔ خدا کی بجائے دنیا کی طرف مجھے گھسیٹنا چاہتا ہے۔ افسوس ہے تجھ پر۔" ہارون الرشید روتا ہوا آپ کے حجرے سے

باہر نکل آیا اور اپنے وزیر فضل بن ربیع سے کہا کہ حضرت خواجہ فضیل بن عیاض مرد کامل ہیں، صاحب دل، باخدا اور خدا رسیدہ ہیں اور جب تک دنیا میں ایسے مقدس لوگ موجود رہیں گے اس دنیا میں بسنے والوں پر خدا کی رحمتیں نازل ہوتی رہیں گی۔ (کشف المحجوب)

۶۴۔ حضرت بشر حافی کی توبہ

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ اپنی پہلی زندگی میں ایک بہت بڑے شرابی تھے۔ آپ ایک مرتبہ شراب کے نشہ اور مستی کے عالم میں کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں آپ نے ایک کاغذ کا ٹکڑا دیکھا جس پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا ہوا تھا۔ حضرت بشر نے اس کاغذ پر اللہ کا نام لکھا ہوا دیکھ کر تعظیماً اسے اٹھا لیا۔ اور عطر خرید کر اسے معطر کیا اور پھر اسے ایک بلند جگہ پر رکھ دیا۔ اسی رات ایک بزرگ نے خواب میں سنا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ جاؤ بشر حافی سے کہہ دو کہ تم نے میرے نام کو معطر کیا اس کی تعظیم کی اور اسے بلند جگہ پہ رکھا ہم بھی تجھ کو پاک کریں گے اور دنیا و آخرت میں تمھیں بزرگی عطا فرمائیں گے اور بلند مقام عطا فرمائیں گے۔ ان بزرگ کے دل میں سوچا کہ بشر تو ایک شرابی اور فاسق شخص ہے۔ شاید میں نے یہ خواب غلط دیکھا ہے چنانچہ انھوں نے وضو کیا اور نفل پڑھے اور پھر سو رہے۔ دوسری بار انھوں نے پھر وہی خواب دیکھا اسی طرح تین مرتبہ یہی نظر آیا اور یہی آواز سنی کہ یہ ہمارا پیغام بشر ہی کی طرف ہے۔ جاؤ اسے ہمارا یہ پیغام پہنچا دو۔

چنانچہ صبح ہوئی تو وہ بزرگ حضرت بشر کی تلاش میں نکلے۔ ان کو پتہ چلا کہ وہ شراب کی مجلس میں بیٹھے ہیں تو وہ وہیں پہنچے اور بشر کو آواز دی۔ لوگوں نے بتایا کہ وہ شراب کے نشے میں بے ہوش پڑے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ تم لوگ اسے جا کر کسی طرح یہ بات سنا دو کہ تمھارے نام ایک ضروری پیغام آیا ہے۔ اور پیغام لانے والا باہر کھڑا ہے۔ چنانچہ وہ لوگ گئے اور حضرت بشر سے جا کر کہہ دیا کہ اٹھو باہر چلو تمھارے نام کوئی پیغام آیا ہے۔ حضرت بشر نے فرمایا کہ ان سے جا کر پوچھو کہ وہ کس کا پیغام لائے ہیں۔ وہ بزرگ فرمانے لگے کہ میں خدا تعالیٰ کا پیغام لایا ہوں۔ کیا خبر کہ پیغام عتاب آمیز ہے یا عقاب آلودہ۔ پھر باہر آئے اور پیغام حق سن کر سچے دل سے توبہ کی اور اس بلند مقام پر جا پہنچے کہ مشاہدہ حق کے غلبہ کی شدت سے برہنہ پا رہنے لگے اور کبھی جوتا پاؤں میں نہ پہنا اور اسی لیے آپ "حافی" کے نام سے مشہور ہو گئے کہ حافی

ننگے پاؤں والے کو کہتے ہیں۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ جوتی کیوں نہیں پہنتے؟ تو فرمایا حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے زمین کو تمہارا بچھونا بنایا ہے۔ پس بادشاہ کے بچھائے ہوئے بچھونے پر جوتی پہنے جانا بے ادبی ہے۔ (مرآۃ الاسرار، تذکرۃ الاولیاء)

۶۵۔ خدمتِ مریض

بغداد میں ایک تاجر رہتا تھا جو ہمیشہ بزرگانِ دین کی برائی کرتا تھا۔ ایک شیخ فرماتے ہیں کچھ عرصہ بعد میں نے اسے بزرگانِ دین کی صحبت میں بیٹھے دیکھا اس تاجر نے اپنا سارا مال و متاع ان بزرگانِ دین کی خدمت میں خرچ کر دیا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا تم تو بزرگانِ دین اور صوفیاء کرام سے بغض رکھتے تھے، پھر یہ انقلاب کیسا؟ تاجر نے جواب دیا میں جو کچھ ان لوگوں کے متعلق سوچا کرتا تھا وہ غلط تھا شیخ نے پوچھا کہ تم نے یہ کیونکر جانا؟ تاجر نے جواب دیا میں نے ایک دن جمعہ کی نماز پڑھی۔ میں نے بشر کو دیکھا کہ سرعت کے ساتھ جامع مسجد سے نکل کر جا رہے تھے۔ میں نے اپنے جی میں کہا کہ دیکھوں اس شخص کو جو بہت بڑا صوفی مشہور ہے اور ایک لحظہ مسجد میں نہیں ٹھہرتا، یہ کہاں جاتا ہے؟

اس نے بازار میں نانبائی سے نرم نرم روٹیاں خریدیں۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ صوفی ہیں اور نرم نرم روٹیاں خریدتے ہیں۔ پھر کبابی سے ایک درہم کے کباب خریدے۔ میرا غصہ اور زیادہ ہوا، وہاں سے وہ حلوائی کی دکان پر آیا اور ایک درہم کا فالودہ خریدا۔ میں نے سوچا کہ جب یہ کھانے بیٹھے گا تو اس کا عیش تلخ کر دوں گا۔ اس نے جنگل کا راستہ لیا۔ مجھے خیال آیا کہ اسے سبزہ زار کی تلاش ہے۔ وہاں بیٹھ کر کھائے گا۔ چنانچہ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ وہ عصر تک چلتا رہا عصر کے وقت ایک گاؤں میں پہنچا اور ایک مسجد میں داخل ہوا۔

مسجد میں ایک مریض تھا اس کے سرہانے بیٹھ کر بڑی مروت سے اسے کھلانے لگا۔ میں گاؤں دیکھنے کے ارادے سے مسجد سے باہر نکلا اور تھوڑی دیر کے بعد واپس لوٹا تو انھیں نہ پایا۔ میں نے اس مریض سے پوچھا کہ بشر کہاں ہیں؟ اس نے کہا وہ بغداد کو لوٹ گئے۔ میں نے دریافت کیا کہ بغداد کا یہاں سے کتنا فاصلہ ہے؟ اس نے کہا چالیس فرسخ یعنی پانچ منزل۔ میں نے کہا انا للہ و انا الیہ راجعون میں نے اپنے اوپر یہ کیا مصیبت ڈال لی۔ نہ میرے پاس اتنے دام ہیں کہ کوئی سواری کرایہ پر کروں نہ اتنی طاقت

ہے کہ اتنی دور چل سکوں۔ اس مریض نے کہا ان کے واپس آنے تک یہاں قیام کرو۔ چنانچہ آئندہ جمعہ تک وہاں پڑا رہا۔ بشر عیلن اسی وقت پہنچے اور ان کے پاس مریض کے لیے اسی طرح کی خوراک تھی۔ جب مریض کو کھانا کھلا چکے تو اس نے کہا اے ابونصر! یہ شخص تمہارے ساتھ گزشتہ جمعہ آیا تھا اور ہفتہ بھر سے یہاں مقیم ہے اسے ٹھکانے پہنچا دو۔ سوداگر کہتا ہے کہ انھوں نے غصے سے مجھے گھورا اور کہا تو کیوں میرے ساتھ آیا تھا؟ میں نے کہا خطا ہو گئی ہے۔ انھوں نے فرمایا اٹھو چلو۔ میں ان کے پیچھے مغرب تک چلا۔ جب ہم شہر کے قریب پہنچے تو انھوں نے فرمایا کہ تیرا محلہ کونسا ہے؟ میں نے کہا فلاں محلہ ہے۔ اس پر فرمایا اچھا جاؤ پھر کبھی ایسا نہ کرنا۔ جب سے میں نے توبہ کی اور ان کی صحبت اختیار کی (روض الریاحین ص ۱۱۸)

۷۶۔ اچھے فُقراء کی صفت

حضرت بشر حافی فرماتے ہیں کہ ان کے پاس ایک گروہ آیا اور سلام کیا، انھوں نے پوچھا تم کون ہو؟ کہا ہم شام کے رہنے والے ہیں آپ کو سلام کرنے آئے ہیں اور حج کا ارادہ ہے۔ آپ نے فرمایا خدا تمہارا حج قبول فرمائے۔ انھوں نے کہا آپ بھی ہمارے ہمراہ تشریف لے چلیں تاکہ آپ کی صحبت میں ہم سب حج ادا کریں۔ انھوں نے انکار کیا، انھوں نے اصرار کیا۔ پھر فرمایا جب تمھاری یہی خوشی ہے تو میں تین شرطوں پر منظور کرتا ہوں، اپنے ساتھ کوئی چیز از قسم توشہ سفر نہ لے چلیں، نہ ہم کسی سے راہ میں سوال کریں اگر کوئی ہم کو کچھ دے وہ بھی نہ لیں۔ انھوں نے کہا نہ ساتھ کچھ لے جائیں نہ سوال کریں یہ تو ہو سکتا ہے لیکن اگر کوئی دے اور باوجود ضرورت کے نہ لیں اس کی قدرت ہم کو نہیں۔ بشر حافی نے فرمایا شاید تم گھر سے اپنے توشوں پر بھروسا کر کے چلے ہو۔ خدا تعالیٰ پر توکل نہیں ہے، تم سب چلے جاؤ اور مجھ کو میرے حال پہ چھوڑ دو۔ پھر فرمایا فقیروں میں اچھے تین فقیر ہیں۔ ایک وہ ہے جو سوال نہیں کرتا اور اگر دیا جائے لیتا بھی نہیں۔ یہ فقیر روحانیوں میں سے ہے۔ پاکیزہ روحانیوں کے ساتھ ہے۔ دوسرا فقیر سوال نہیں کرتا اگر کوئی دے تو لے لیتا ہے۔ اسی فقیر کے واسطے حضرت قدس میں دستر خوان بچھائے جائیں گے۔ تیسرا فقیر سوال کرتا ہے اور اگر دیں بقدر کفایت لے لیتا ہے اس کا کفارہ اس کا صدق ہے یعنی حاجت کے سوال کرتا ہے اور حاجت سے زیادہ نہیں لیتا۔

روایت ہے کہ حضرت بشر حافی کے پاس ایک جماعت صوفیوں کی آئی، سب گدڑی پوش تھے۔

آپ نے کہا اے لوگو! اللہ سے ڈرو یہ لباس ترک کرو کیونکہ اس لباس سے تم پہچانے جاتے ہو، سب خاموش رہے مگر ایک جوان ان میں سے بولا قسم خدا کی ہم اس کو ضرور پہنیں گے ضرور پہنیں گے یہاں تک کہ تمام دین خدا کے واسطے ہو جائے۔ آپ نے کہا خوب کہا اے جوان! تمہارے ہی جیسے اس کے پہننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ (نزہتہ البساتین)

۶۷۔ تقویٰ کی باتیں

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے عرفہ کے دن ایک شخص کو دیکھا کہ خدا کی محبت کے غلبہ میں رو رہا تھا اور نہایت شدت سے پکار کر کہہ رہا تھا پاک ذات ہے وہ اگر ہم اسے سجدہ کریں، اور سر و آنکھوں کو کانٹوں اور سوئیوں پر رکھیں تو اس کی نعمتوں کا حق، دس میں سے ایک نہ ادا کر سکیں خداوندا ہم نے کس قدر خطائیں کیں اور تجھے اس وقت یاد نہ کیا اور تو اے مالک! ہم کو پوشیدہ یاد کرتا ہے۔ ہم نے جہالت سے گناہ کیا اور تجھ سے اپنی دانست میں چھپایا اور تو ہمارے ساتھ مہربانی سے پیش آیا اور ہمارے گناہوں کی پردہ پوشی فرمائی، کہتے ہیں وہ میری نظروں سے غائب ہو گیا۔ جب میں نے نہ دیکھا لوگوں سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ ابو عبید خواص خاصان خدا میں سے ہیں۔ ستر برس ہوئے کہ انھوں نے آسمان کی طرف منہ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو بولے میں شرماتا ہوں کہ اپنا منہ اپنے محسن کی طرف کروں۔ تعجب ہے کہ نیک فرمانبردار ہو کر باوجود حسن طاعت کے عجز و انکسار کرے اور نافرمان تمرد و سرکشی سے پیش آئے اور اپنے گناہوں سے نہ شرمائے۔ خداوندا! اپنے دیدار سے محروم نہ کرنا اور اپنے نیک دوستوں کی برکت سے ہم کو نفع دارین عطا فرمانا۔ اور انھیں بزرگوں کے ساتھ ہمارا حشر کرنا۔ (نزہتہ البساتین)

۶۸۔ حضرت ابراہیم بن ادھم اور رضائے الٰہی

جب آپ نے بلخ کی سلطنت کو خیرباد کہا تو اس وقت آپ کا ایک بہت چھوٹا سا بچہ تھا اور جب اس نے جوانی میں پوچھا کہ میرے والد کہاں ہیں؟ تو والدہ نے پورا واقعہ بیان کرنے کے بعد بتایا کہ وہ اس وقت مکہ معظمہ میں مقیم ہیں۔ اس کے بعد اس لڑکے نے پورے شہر میں منادی کرا دی کہ جو

لوگ میرے ہمراہ سفر حج پر چلنا چاہیں میں ان کے پورے اخراجات برداشت کروں گا۔ یہ منادی سن کر تقریباً چار ہزار افراد چلنے پر تیار ہو گئے جن کو وہ لڑکا اپنے ہمراہ لے کر والد کے دیدار کی تمنا میں کعبۃ اللہ پہنچ گیا اور جب اس نے مشائخین حرم سے اپنے والد کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ وہ تو ہمارے مرشد ہیں اور اس وقت اس نیت سے جنگل میں لکڑیاں لینے گئے ہیں کہ فروخت کر کے اپنے اور ہمارے کھانے کا انتظام کریں۔ یہ سنتے ہی لڑکا جنگل کی جانب چل پڑا اور ایک بوڑھے کو سر پر لکڑیوں کا بوجھ لاتے دیکھا۔ گو فرط محبت سے وہ بیتاب تو ہو گیا لیکن بطور سعادت مندی اور ناواقفیت کے خاموشی کے ساتھ آپ کے پیچھے بازار پہنچ گیا اور جب وہاں جاکر حضرت ابراہیم نے آواز لگائی کہ کون ہے جو پاکیزہ مال کے عوض پاکیزہ مال خریدے۔ یہ سن کر ایک شخص نے روٹیوں کے عوض میں لکڑیاں خرید لیں جن کو آپ نے اپنے ارادت مندوں کے سامنے لے جاکر رکھ دیا اور خود نماز میں مشغول ہو گئے۔ آپ اپنے ارادت مندوں کو ہمیشہ یہ ہدایت فرمایا کرتے کہ کبھی کسی عورت یا بے ریش لڑکے کو نظر بھر کر نہ دیکھنا اور خصوصاً اس وقت بہت محتاط رہنا جب ایام حج کے دوران کثیر عورتیں اور بے ریش لڑکے جمع ہو جاتے ہیں اور تمام افراد اس ہدایت کے پابند رہتے ہوئے آپ کے ہمراہ طواف میں شریک رہتے لیکن ایک مرتبہ حالتِ طواف ہی میں آپ کا لڑکا سامنے آگیا اور بے ساختہ آپ کی نگاہیں اس پر جم گئیں اور فراغتِ طواف کے بعد آپ کے ارادت مندوں نے عرض کیا کہ اللہ آپ کے اوپر رحم فرمائے آپ نے جس سے باز رہنے کی ہمیں ہدایت کی تھی اس میں آپ خود ہی ملوث ہو گئے۔ کیا آپ اس کی وجہ بیان کر سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ یہ بات تو تمھارے علم میں ہی نہیں ہے کہ جب میں نے بلخ کو خیر باد کہا تو اس وقت میرا چھوٹا سا بچہ تھا اور مجھے یقین ہے کہ یہ وہی بچہ ہے۔ پھر اگلے دن آپ کا ایک مرید جب بلخ کے قافلہ کی تلاش کرتا ہوا وہاں پہنچا تو دیکھا کہ وہی لڑکا دیبا و حریر کے خیمہ میں ایک کرسی پر بیٹھا تلاوتِ قرآن کر رہا ہے اور جب اس نے آپ کے مرید سے آمد کا مقصد دریافت کیا تو مرید نے سوال کیا کہ آپ کس کے صاحبزادے ہیں؟ یہ سنتے ہی اس لڑکے نے روتے ہوئے کہا کہ میں نے اپنے والد کو نہیں دیکھا لیکن کل ایک بوڑھے لکڑہارے کو دیکھ کر یہ محسوس ہوا کہ شاید یہی میرے والد ہیں اور اگر میں ان سے پوچھ گچھ کرتا تو اندیشہ تھا کہ وہ فرار ہو جاتے کیونکہ وہ گھر سے فرار ہیں اور ان کا اسم گرامی ابراہیم بن ادھم ہے۔ یہ سن کر مرید نے کہا چلیئے میں ان سے آپ کی ملاقات کرا دوں اور اپنے

ہمراہ آپ کی بیوی اور لڑکے کو لے کر بیت اللہ میں داخل ہوگیا اور جس وقت بیوی اور بچے کی آپ پر نظر پڑی تو فرطِ محبت سے بے تابانہ دونوں لپٹ گئے اور روتے روتے بے ہوش سے ہو گئے۔ اور ہوش آنے کے بعد جب حضرت ابراہیم نے پوچھا کہ تمہارا دین کیا ہے؟ تو لڑکے نے جواب دیا اسلام! پھر سوال کیا کہ کیا تم نے قرآن کریم پڑھا ہے۔ لڑکے نے اثبات میں جواب دے دیا۔ پھر پوچھا کہ اس کے علاوہ اور بھی کچھ تعلیم حاصل کی ہے؟ لڑکے نے کہا کہ جی ہاں! یہ سن کر فرمایا کہ الحمدللہ! اس کے بعد جب آپ جانے کے لیے اٹھے تو بیوی اور بچے نے اصرار کر کے آپ کو روک لیا۔ جس کے بعد آپ نے آسمان کی جانب چہرہ اٹھا کر کہا کہ الٰہی اغثنی! یہ کہتے ہی آپ کے صاحبزادے زمین پر گر پڑے، اور فوت ہو گئے اور جب ارادتمندوں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ جب میں بچے سے ہم آغوش ہوا تو وفورِ جذبات اور فرطِ محبت سے بیتاب ہوگیا اور اسی وقت یہ ندا آئی کہ ہم سے دوستی کے دعوے کے بعد دوسرے کو دوست رکھتا ہے۔ یہ ندا سن کر میں نے عرض کیا کہ یا اللہ! یا تو لڑکے کی جان لے لے یا پھر مجھے موت دیدے۔ چنانچہ لڑکے کے حق میں دعا قبول ہوگئی اور اگر اس پر کوئی اعتراض کرے تو میرا یہ جواب ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ سے زیادہ تحیر خیز نہیں کیونکہ انھوں نے بھی تعمیل حکم میں اپنے بیٹے کو قربان کر دینے کی ٹھان لی تھی۔ (تذکرۃ المشائخ ص ۲۳)

۶۹۔ سال میں دو مرتبہ پھل کی کرامت

حضرت محمد مبارک صوفی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت ابراہیم بن ادھم کے ہمراہ بیت المقدس کے سفر میں دوپہر کے وقت ایک انار کے درخت کے نیچے نماز ادا کی۔ اس وقت درخت میں سے ندا آئی کہ میرا پھل کھا کر عزت افزائی کی جائے۔ چنانچہ آپ نے دو انار توڑ کر ایک مجھے دیا اور ایک خود کھایا۔ لیکن اس وقت وہ درخت بھی چھوٹا تھا اور انار بھی ترش تھے۔ مگر جب ہم بیت المقدس سے واپس ہوئے تو وہ بہت قدآور ہوگیا تھا اور انار بھی بہت شیریں تھے اور سال میں دو مرتبہ پھل دیتا تھا۔ اسی کرامت کی بنا پر اس درخت کو رمان العابدین کے نام سے موسوم کر دیا گیا۔

(تذکرۃ الاولیاء)

۷۰۔ ایک شرابی کی زبان صاف کرنا

حضرت ابراہیم بن ادھم کا ایک راستے سے گزر ہوا جہاں ایک شرابی کو بے ہوش پڑے دیکھا۔ اس کے منہ سے جھاگ نکل رہی تھی۔ حضرت ابراہیم بن ادھم نے اس کی زبان دھوئی اور فرمانے لگے۔ کیسی زبان کو یہ آفت پہنچی جو اللہ کا ذکر کرتی تھی۔ جب اسے ہوش آیا تو لوگوں نے ابراہیم بن ادھم کے سلوک کا ذکر کیا تو وہ شخص بہت شرمندہ ہوا اور توبہ کی۔ حضرت ابراہیم بن ادھم کو خواب میں بشارت ہوئی کہ تو نے ہمارے واسطے اس کی زبان پاک کی، ہم نے تیری وجہ سے اس کا قلب پاک کیا۔

(روضۃ الریاحین ص ۱۱۷)

۷۱۔ مچھلیوں کے منہ میں سوئیاں

حضرت ابراہیم ادھم جب سلطنت چھوڑ کر طاعت الٰہی میں مشغول ہو گئے تو حضرت کے ایک صاحبزادے نے آپ کو بعد تلاش کیا آخر ایک دفعہ دیکھا کہ حضرت دریا کے کنارے درخت کے سائے میں بیٹھے ہوئے اپنا خرقہ سی رہے تھے۔ صاحبزادے نے سلام کے بعد عرض کیا، یہ کیسی زندگی آپ نے اختیار کر رکھی ہے اس تنہائی اور وحشت سے کیا حاصل؟ حضرت ابراہیم ادھم خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔ جب شہزادے نے دیکھا کہ آپ خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا تو اس نے غصے سے سوئی حضرت کے ہاتھ سے لے کر دریا میں پھینک دی اور کہا۔ یا تو آپ مجھے سوئی نکال کر دکھائیں یا پھر گھر چل کر سلطنت سنبھالیں۔ حضرت نے فرمایا بیٹا سوئی اب کس طرح نکل سکتی ہے لیکن جب شہزادہ کسی طرح راضی نہ ہوا تو حضرت نے مچھلیوں کو سوئی لانے کا حکم دیا۔ شہزادے نے دیکھا کہ مچھلیاں ہزاروں سوئیاں منہ میں لیے حاضر ہو گئیں تو اس نے کہا میں تو وہی سوئی چاہتا ہوں جو میں نے پھینکی ہے، اتنے میں ایک بہت بڑی مچھلی نے نمودار ہو کر کہا کہ میں اس سوئی کو حضرت خضر کے لیے بطور تبرک لیے جا رہی تھی، حضرت کے احترام میں واپس لائی ہوں۔ شہزادہ اس واقعہ سے بہت متاثر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں حائل ہونے کی کوشش کی تھی، مجھے معاف کیجئے اور اپنے قدموں میں رہنے کی اجازت دیجئے۔ حضرت شیخ نے فرمایا بیٹا تم واپس جاؤ، جو اپنے پروردگار عالم کی یاد میں محو ہو اسے کسی چیز سے سروکار

نہیں ہوتا۔ (مرآۃ الاسرار۔ص ۲۸۲)

۷۲۔ چھ اچھی عادات

حضرت ابراہیم بن ادھم کا ایک واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ کسی ارادت مند نے آپ سے درخواست کی کہ کوئی نصیحت کیجیے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ چھ عادات اپنا لو۔ اول یہ کہ جب تم ارتکاب معصیت کرتے ہو تو خدا کے رزق کو مت استعمال کرو۔ دوم اگر معصیت کا ارادہ ہو تو خدا کی مملکت میں سے نکل جاؤ سوم ایسی جگہ جا کر گناہ کرو جہاں خدا نہ دیکھ رہا ہو۔ اس پر جب لوگوں نے یہ اعتراض کیا کہ وہ کونسی جگہ ہے جہاں پر خدا نہیں دیکھ سکتا۔ جبکہ وہ اسرار دقلوب تک سے آگاہ ہے تو فرمایا کہ یہ کیا انصاف ہے کہ اس کا رزق استعمال کرو۔ اسی کے ملک میں رہو اور اسی کے سامنے گناہ بھی کرو۔ پھر آپ نے چوتھی نصیحت یہ کی کہ فرشتہ اجل سے توبہ کا وقت طلب کرو۔ پنجم منکر نکیر کو قبر میں مت آنے دو اور چھٹی نصیحت آپ نے یہ کی کہ جب جہنم میں جانے کا حکم ملے تو انکار کر دو۔ آپ کی یہ نصیحتیں سن کر سائل نے عرض کیا کہ یہ تمام چیزیں تو ناممکنات میں سے ہیں۔ کسی انسان کے لیے ان پر کاربند رہنا ممکن نہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ اگر یہ تمام چیزیں ناممکنات میں سے ہیں تو پھر گناہ مت کرو۔ روایت ہے کہ یہ سنتے ہی وہ شخص تائب ہو کر اسی وقت آپ کے سامنے اس جہانِ فانی سے کوچ کر گیا۔ (تذکرۃ الاولیاء۔ص ۶۱)

۷۳۔ دُنیوی لالچ کی مذمّت

حضرت ابراہیم ادھم ہر قسم کے دنیاوی لوب لالچ سے بے نیاز تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے نذرانے کے طور پر آپکو ایک ہزار درہم پیش کیے مگر آپ نے یہ کہہ کر اس پیشکش کو ٹھکرا دیا کہ میں فقیروں سے کچھ نہیں لیتا۔ درہم دینے والے نے عرض کیا کہ میں تو بہت امیر ہوں۔ اس پر حضرت ابراہیم نے اس سے دریافت کیا کہ کیا تجھے مزید دولت کی آرزو نہیں ہے؟ جس پر درہم دینے والے شخص نے اثبات میں سر ہلایا۔ آپ نے اس شخص سے کہا کہ تو یہ رقم لے جا کیونکہ تو فقیروں کا سردار ہے۔

(تذکرۃ الاولیاء)

۷۴۔ توکّل کی حقیقت

حضرت ابراہیم بن ادھم نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں بیابانوں کی خاک چھانتا ہوا جب نواحِ عراق میں پہنچا تو میں نے ایسے ستر فقراء کو دیکھا جو راہِ مولیٰ میں اپنی جان نچھاور کر چکے تھے لیکن ان میں ایک ایسا فرد باقی تھا جس میں زندگی کے کچھ آثار موجود تھے اور جب میں نے اس واقعہ کی نوعیت دریافت کی تو اس نے کہا کہ اے ابراہیم! بس محراب اور پانی کو حرزِ حیات بنا کر آگے جانے کی سعی نہ کرو ورنہ مہجور ہو جاؤ گے اور قربت کا تصور بھی چھوڑ دو ورنہ اذیت اٹھاؤ گے کیونکہ کسی کی تاب و طاقت نہیں کہ سلامت روی کی حالت میں گستاخی کا مرتکب ہو سکے۔ اور اس دوست سے بھی ڈرتے رہو جو حجاج کو کفارِ روم کی مانند بذریعہ جنگ تہ تیغ کر دیتا ہے اور ہم اس بیان میں یہ عہد کر کے کہ خدا کے سوا کسی سے سروکار نہیں رکھیں گے۔ محض توکل علی اللہ کے سہارے مقیم ہو گئے اور جب قطع مسافت کرتے ہوئے بیت اللہ کے قریب پہنچے تو حضرت خضر سے شرف نیاز حاصل ہو گیا اور ہم نے آپ کی ملاقات کو مبارک فال تصور کرتے ہوئے اپنی سعی کے بارآور ہونے پر خدا کا شکر ادا کیا لیکن اسی وقت ندا آئی کہ اے عہد شکنو! اے فریب کارو! کیا تمہارا یہی عہد تھا کہ مجھ کو فراموش کر کے دوسروں سے راہ و رسم بڑھاؤ۔ سن لو کہ میں تمہیں اس جرم کی سزا میں موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔ چنانچہ اے ابراہیم ادھم یہ تمام فوت شدہ لوگ اسی کے قہر کا شکار ہوئے اور اگر تم بھی خیریت چاہتے ہو تو ایک قدم بھی آگے نہ بڑھانا اور حضرت ابراہیم نے حیرت زدہ ہو کر اس شخص سے پوچھا کہ تم کیسے زندہ بچ گئے تو جواب دیا کہ ابھی نیم پختہ ہوں اور اب انہیں کی طرح پختہ ہو کر جان دینا چاہتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ بھی جان بحق ہو گیا۔ (تذکرۃ الاولیاء)

۷۵۔ سونے اور چاندی کا کنویں سے برآمد ہونا

ایک مرتبہ حضرت ابراہیم بن ادھم نے کنویں سے ڈول نکالا تو ڈول سونے سے لبریز تھا آپ نے اسے پھینک کر پھر ڈول ڈالا تو چاندی سے بھرا ہوا نکلا اور تیسری مرتبہ موتیوں سے۔ اس وقت آپ نے کہا یا اللہ! میں تو پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے پانی کا خواستگار ہوں۔ میری نگاہوں میں سیم و زر کی

کوئی وقعت نہیں۔ (تذکرۃ الاولیاء)

۷۶۔ مقصد میں کامیابی

کسی نے حضرت ابراہیم ادھم سے دریافت کیا کہ کیا آپ کو کبھی اپنے مقصد میں کامیابی ہوئی ہے؟ حضرت ابراہیم ادھم نے فرمایا دو مرتبہ مجھے اپنے مقصد میں کامیابی ہوئی ہے۔ ایک اس وقت جب میں ایک کشتی میں سفر کر رہا تھا اور مجھے کسی نے شناخت تک نہ کیا کیونکہ میں نے پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے اور بال بڑھے ہوئے تھے۔ ایسی حالت میں کشتی کے سارے مسافر میرا مذاق اڑاتے رہے کشتی کے مسافروں میں ایک مسخرہ بھی تھا۔ وہ الٹی سیدھی حرکتیں کرتا ہوا میرے قریب آتا اور میرے سر کے بال نوچتا، اکھاڑتا اور میرے ساتھ بیہودہ مذاق کرتا اس کے اس طرح کرنے سے میری مراد پوری ہوئی اور اپنے بوسیدہ کپڑوں سے مجھے بے انتہا خوشی ہوئی۔ یہاں تک کہ میری خوشی انتہا کو پہنچ گئی جب اس مسخرے نے اٹھ کر مجھ پر پیشاب کر دیا اور دوسری بار اس وقت مجھے مقصد میں کامیابی ہوئی جب میں ایک گاؤں میں تھا اور وہاں بڑے زور کی بارش ہو رہی تھی۔ موسم بھی سردی کا تھا۔ سردی سے میرا جسم ٹھٹھر سا گیا اور میرے جسم پر گدڑی تھی وہ بھی بھیگ گئی تھی۔ میں نے سردی اور بارش سے بچنے کے لیے ایک مسجد کی طرف رخ کیا لیکن مسجد میں مجھے ٹھہرنے کی اجازت نہ دی گئی۔ پھر دوسری مسجد کی طرف چلا گیا لیکن وہاں بھی نہ ٹھہرنے دیا گیا۔ اس کے بعد میں تیسری مسجد میں گیا اور وہاں بھی میرے ساتھ وہی سلوک ہوا۔ میں عاجز آ گیا اور سردی میری برداشت سے باہر ہو گئی آخر کار تنگ آ کر میں ایک حمام کی بھٹی کے آگے بیٹھ گیا اور اپنا بھیگا ہوا لباس سکھانے کے لیے آگ کے سامنے کر دیا اس کوشش میں آگ اور دھواں مجھ پر پڑا جس سے میرے کپڑے اور چہرہ سیاہ ہو گئے۔ اس رات بھی میں نے اپنی مراد پالی۔ (کشف المحجوب)

۷۷۔ قبولیتِ دعا کا طریقہ

ایک مرتبہ لوگوں نے حضرت ابراہیم بن ادھم سے دعائیں قبول نہ ہونے کی شکایت کی تو فرمایا کہ تم خدا کو پہچانتے ہوئے بھی اس کی اطاعت سے گریزاں ہو اور اس کے قرآن و رسول سے واقف ہوتے

ہوئے بھی ان کے احکام پہ عمل پیرا نہیں ہوتے اور اس کا رزق کھا کر بھی اس کا شکر نہیں کرتے، جنت میں جانے اور جہنم سے نجات پانے کا انتظام نہیں کرتے۔ ماں باپ کو دفن کر کے بھی عبرت حاصل نہیں کرتے۔ ابلیس کو غنیم جانتے ہوئے بھی اس کی معاندت نہیں کرتے۔ اجل کی آمد کا یقین رکھتے ہوئے اس سے بے خبر ہو اور اپنے عیوب سے واقف ہوتے ہوئے بھی دوسروں کی عیب جوئی کرتے رہتے ہو، پھر بھلا خود سوچو کہ ایسے لوگوں کی دعائیں کیسے قبولیت حاصل کر سکتی ہیں۔ (تذکرۃ الاولیاء)

۷۸۔ رضائے الٰہی کا صلہ

حضرت عبداللہ بن مبارک نے اپنی زندگی میں ہی تمام مال درویشوں کو تقسیم کر دیا تھا۔ ایک دن آپ کے پاس ایک مہمان آیا۔ آپ کے پاس جو کچھ بھی تھا اس کی تواضع پر خرچ کر دیا اور کہا مہمان حق تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہے جہاں تک ہو سکے اس کی خدمت کرنی چاہیئے۔ آپ کی اہلیہ اس بارہ میں آپ سے جھگڑنے لگی۔ آپ نے فرمایا ایسی عورت جو نیک کام میں مجھ سے جھگڑا کرے اسے گھر میں نہ رہنا چاہیئے۔ آپ نے اس کے حق مہر کا انتظام کر کے اسے طلاق دے دی۔ حق تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک سردار کی لڑکی آپ کی مجلس وعظ میں آئی۔ اس کو آپ کی باتیں ایسی اچھی معلوم ہوئیں کہ گھر آ کر اس نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ میرا نکاح کر دیا جائے۔ باپ نے اپنی بیٹی کو پچاس ہزار دینار دے کر اس کا نکاح آپ سے کر دیا۔ پھر آپ نے خواب دیکھا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تم نے عورت کو ہمارے لیے طلاق دی۔ اب یہ عورت تجھ کو اس کے عوض میں عطا کی گئی ہے تاکہ تو جانے کہ کسی کو ہمارے ساتھ معاملہ کرنے میں زیاں نہیں ہوتا۔ (افضل الاخلاق)

۷۹۔ اللہ کارساز ہے

حضرت عبداللہ بن مبارک کا وقتِ وفات قریب پہنچا تو آپ نے اپنا تمام مال درویشوں کو تقسیم کر دیا۔ ایک مرید آپ کے سرہانے تھا اس نے کہا اے شیخ! آپ کی تین بیٹیاں ہیں۔ اور آپ دنیا سے آنکھیں بند کر رہے ہیں۔ ان کے لیے بھی کچھ چھوڑ دیجیے۔ ان کی تدبیر آپ نے کیا فرمائی ہے آپ نے ارشاد کیا میں نے ان سے یہ کہہ دیا ہے وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ یعنی اہلِ صلاح کا

کارساز وہی ہے پس جب کسی کا کارساز اللہ ہو وہاں عبداللہ کی کیا ضرورت ہے (افضل الاخلاق)

۸۰۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی توبہ

حضرت عبداللہ بن مبارک کے ابتدائی حالاتِ زندگی میں مذکور ہے کہ آپ ایک عورت پر اس درجہ شیفتہ و فریفتہ تھے کہ کسی پہلو چین نہ آتا تھا۔ سردی کا موسم تھا۔ ایک رات محبوبہ کے مکان کی دیوار کے ساتھ صبح تک لگے کھڑے رہے۔ جب صبح کی اذان ہوئی تو آپ نے خیال کیا کہ عشا کی اذان ہوئی ہے لیکن فوراً ہی آدمیوں کی آمد و رفت اور روشنی نمودار ہونے پر معلوم ہوا کہ میں ساری رات محبوبہ کی دیوار سے لگا کھڑا رہا ہوں اور مفت میں ایک مخلوق کا اس قدر انتظار کرتا رہا۔ پھر اپنے آپ سے کہنے لگے، مبارک کے بیٹے! شرم کر ہوائے نفسانی کی خاطر تو نے ساری رات گزار دی۔ اگر نماز میں ساری رات کھڑا رہتا تو کتنا اچھا ہوتا۔ فوراً توبہ کی اور عبادتِ الٰہی میں مشغول ہو گئے اور یہاں تک درجہ حاصل کر لیا کہ ایک روز آپ کی والدہ نے دیکھا کہ آپ ایک درخت کے نیچے سو رہے ہیں اور ایک سانپ نرگس کی شاخ منہ میں لیے ہوئے مگس رانی کر رہا ہے۔ (کشف المحجوب)

۸۱۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی کرامت

حضرت سہیل بیشتر آپ کے پاس تشریف لایا کرتے تھے ایک مرتبہ چلتے ہوئے کہنے لگے کہ اب میں کبھی آپ کے پاس نہیں آؤں گا اس لیے کہ آج چھت پر سے آپ کی کنیزیں مجھے اے سہیل اے سہیل! کہہ کر آوازیں دے رہی تھیں اور یہ بات میرے لیے بارِ خاطر ہو گئی۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ نے کہا کہ آؤ سہیل کی نمازِ جنازہ ادا کریں چنانچہ اسی دن ان کا انتقال ہو گیا اور تجہیز و تکفین کے بعد جب لوگوں نے سوال کیا کہ موت سے پہلے ہی آپ کو ان کی موت کا علم ہو گیا تھا۔ فرمایا کہ انھوں نے یہ کہا تھا کہ تیری چھت پر سے کنیزیں مجھے اے سہیل کہہ کر آواز دے رہی تھیں حالانکہ میرے یہاں کوئی لونڈی نہیں ہے۔ اور وہ یقیناً حوریں تھیں جو آواز دے رہی تھیں۔ اسی وجہ سے میں نے ان کی موت کا یقین کر لیا (تذکرۃ الاولیاء)

۸۲۔ ایک بُڑھیا کا رُوحانی مقام

حضرت عبداللہ بن مبارک فرمایا کرتے تھے کہ میں ایک مرتبہ بغرضِ حج روانہ ہوا لیکن راستے میں اتنی تاخیر ہو گئی کہ صرف چار یوم حج میں باقی رہ گئے اور مجھے یقین ہو گیا کہ اب میں حج سے محروم رہ جاؤں گا لہٰذا کیا شکل اختیار کرنی چاہیئے۔ اسی فراق میں ایک بڑھیا نے آکر مجھ سے کہا کہ میرے ہمراہ چل میں تجھے عرفات تک پہنچائے دیتی ہوں۔ چنانچہ میں چل پڑا اور جب راہ میں کوئی دریا آجاتا تو وہ کہتی کہ آنکھیں بند کرلو اور جب میں اس پر عمل کرتا تو ایسا محسوس ہوتا کہ میں صرف کمر کمر تک پانی میں چل رہا ہوں اور جب دریا عبور کر لیتا تو وہ کہتی کہ آنکھیں کھول دو۔ غرضیکہ اسی طرح اس نے مجھے عرفات تک پہنچا دیا اور فراغتِ حج کے بعد بڑھیا نے کہا کہ چلو میں اپنے بیٹے سے تمہاری ملاقات کراؤں اور جب میں وہاں پہنچا تو دیکھا کہ ایک بہت ہی کم درسا نوجوان نورانی صورت کا بیٹھا ہوا ہے اور ماں کو دیکھتے ہی قدموں پر گر کر کہنے لگا کہ مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تم دونوں کو اللہ تعالےٰ نے میری تجہیز و تکفین کے لیے بھیجا ہے کیونکہ میری موت کا وقت بہت ہی قریب ہے۔ یہ کہتے ہی وہ فوت ہو گیا اور میں نے غسل دے کر اسے قبر میں اتار دیا لیکن بڑھیا نے مجھ سے کہا کہ اب تم رخصت ہو جاؤ کیونکہ میں اپنی زندگی بیٹے کی قبر پر گزارنا چاہتی ہوں اور آئندہ سال جب تم آؤ گے تو میں تمہیں نہ مل سکوں گی لیکن میرے لیے ہمیشہ دعائے خیر کرتے رہنا۔ (تذکرۃ الاولیاء)

۸۳۔ خدمتِ خلق کا حج کے برابر ثواب

ایک مرتبہ آپ فراغتِ حج کے بعد بیت اللہ میں سو گئے اور خواب دیکھا کہ دو فرشتے باہم باتیں کر رہے ہیں اور ایک نے دوسرے سے سوال کیا کہ اس سال کتنے لوگ حج میں شریک ہوئے اور کتنے افراد کا حج قبول ہوا۔ دوسرے نے جواب دیا کہ چھ لاکھ آدمیوں نے حج ادا کیا لیکن ایک فرد کا بھی حج قبول نہیں ہوا مگر دمشق کا ایک موچی جو حج میں شریک تو نہیں ہوا لیکن اللہ نے اس کا حج قبول فرما کر اس کے طفیل میں سب کا حج قبول کر لیا۔ یہ خواب دیکھ کر بیداری کے بعد موچی سے ملاقات کرنے دمشق پہنچے اور ملاقات کے بعد جب اس کا نام و نسب دریافت کرکے حج کا واقعہ دریافت کیا تو اس نے اپنا

نام، پیشہ بیان کرنے کے بعد جب آپ کا نام پوچھا تو آپ نے بتا دیا کہ میں عبداللہ بن مبارک ہوں۔ یہ سنتے ہی وہ چیخ مار کر بے ہوش ہو گیا اور ہوش میں آنے کے بعد اس طرح اپنا واقعہ بیان کیا کہ بہت عرصہ سے میرے قلب میں حج کی تمنا تھی اور میں نے اس نیت سے تین سو درہم بھی جمع کر لیے تھے لیکن ایک دن میرے پڑوسی کے یہاں سے کھانا پکنے کی خوشبو آئی تو میری بیوی نے کہا کہ اس کے یہاں سے تم بھی مانگ لاؤ تاکہ ہم بھی کھالیں۔ چنانچہ میں نے اس سے جا کر کہا کہ آج آپ نے جو کچھ پکایا ہے ہمیں بھی عنایت کریں لیکن اس نے کہا کہ وہ کھانا آپ کے کھانے کا نہیں ہے کیونکہ سات یوم سے میں اور میرے اہل وعیال فاقہ کشی میں مبتلا تھے تو میں نے مردہ گدھے کا گوشت پکا لیا ہے۔ یہ سن کر میں خوفِ خداوندی سے لرز گیا اور اپنی تمام جمع شدہ رقم اس کے حوالے کر کے یہ تصور کر لیا کہ ایک مسلمان کی امداد میرے حج کے برابر ہے۔ حضرت عبداللہ نے یہ واقعہ سن کر فرمایا کہ فرشتوں نے خواب میں واقعی سچی بات کہی تھی اور اللہ درحقیقت قضا و قدر کا مالک ہے۔ (تذکرۃ الاولیاء)

۸۴۔ نابینا کو بینائی مل گئی

حضرت عبداللہ بن مبارک کا واقعہ ہے کہ آپ ایک مرتبہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ راستہ میں بعض لوگوں نے ایک نابینا سے کہا کہ عبداللہ بن مبارک تشریف لا رہے ہیں۔ جو کچھ طلب کرنا چاہے طلب کر لے چنانچہ اس نے آپ کو ٹھہرا کر یہ دعا کرنے کی درخواست کی کہ میری بصارت واپس آجائے اور جب آپ نے دعا فرمائی تو فوراً ہی اس کی بصارت واپس آگئی (مرآۃ الاسرار جلد اول ص ۲۷۴)

۸۵۔ تینتیس برس میں آٹھ مسائل کی تحصیل

حضرت حاتم اصم کو جب اپنے مرشد حضرت شفیق بلخی کی خدمت میں رہتے ہوئے ۳۳ برس گزر گئے تو ایک دن حضرت شفیق بلخی نے ان سے پوچھا، حاتم میرے پاس رہتے ہوئے کتنا عرصہ ہو گیا عرض کی ۳۳ برس۔ حضرت شفیق نے فرمایا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اتنی طویل مدت اور صرف آٹھ مسئلے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری عمر رائیگاں گئی۔ حضرت حاتم نے عرض کی کہ اے استادِ محترم میں جھوٹ بولنے سے طبعاً نفرت کرتا ہوں۔ فی الواقع میں صرف آٹھ مسائل ہی حاصل کر سکا۔ حضرت

شفیق نے فرمایا اچھا تو وہ کون سے آٹھ مسائل ہیں، ذرا میں بھی سنوں۔ حضرت حاتم نے عرض کی:۔
پہلا مسئلہ یہ ہے کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ ایک شخص کسی خاص شے کو محبوب رکھتا ہے جو تادمِ مرگ اس کے ساتھ رہتی ہے۔ جب اس کا رشتہ حیات منقطع ہو جاتا ہے تو وہ اپنی محبوب شے سے جدا ہوتا ہے لیکن میں نے حسنات کو اپنا محبوب بنا لیا ہے جو مرنے کے بعد بھی میرے ساتھ رہیں گی۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ میں نے اس آیت وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى پر غور کیا اور اپنے نفس کی خواہشات پر قابو پانے کی عادت ڈالی یہاں تک کہ وہ حق تعالیٰ کی اطاعت میں راسخ ہو گیا۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ ایک دوسرے کی حالت دیکھ کر حسد کرتے ہیں۔ چنانچہ میں نے اس بارے میں حق تعالیٰ سے راہنمائی چاہی تو اس کے کلام میں یہ پایا نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (ہم نے تقسیم کیا ہے لوگوں میں ان کی ضروریاتِ معاش کو) اس حکمِ الٰہی کو میں نے ذہن نشین کر لیا اور حسد سے یکسر کنارہ کش ہو گیا۔ جب قسمت اللہ کے یہاں سے ہے تو پھر خلق سے عداوت کیسی؟

چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ میں نے ہر شخص کو دیکھا کہ وہ کسی نہ کسی چیز پر بھروسہ کرتا ہے کوئی مال پر بھروسہ کرتا ہے کوئی زمین پر کوئی تجارت پر، کوئی ہنر پہ کوئی صحتِ بدنی پر۔ لیکن جب میں نے اللہ کا کلام دیکھا تو اس میں یہ پایا وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہے)

پانچواں مسئلہ یہ ہے کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے حسب و نسب، مال و منال، اور جاہ و منصب پر نازاں ہیں۔ میں نے ان چیزوں پر غور کیا تو بے کار محض معلوم ہوئیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بہتر وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے) چنانچہ میں نے تقویٰ اختیار کیا کہ حق تعالیٰ کے نزدیک بہتر قرار پاؤں۔

چھٹا مسئلہ یہ ہے کہ میں نے لوگوں نے دیکھا کہ ہر شخص روٹی کے ایک ٹکڑے کے لیے اپنے نفس کو ذلیل کرتا ہے اور ایسے ایسے کام کر گزرتا ہے جو ناجائز ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا واضح

ارشاد ہے۔ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ اِلَّا عَلَى اللّٰہِ رِزْقُھَا (کوئی جاندار نہیں جس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہ ہو۔) میں نے یہ یقین کر کے کہ میں بھی اس مخلوق میں شامل ہوں جس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے حصولِ رزق کے لیے ادھر ادھر دوڑنا بھاگنا ترک کر دیا اور حق تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔

ساتواں مسئلہ یہ ہے کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ جس شخص کے پاس کوئی قیمتی چیز ہے وہ اس کو سنبھال سنبھال کر رکھتا ہے اور مقدور بھر اس کی حفاظت کرتا ہے لیکن جب میں نے کلام اللہ کو دیکھا تو اس میں یہ پایا: مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ بَاقٍ (تمھارے پاس جو کچھ ہے وہ سب ختم ہو جائے گا اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی رہے گا) پس اپنی دانست میں جس چیز کو میں نے قیمتی پایا اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف پھیر دیا۔ تاکہ اس کے پاس موجود رہے۔

آٹھواں مسئلہ یہ ہے کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ زمین پر فساد برپا کرتے ہیں اور ایک دوسرے کا گلا کاٹتے ہیں۔ میں نے کلام الٰہی کی طرف رجوع کیا تو اس میں یہ پایا: اِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا ۚ إِنَّمَا يَدْعُو حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ (شیطان تمھارا دشمن ہے اس کو دشمن سمجھو۔ وہ اپنے گروہ کو اس کی طرف بلاتا ہے تاکہ دوزخی ہو جائے۔) چنانچہ میں نے صرف شیطان کو اپنا دشمن سمجھ لیا اور باقی سب مخلوق کی عداوت ترک کر دی۔

حضرت شفیق بلخی نے یہ سنکر فرمایا اے حاتم! اللہ تجھ پر فضل کرے۔ میں نے تمام کتبِ سماوی پر غور کیا تو ان سب کی اصل یہی آٹھ مسئلے ہیں۔ دوسرے سب مسائل انھی آٹھ مسئلوں کی شاخیں ہیں (واقعاتِ صوفیہ ص ۷۳)

۸۶۔ سنتِ نبوی پر عمل کا واقعہ

ایک مرتبہ رَے کے قاضی القضاۃ محمد بن مقاتل بیمار ہو گئے۔ حضرت حاتم اصم بھی اس زمانہ میں رَے گئے ہوئے تھے ان کو خبر ہوئی کہ وہ سنتِ نبوی کی پیروی میں قاضی صاحب کی عیادت

وگئے ان کی قیام گاہ پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک عالیشان محل کے سامنے کھڑے ہیں جس کا دروازہ بہت بلند و بالا ہے اور اس کے پیچھے ایک فراخ ڈیوڑھی ہے۔ حاتم حیران ہو کر بولے اللہ اکبر ایک عالم کے دروازے کا حال ؟ اجازت ملنے پر مکان کے اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک نہایت خوبصورت باغ ہے۔ جس میں جابجا پانی کے فوارے چل رہے ہیں۔ نوکر چاکر ادھر اُدھر دوڑتے پھرتے ہیں۔ مکان کے ہر کمرے کے سامنے قیمتی پردے لٹک رہے ہیں۔ حاتم کی حیرت میں لمحہ بہ لحمہ اضافہ ہوتا جا رہا تھا جب وہ قاضی صاحب کے کمرے میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہ ایک مکلف گدے پر آرام فرما ہیں۔ حاتم کو دیکھ کر مسند پر بیٹھ گئے اور حاتم سے کہا تشریف رکھیئے۔

لیکن حاتم نے سُنی ان سُنی کر دی اور کھڑے رہے۔ قاضی صاحب نے بیٹھنے پر اصرار کیا لیکن وہ انکار کرتے رہے۔ آخر قاضی صاحب نے پوچھا کیا آپ کسی ضرورت سے تشریف لائے ہیں ؟

بولے ہاں !

قاضی صاحب نے کہا "تو فرمایئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں ؟"

حاتم نے کہا "ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں"

قاضی صاحب نے کہا "پوچھیئے"

حاتم : آپ نے علم کن لوگوں سے حاصل کیا ؟

قاضی صاحب : بڑے بڑے معتبر اور فاضل اساتذہ سے۔

حاتم : آپ کے اساتذہ نے کس سے علم حاصل کیا تھا ؟

قاضی صاحب : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ سے۔

حاتم : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس علم کیسے آیا تھا ؟

قاضی صاحب : اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کے ذریعہ آپ کو دیا تھا۔

حاتم : تو میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ کے پاس جو ذخیرہ علم ہے یہ وہی ہے نا جسے آپ کے اساتذہ نے صحابہ کرامؓ سے حاصل کیا اور صحابہ کرامؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا اور حضور نے جبریل علیہ السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے حاصل کیا کیا اس میں کہیں یہ بھی خبر دی گئی ہے کہ اللہ کے نزدیک اسی کا درجہ بلند ہوگا جس کا عالیشان مکان ہو اور اس میں ہر قسم کا سامانِ عیش و تنعم مہیا ہو

قاضی صاحب: نہیں نہیں! میں نے تو ایسی بات نہ سنی ہے اور نہ پڑھی ہے۔

حاتم: اچھا تو پھر آپ کو اس کا علم بھی ہے یا نہیں کہ جو لوگ دنیا کی لذات اور آسائش سے رُخ پھیر کر آخرت کے لیے زادِ راہ اکٹھا کرنے میں مشغول رہیں گے اور غرباء و مساکین سے زیادہ محبت کریں گے اور ہر وقت آئندہ زندگی کو پیشِ نظر رکھیں گے خدا کے نزدیک انھی کا درجہ بلند ہو گا اس کے ساتھ ہی حاتم کو جلال آگیا اور وہ پُرجوش لہجہ میں بولے۔ آپ نے اپنے آپ کو کن لوگوں سے زندگی سے مطمئن کر رکھا ہے سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ سے، حضورؐ کے صحابہؓ کی زندگی سے صلحائے امت کی زندگی سے یا فرعون و ہامان کے انداز کی زندگی سے آپ کے قلب نے اطمینان پایا ہے؟

قاضی صاحب حضرت حاتم کی تقریر سن رہے تھے اور ان پر ایک رنگ آتا تھا ایک جاتا تھا اور فرطِ ندامت سے ان کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے۔ جب حاتم نے تقریر کرتے کرتے فرمایا کہ "اے علمائے سوء! تم جیسے لوگوں کو جب ایک جاہل دنیادار مسلمان دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ جب علماء اس حال میں ہیں تو میرا حال ان سے بُرا نہیں"، تو قاضی صاحب کے ہاتھ سے دامنِ صبر و ضبط چھوٹ گیا اور وہ زار زار رونے لگے پہلے ہی بیمار تھے اب بیماری میں اضافہ ہو گیا۔ ادھر حاتم نے نشتر بر جنم کی اور ان کو اسی حال میں چھوڑ کر گھر سے باہر نکل آئے۔

قاضی محمد بن مقاتل صحت یاب ہوئے تو ان کی طبیعت میں انقلاب آچکا تھا۔ کچھ عرصہ بعد وہ اپنے عہدہ سے استعفیٰ دے کر مکہ معظمہ چلے گئے اور نہایت سادگی سے زندگی گذارنے لگے یہاں تک کہ مکہ معظمہ ہی میں انھوں نے وفات پائی۔ (واقعاتِ صوفیہ ص ۳۵)

۸۷ حضرت سہل تستری اور ایک باخدا رئیس زادی

شیخ سعدیؒ نے اپنی مشہور و معروف تصنیف "مجلس پنجگانہ" میں یہ روایت بیان کی ہے کہ حضرت سہلؒ طبابت کا پیشہ کرتے تھے۔ جب انھوں نے فقر اختیار کیا تو ایک عرصہ تک ریاضات و مجاہدات میں مشغول رہے یہاں تک کہ ان کو کثرت سے رویائے صالح ہونے لگے اور ایک دو مرتبہ کسی معاملہ میں کشف بھی ہوا۔ حضرت سہل کے دل میں یہ خیال گزرا کہ وہ مرتبۂ ولایت پر فائز ہو گئے ہیں۔ ان کا

یہ خیال آہستہ آہستہ تکبر کی حد تک پہنچ گیا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے خاص بندوں کا گمراہ ہونا پسند نہیں ہے چنانچہ حضرت سہل کے دل سے ولایت کا زعم دور کرنے کے لیے ان کو الہام کیا گیا کہ تم خراسان جاؤ وہاں کے ایک رئیس کی بیٹی جنون میں مبتلا ہے اس کا علاج کرو۔ حضرت سہل یہ الہام ہوتے ہی خراسان کے لیے چل پڑے۔ خراسان پہنچ کر انھوں نے لوگوں سے اس رئیس کا پتہ دریافت کیا تو انھوں نے ایک عالیشان محل کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت سہل محل کی طرف گئے تو دیکھا کہ وسیع و عریض قصر ہے جس کے سامنے ایک دلکشا باغ ہے اور اس میں کچھ آدمی گلگشت میں مصروف ہیں۔ حضرت سہل نے ان سے کہا کہ میں طبیب ہوں اور اس رئیس کی دیوانی بیٹی کا علاج کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تم اس رئیس سے میرا تعارف کرادو تو تمھارا احسان ہوگا۔ ان میں سے ایک شخص نے غور سے حضرت سہل کی طرف دیکھا اور کہا میاں! معلوم ہوتا ہے تمھارا دماغ چل گیا ہے۔ آخر موت کو خود دعوت دینے میں کیا تک ہے۔ ذرا اس قصر کی دیوار سے اندر جھانک کر تو دیکھو۔ حضرت سہل نے اس دیوار کی پرلی طرف نظر ڈالی تو بیسیوں کٹے ہوئے سر نظر آئے۔ واپس آکر ان لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ انھوں نے کہا کہ تجھ سے پہلے کئی طبیب آئے جنھوں نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ اس لڑکی کا علاج کریں گے۔ رئیس نے اس شرط پر ان کو اپنی بیٹی کا علاج کرنے کی اجازت دی کہ اگر علاج کامیاب نہ ہوا تو ان کا سر قلم کردیا جائے گا۔ چنانچہ یہ کٹے ہوئے سر انھی طبیبوں کے ہیں جو اپنے تمام نسخے آزمانے کے باوجود علاج میں ناکام رہے۔ اگر تم بھی اپنا سر کٹوانا چاہتے ہو تو ہمیں تعارف کرانے میں کوئی عذر نہیں ہے۔ حضرت سہل نے کہا کہ مجھے سب کچھ منظور ہے۔ بس اس رئیس کے پاس مجھے لے چلو۔ چنانچہ وہ لوگ حضرت سہل کو قصر کے اندر لے گئے اور رئیس سے ان کا تعارف کرایا۔ رئیس اس وقت چند آدمیوں کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا اس نے حضرت سہل کو اشارہ کیا کہ بیٹھ جائیں۔

جب وہ آدمی چلے گئے تو رئیس نے حضرت سہل سے پوچھا کہ آپ یہاں کس مقصد کے لیے آئے ہیں؟ اس کے جواب میں حضرت سہل نے کہا۔ میں نے سنا ہے کہ تمھاری ایک لڑکی ہے جو جنون کے عارضہ میں مبتلا ہے۔ میں اس کے علاج کے لیے آیا ہوں۔ رئیس نے کہا کہ پہلے میرے محل کی دیوار کے اندر تو نگاہ ڈالو۔ اس پر حضرت سہل نے کہا کہ میں نے سب کچھ دیکھ لیا ہے۔ رئیس ان کا جواب سن کر بہت حیران ہوا اور سمجھا کہ یہ کوئی بڑا بلند پایہ طبیب ہے جو پہلے طبیبوں کا حشر دیکھ کر بھی

علاج پر تُلا ہوا ہے۔ چنانچہ اس نے زنان خانے میں پیغام بھیجا کہ شہزادی کو تیار کریں، ایک طبیب اسے دیکھنے آیا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد اندر سے آواز آئی کہ لڑکی طبیب سے ملنے کے لیے تیار ہے۔ چنانچہ رئیس نے حضرت کو اپنے ساتھ لیا اور حرم سرا میں داخل ہوا۔ جب دونوں لڑکی کے کمرے کے قریب پہنچے تو لڑکی نے کنیز کو آواز دی اور کہا کہ میرا نقاب لاؤ تاکہ میں پردہ کر لوں۔ رئیس کو بڑی حیرت ہوئی کہ اس سے پہلے کتنے ہی طبیب آئے لیکن لڑکی نے کسی سے پردہ نہیں کیا۔ اس طبیب میں معلوم نہیں کیا بات ہے کہ لڑکی نقاب کی ضرورت محسوس کر رہی ہے۔ وہ اپنے خیالات کو ضبط نہ کر سکا اور لڑکی کے سامنے ان کا اظہار کر ہی دیا۔ لڑکی نے جواب دیا کہ وہ مرد نہیں تھے۔ مرد یہ ہے جو اب آیا ہے۔ رئیس لڑکی کا جواب سن کر سٹپٹا گیا اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا۔

حضرت سہل لڑکی کے قریب گئے اور سلام علیکم کہا۔ رئیس زادی نے سلام کا جواب دیتے ہوئے پسر خاص کا لفظ استعمال کیا اس نے حضرت سہل سے کہا اے لڑکی تو نے کیسے سمجھا ہے کہ میں پسر خاص ہوں؟ اس پر رئیس زادی نے کہا، جس نے تم کو یہاں بھیجا اس نے مجھ کو بھی متنبہ کر دیا ہے، تمھیں اللہ نے ایسی نعمت سے نوازا ہے جس سے روح کو تسکین ملتی ہے۔ اسی وجہ سے میں خجالت محسوس کر رہی ہوں۔ رئیس یہ گفتگو سن کر عالم تحیر میں کھو گیا اور ساکت و صامت دیکھنے لگا کہ اب کیا ہونا ہے۔ ادھر حضرت سہل سمجھ گئے کہ لڑکی کو جنون نہیں بلکہ کچھ اور شے ہے۔ انھوں نے قرآن حکیم کی ایک آیت پڑھی کہ شاید اس میں علاج ہو اور لڑکی کو سکون میسر ہو جائے۔ رئیس زادی نے جونہی یہ آیت سُنی، غش کھا کر گر پڑی۔ تھوڑی دیر بعد جب ہوش میں آئی تو حضرت سہل نے اس سے مخاطب ہو کر کہا آ کہ تجھے سرزمین اسلام میں لے جاؤں۔

رئیس زادی: سرزمین اسلام میں کیا شے ہے جو یہاں نہیں ہے۔

حضرت سہل: ارضِ اسلام میں کعبہ معظم ہے۔

رئیس زادی: نادان! اگر تو کعبہ کو دیکھے تو اسے پہچان لے گا؟

حضرت سہل: ہاں!

رئیس زادی: میرے سر کے اوپر نگاہ کر۔

حضرت سہل نے اوپر نظر اٹھائی تو ایک عجیب منظر دکھائی دیا۔ ان کی نظر کے سامنے کعبۃ اللہ موجود

تھا جو لڑکی کے سر کے گرد طواف کرتا معلوم ہوتا تھا۔ حضرت سہل یہ نظارہ دیکھ کر ششدر رہ گئے اور پھر بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش میں آئے تو رئیس زادی سے پوچھا کہ تم نے یہ مرتبہ کس طرح حاصل کیا؟

رئیس زادی: نادان! انھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ جو شخص اپنے پاؤں کے ساتھ کعبہ جاتا ہے وہ کعبہ کا طواف کرتا ہے اور جو اپنے دل کے ساتھ کعبہ جاتا ہے کعبہ اس کا طواف کرتا ہے اور تجھے یہ بھی جان لینا چاہیئے کہ تو ابھی خدا سے ایک قدم دور ہے اگر تمھاری خواہش ہو تو میں تمھارے لیے اس راز کو فاش کر دیتی ہوں۔ جلد بتاؤ جاننا چاہتے ہو یا نہیں؟

حضرت سہل: میری جان تم پر قربان! جلد کہو ورنہ میں دیوانہ ہو جاؤں گا۔

رئیس زادی: مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ (جس نے اپنے نفس کو جان لیا اس نے رب کو پہچان لیا)

رئیس زادی کا جواب سن کر حضرت سہل تستری کے سارے حجابات دور ہو گئے اور انھیں معلوم ہو گیا کہ اس دنیا میں اللہ کے بہتیرے ایسے بندے ہیں جو ان سے کہیں بلند مرتبہ پر فائز ہیں۔ چنانچہ ان کے دل سے اپنی ولایت اور بڑائی کا خیال یکسر جاتا رہا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کے ذریعہ ان کو تنبیہ کر کے گمراہ ہونے سے بچا لیا۔ (مجلس پنجگانہ)

۸۸۔ حضرت سہل بن عبداللہ تستری کی کرامت

نمازِ جمعہ سے قبل کوئی بزرگ ملاقات کے لیے آئے تو دیکھا کہ آپ کے نزدیک ایک سانپ کنڈلی مارے ہوئے بیٹھا ہے اور جب وہ بزرگ اجازت لے کر قریب پہنچے تو فرمایا کہ جو حقیقتِ آسمان سے ناواقف ہوتا ہے وہی زمین کی چیزوں سے خوف کھاتا ہے پھر آپ نے ان بزرگ سے پوچھا کہ نمازِ جمعہ کے لیے کیا خیال ہے؟ انھوں نے کہا مسجد جامع تو یہاں سے ۲۴ گھنٹے کی مسافت کے فاصلے پر ہے۔ یہ سن کر آپ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور چشم زدن میں مسجد کے اندر داخل ہو گئے اور نماز کے بعد لوگوں پر نظر ڈالتے ہوئے فرمایا کہ مخلص صاحبِ ایمان تو بہت قلیل ہیں البتہ کلمہ گو بہت زیادہ ہیں۔

(تذکرۃ الاولیاء)

۸۹۔ حضرت سہل کی دُعا کا اثر

عمر دلیث ایک مرتبہ ایسا علیل ہوا کہ اطباء نے جواب دے دیا۔ چنانچہ اس نے عالم یاس میں آپ کو بلا کر دعا کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا کہ دعا اسی کے حق میں اثر انداز ہوتی ہے جو تائب ہو چکا ہو لہٰذا پہلے تم توبہ کر کے قیدیوں کو رہا کر دو اور جب اس نے حکم کی تعمیل کی تو آپ نے دعا کی کہ اے اللہ! جس طرح تو نے اپنی نافرمانی کی ذلت اس کو عطا کی اسی طرح میری عبادت کی عظمت بھی اسے دکھا دے یہ کہتے ہی وہ تندرست ہو کر کھڑا ہو گیا اور بہت سی دولت بطور نذرانہ پیش کرنی چاہی لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ پھر کسی مرید نے راستہ میں عرض کیا کہ اگر آپ نذرانہ قبول کر لیتے تو میں قرض سے سبکدوش ہو جاتا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تجھے زر دیکھنا ہے تو سامنے دیکھ۔ اور جب اس نے نظر اٹھائی تو ہر سمت سونا ہی سونا نظر آیا۔ اور آپ نے فرمایا کہ خدا نے جس کو یہ مرتبہ عطا کیا ہو اس کو دولت کی تمنا کیسے ہو سکتی ہے۔ (تذکرۃ الاولیاء)

۹۰۔ حضرت سہل کی ایک خدارسیدہ عورت سے ملاقات

ایک مرتبہ بیابان میں آپ کو ایک بہت ہی بدحال بڑھیا ملی۔ چنانچہ جب آپ نے اس کی اعانت کرنی چاہی تو اس نے ہاتھ اٹھا کر مٹھی بند کر لی اور جب مٹھی کھولی تو اس میں سونا تھا۔ پھر اس نے آپ سے کہا کہ تم تو جیب سے رقم نکالتے ہو لیکن مجھے غیب سے ملتی ہے اور یہ کہہ کر اچانک غائب ہو گئی۔ اور جب آپ نے بیت اللہ پہنچ کر طواف کرنا شروع کیا تو دورانِ طواف دیکھا کہ کعبہ خود اس بڑھیا کا طواف کر رہا ہے اور جب آپ اس کے نزدیک ہوئے تو اس نے کہا کہ جو اختیاری طور پر یہاں پہنچتا ہے اس کے لیے طوافِ کعبہ ضروری ہے لیکن جو اضطراری عالم میں آتے ہیں کعبہ خود ان کا طواف کرتا ہے۔ (تذکرۃ الاولیاء)

۹۱۔ ایک عورت کی توبہ کا واقعہ

حضرت معروف کرخی دجلہ کے کنارے پر وضو کے لیے تشریف لے گئے۔ اپنا قرآن شریف اور کپڑا

دریا کے کنارے پر رکھا۔ ایک عورت آئی، قرآن شریف اور کپڑا اٹھا کر لے چلی۔ حضرت بھی اس کے پیچھے گئے اور اسے ایک تنہا جگہ پر جا پکڑا تا کہ اس کی ہتک نہ ہو۔ اور فرمایا تو مت ڈر، اے عورت! میں معروف کرخی ہوں، اے بہن! تیرا کوئی بیٹا ہے جو قرآن پڑھے؟ اس نے کہا نہیں۔ حضرت نے دوبارہ دریافت فرمایا کیا تیرا کوئی خاوند ہے؟ عورت نے جواب دیا نہیں۔ حضرت نے فرمایا تیرا کوئی بھائی ہے؟ اس نے کہا نہیں حضرت نے فرمایا تو تو قرآن شریف مجھے دے دے اور کپڑا تیرا ہے تجھے حلال ہے، دنیا و آخرت میں تجھ پر میری طرف سے کوئی گرفت نہیں۔ اس بات سے عورت بہت شرمندہ ہوئی اور کہا میں اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتی ہوں، پھر کبھی ایسا نہ کروں گی۔ حضرت اس کی توبہ سے بہت خوش ہوئے اور اس کے واسطے دعا فرمائی اور دونوں اپنے اپنے راستے پر روانہ ہوئے۔ (تذکرۃ الاولیاء ص ۱۵۰)

۹۲۔ بھوک اور صبر کا صلہ

حضرت معروف کرخی سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے جنگل میں ایک خوبصورت نوجوان دیکھا ان کی خوبصورت زلفیں تھیں اور سر پہ ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے اور بدن پر کتان کا ایک کرتہ تھا۔ اور پاؤں میں تسمہ دار جوتا تھا۔ میں اسے دیکھ کر متعجب ہوا۔ ایسے جنگل میں اس کا یہ لباس تھا۔ میں نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اس نے کہا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ چچا صاحب۔ میں نے پوچھا اے جوان! تو کہاں کا رہنے والا ہے؟ کہا دمشق کا رہنے والا ہوں۔ میں نے کہا، کب سے وہاں سے نکلے ہو؟ کہا آج ہی چاشت کے وقت ہے۔ مجھے تعجب ہوا کیونکہ اس جگہ سے جہاں میں نے اسے دیکھا تھا دمشق کئی منزل پہ تھا۔ میں نے کہا، کہاں جاؤ گے؟ کہا مکہ معظمہ کو انشاء اللہ تعالیٰ، میں سمجھ گیا کہ وہ اٹھایا ہوا جا رہا ہے اور اسے رخصت کر کے چلا گیا۔ تین سال تک میں نے اسے نہ دیکھا ایک دن میں اپنے گھر میں بیٹھا اس شخص کے معاملے میں فکر کرتا تھا کہ نہ معلوم میرے جدا ہونے کے بعد اس کا کیا حال ہوا۔ تو ناگاہ دروازہ پر دستک دینے کی آواز آئی۔ میں نکل آیا تو وہی شخص تھا۔ میں نے سلام کیا اور اس کو گھر لے آیا اس وقت وہ شخص ننگے سر اور ننگے پاؤں تھا اور بدن پر کمل کا کرتا تھا میں نے پوچھا کیا خبر ہے؟ کہا اے استاد! مجھے اپنے فعل اور معاملے کی اللہ تعالیٰ اطلاع نہیں کرتے ہیں، کبھی میرے ساتھ ملاطفت اور نرمی ہے، کبھی مجھ پر اپنی ہیبت طاری کرتے ہیں، کبھی مجھ کو بھوکا

رکھتے ہیں کبھی کھلاتے ہیں، کاش مجھ کو اپنے اولیاء کے اسرار پر مطلع فرماتے، پھر جو چاہتے کرتے اور بہت روئے۔ حضرت معروف کرخی فرماتے ہیں کہ اس کی باتوں سے مجھے بھی رونا آیا اور میں نے کہا میرے بعد تم پر کیا ماجرا گزرا کچھ بیان کرو۔ کہا افسوس اسے ظاہر کر دوں وہ چاہتا ہے کہ پوشیدہ رکھوں۔ ہاں پہلا کام جو میرے ساتھ میرے مولا و مالک نے کیا وہ یہ ہے کہ مجھے تیس دن تک بھوکا رکھا۔ اس کے بعد میں ایک کھیرے کے کھیت پر ایک گاؤں میں پہنچا، دیکھا تو خراب کھیرے کھیت میں سے چن کر پھینکے گئے تھے میں ان میں سے چن چن کر کھا رہا تھا۔ اتنے میں کھیت کا مالک آیا اور ایک کوڑا لے کر میری پشت پر مارنے لگا اور کہتا جاتا تھا اے چور! تیرے سوا کھیت کو کسی نے خراب نہیں کیا ہے۔ میں کئی روز سے تیری تلاش میں ہوں اب میں نے تجھے پکڑ لیا ہے۔ وہ مجھے مار رہا تھا کہ اتنے میں ایک سوار گھوڑا دوڑاتا ہوا اس کے سر پر آپہنچا اور کوڑا اس کے ہاتھ سے چھین کر کہا کہ اولیاء اللہ پر حملہ کرتا ہے اور انھیں مار کر ان کی اہانت کرتا ہے اور انھیں چور کہتا ہے۔ جب کھیت والے نے یہ حال دیکھا تو میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گیا اور جتنی خاطر اور عزت ممکن تھی سب اس نے میرے ساتھ کی اور معافی چاہی۔ جبکہ میں اس کے پاس چور سے ولی بن گیا، اتنا جملہ کہنے پائے تھے کہ دروازہ کے ٹھوکنے کی آواز آئی اور وہی کھیت والا آیا اپنا سارا مال فقراء پر تقسیم کر دیا۔ وہ شخص بڑا مالدار تھا اور اس جوان کے ساتھ ہولیا۔ دونوں حج کو گئے اور جنگل میں دونوں نے وفات پائی۔ (نزہتہ البساتین)

۹۳۔ حضرت سری سقطی سے ایک عارفہ کی باتیں

حضرت سری سقطی فرماتے ہیں کہ ایک شب مجھ کو نیند نہ آئی نہایت درجہ بے چین ہوا۔ میں آنکھ تک نہ بند کر سکا۔ باوجودیکہ اس شب کو تہجد سے بھی محروم رہا۔ جب فجر کی نماز پڑھ چکا تو گھر سے نکلا کسی طرح مجھ کو قرار نہ تھا۔ پھر میں جامع مسجد میں ٹھہر گیا۔ ایک واعظ کا وعظ سننے لگا تا کہ کچھ دل کو راحت ہو۔ میں نے اپنے دل کو پایا کہ سختی اس کی بڑھتی جاتی ہے میں وہاں سے چل دیا۔ دوسرے واعظ کے پاس ٹھہرا وہاں بھی دل کا اضطراب نہ کم ہوا۔ پھر میں نے اپنے جی سے کہا دل کے طبیبوں کے پاس جاؤں اور جو لوگ محب کو محبوب کی راہ بتلاتے ہیں ان سے ملوں۔ پھر بھی میرے دل کو قرار نہ ہوا اور سختی بڑھتی گئی پھر میں نے کہا اب میں کوتوالی میں جاؤں۔ وہاں لوگوں کو سزا پاتے دیکھ کر شاید

کچھ عبرت ہو۔ مگر وہاں بھی دل کی سختی کم نہ ہوئی۔ پھر میں نے کہا چلوں قید خانے کو، شاید ان لوگوں کو جو مبتلائے عذاب ہیں دیکھ کر دل ڈرے۔ جب میں قید خانہ میں داخل ہوا اپنے دل کو پایا کھل گیا اور میرا سینہ کشادہ ہوا۔ ایک لونڈی خوبصورت قیمتی اوڑھنی اوڑھے نظر آئی اس کے پاس سے عطر کی خوشبو آتی تھی۔ پاک نظر نیک دل تھی۔ ہاتھوں میں ہتھکڑی، پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ جب مجھ کو دیکھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور شعر پڑھے جن کا مطلب یہ ہے کہ میں تجھ سے پناہ مانگتی ہوں کہ بغیر گناہ کیے میرے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال کر گردن میں لٹکا دی۔ اور ان ہاتھوں نے نہ کبھی خیانت کی نہ چوری کی۔ میرے پہلو میں جگر ہے میں جانتی ہوں وہ جل گیا قسم تیرے حق کی اے دل کی مراد میں سچی قسم کھاتی ہوں اگر تو میرے دل کے ٹکڑے کر ڈالے تیرے حق کی قسم ہے کبھی تجھ سے نہ پھرے گا۔ شیخ سری فرماتے ہیں کہ میں نے داروغہ سے دریافت کیا کہ یہ کون ہے؟ کہا لونڈی ہے۔ دیوانی ہوگئی ہے اس کے مالک نے یہاں قید کیا ہے تاکہ درست ہو جائے۔ جب اس لونڈی نے داروغہ کا کلام سنا اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔ شیخ سری فرماتے ہیں میں نے اس سے وہ باتیں سنیں جنھوں نے مجھے بے چین کر دیا۔ مجھ کو غم دیا، جلایا، رلایا۔ جب لونڈی نے میرے آنسو دیکھے، کہا اے سری! یہ تمھارا رونا اس کی صفت سن کر ہے کیا حال ہو اگر تم اس کو پہچان لو۔ پھر ایک ساعت وہ بیہوش رہی۔ جب ہوش آیا میں نے کہا اے لونڈی! جواب دیا لبیک اے سری! میں نے کہا مجھ کو تم نے کیسے پہچانا؟ کہا جب سے مجھ کو معرفت حاصل ہوئی جاہل نہیں رہی، اور جب سے خدمت کی سُست نہ ہوئی۔ اور جب سے وصل ہوا جدا نہ ہوئی اور درجے والے ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں۔ میں نے کہا تجھ سے سنا کہ تو محبت کرتی ہے تیرا دوست کون ہے؟ کہا جس نے اپنے محبوب کے ساتھ مجھ کو معرفت دی اور اپنی بڑی عطا کے ساتھ سخاوت کی۔ وہ دلوں کے پاس ہے۔ محبوب کے طلبگار کا دوست ہے۔ سنتا ہے جانتا ہے، پیدا کرنے والا، حکمت والا، سخی، کریم، بخشنے والا، رحیم ہے۔ میں نے پوچھا یہاں تجھ کو کس نے قید کیا، کہا حاسدوں نے باہم مدد کی اور قول و قرار کیا۔ پھر وہ باآواز بلند چلائی، اور بیہوش ہوگئی۔ میں نے خیال کیا کہ اس نے زندگی ختم کر لی۔ پھر وہ ہوش میں آئی۔ شیخ سری فرماتے ہیں کہ میں نے قید خانہ کے داروغہ سے کہا اس کو چھوڑ دو۔ اس نے چھوڑ دیا۔ میں نے کہا جہاں تیرا دل چاہے چلی جا۔ کہا اے سری! میں کہاں جاؤں مجھے چھوڑ کر میرا کہاں راستہ ہے۔ میرے دل کے

دوست نے اپنے مملوک کو میرا مالک بنا دیا۔ اگر میرا مالک راضی ہو گا چلی جاؤں گی ورنہ صبر کروں گی۔ میں نے کہا خدا کی قسم! یہ تو مجھ سے زیادہ عقلمند ہے۔ میں اسی حال میں اس سے باتیں کر رہا تھا کہ اس کا مالک آ گیا۔ داروغہ سے پوچھا، تحفہ اس کی لونڈی کہاں ہے؟ کہا اندر ہے اور اس کے پاس شیخ سری سقطی رح بیٹھے ہیں۔ مالک یہ سن کر بہت خوش ہوا۔ اندر آیا اور مجھ کو مرحبا کہا اور میری تعظیم کی۔ میں نے کہا یہ لونڈی بہ نسبت میرے تعظیم کی زیادہ مستحق ہے۔ اس کی کیا حرکت تجھ کو ناپسند ہے۔ کہا بہت سی باتیں ہیں نہ کھائے نہ پیئے مے عقل، نہ خود سوئے، نہ ہم کو سونے دے۔ ہر وقت متفکر رہتی ہے۔ ذرا سی بات پر فوراً رو دے۔ آہ و نالے سے کام ہے، سدا رویا کرتی ہے اور یہی میری پونجی ہے۔ میں نے اپنا تمام مال بیس ہزار درہم دے کر اس کو مول لیا اور امید تھی کہ نفع حاصل ہو گا کیونکہ حسن و جمال کے علاوہ یہ اور کام بھی جانتی ہے۔ میں نے کہا اور کام کیا کرتی ہے۔ کہا گانا جانتی ہے۔ میں نے پوچھا کتنی مدت سے یہ مرض اس کو ہے؟ کہا ایک برس سے۔ میں نے کہا ابتدا کیسے ہوئی۔ کہا ایک مرتبہ عود لیے گا رہی تھی دفعتہً عود توڑ کر کھڑی ہو گئی اور رونے چلانے لگی۔ میں نے اس کو انسان کی محبت کی تہمت لگائی۔ میں نے اس کی تحقیقات کی مگر کچھ علامت و نشان نہ پایا۔ میں نے لونڈی سے پوچھا کیا ایسا ہی معاملہ ہے؟ لونڈی نے زبان تیز اور جلے دل سے جواب دیا، میرے دل سے خدا نے مجھ کو خطاب کیا۔ میرا وعظ میری زبان پر تھا، مجھ کو بعد دوری کے قریب کیا اور مجھ کو خدا نے خاص منتخب کیا۔ جب میں برضا و رغبت بلائی گئی۔ میں نے قبول کیا اور لبیک اپنے بلانے والے کے جواب میں کہی۔ جو کچھ گناہ مجھ سے سابق میں ہوئے تھے میں ان سے ڈری مگر محبت نے خوف دفع کر کے آرزوؤں میں ڈال دیا۔ شیخ سری سقطی فرماتے ہیں میں نے اس کے مالک سے کہا میرے ذمہ اس کی قیمت ہے اور میں زیادہ دوں گا مالک چلایا اور کہا، ہائے محتاج تیرا برا ہو تم تو ایک مرد فقیر ہو اس کی قیمت کہاں پاؤ گے۔ میں نے کہا جلدی نہ کرو تم یہیں رہو میں اس کی قیمت لاتا ہوں۔ پھر وہاں سے چل دیا، غمگین روتا ہوا۔ قسم خدا کی میرے پاس لونڈی کی قیمت ایک درہم بھی نہ تھا۔ تمام رات خدا کی درگاہ میں روتا، خوشامد عاجزی کرتا رہا اور اس سے دعا مانگتا تھا، تمام رات آنکھ نہ جھپکی اور کہتا تھا خداوندا تو ظاہر و باطن خوب جانتا ہے۔ میں نے تیرے فضل پر اعتماد کیا۔ مجھ کو فضیحت نہ کرنا۔ اس لونڈی کے مالک کے روبرو شرمندہ نہ ہوں۔ اسی حال میں عبادت خانہ میں بیٹھا ہوا دعا مانگ رہا تھا کہ ایک شخص نے دروازہ کھٹکھٹایا

میں نے کہا دروازہ میں کون ہے؟ کہا دوستوں میں سے ایک دوست ہے، کسی سبب سے یہاں آیا
ہے۔ خدائے مہربان کا حکم اس کو یہاں لایا ہے۔ میں نے دروازہ کھولا۔ ایک شخص چار غلام اس کے ہمراہ
شمع لیے، پھر اس آنے والے نے کہا اے استاد! مجھ کو اندر آنے کی اجازت ہے؟ میں نے کہا آؤ۔ وہ
شخص اندر آیا۔ میں نے پوچھا تم کون ہو؟ کہا احمد بن مثنیٰ ہوں۔ مجھ کو ایسے شخص نے دیا ہے کہ وہ دیتے وقت
بخل نہیں کرتا۔ میں آج کی رات سو رہا تھا، ہاتفِ غیبی نے پکار کر کہا پانچ توڑے اشرفیاں سری کے پاس
لے جاؤ ان کا دل خوش ہو اور وہ تحفہ کو خرید لیں کیونکہ ہم کو تحفہ کے حال پر مہربانی ہے۔ میں نے خدا کے
شکر میں سجدہ کیا کہ اس نے مجھے یہ نعمت عطا کی اور فجر کا انتظار کرنے لگا۔ جب صبح کی نماز ادا کی، احمد کا
ہاتھ پکڑ کر قید خانہ میں لے گیا۔ لونڈی کا محافظ دائیں بائیں دیکھ رہا تھا۔ مجھ کو دیکھ کر کہا مرحبا آئیے۔ خدا اس
لونڈی پر مہربان ہے۔ رات کو ہاتف نے مجھ کو پکار کر کہا ہے۔ شیخ سری سقطی فرماتے ہیں تحفہ نے جب ہم کو
دیکھا اس کے آنسو ڈبڈبا آئے اور کہا تم نے مجھ کو سب لوگوں میں مشہور کر دیا۔ اسی حال میں تحفہ کا مولیٰ
آگیا، روتا ہوا، دل غمگین، رنگ فق۔ میں نے کہا مت روؤ، جس قدر قیمت تم نے دی ہے میں لایا ہوں
اور پانچ ہزار نفع دوں گا۔ اس نے کہا نہیں خدا کی قسم! میں نے کہا دس ہزار نفع لو۔ کہا نہیں خدا کی قسم
نہیں لوں گا۔ میں نے کہا قیمت کے برابر نفع لو، کہا اگر تم تمام دنیا اس کے عوض دو گے نہ قبول کرونگا۔
تحفہ خدا کے واسطے آزاد ہے۔ میں نے کہا کیا حال ہے، کہا رات کو مجھے سخت تنبیہ اور جھڑکی دی
گئی ہے۔ میں تمام حال چھوڑ کر خدا کی طرف بھاگا ہوں۔ خدایا تو کشائش کے ساتھ میرا کفیل ہو اور میرے
رزق کا ضامن۔ پھر میری طرف ابن مثنیٰ متوجہ ہوا۔ میں نے دیکھا وہ رو رہا تھا۔ میں نے کہا تم کیوں روتے
ہو؟ کہا خداوند تعالیٰ نے جس کام کے لیے مجھ کو بلایا اس سے راضی نہیں ہوا۔ تم گواہ رہو، میں نے اپنا تمام
مال خدا کی راہ میں خیرات کر دیا۔ میں نے کہا تحفہ کیا بڑی صاحبِ برکت ہے۔ تحفہ کھڑی ہوئی جو کپڑے
پہنے تھی اتار کر پھینک دیے اور ایک کرتا بالوں کا پہن لیا اور روتی ہوئی نکل کھڑی ہوئی۔ ہم لوگوں نے
اس سے کہا خدا نے تم کو آزاد کر دیا پھر کیوں روتی ہو۔ پھر ہم قید خانہ کے دروازے سے نکلے اثنائے راہ
میں تحفہ کو تلاش کیا اپنے ہمراہ نہ پایا۔ ابن مثنیٰ راستے میں مر گئے۔ میں اور تحفہ کا مولیٰ مکہ معظمہ میں داخل
ہوئے۔ ایک دن میں طواف کر رہا تھا، کسی زخمی دل سے کلام مجروح سنا وہ کلام یہ ہے: خدا کا دوست
دنیا سے بیمار ہے اس کا مرض دراز ہے، اسی کی دوا خود مرض ہے۔ اس کو شرابِ محبت کا پیالہ پلا دیا

اور خوب پلا کر سیر کر دیا پھر تو وہ دوست اس کی محبت میں حیران ہو کر اسی کی طرف متوجہ ہوا، بجز اس کے دوسرا محبوب نہیں چاہتا۔ یہی حال اس کا ہے جو پیالۂ شوقِ خدا کی طرف بلایا جائے اس کی محبت میں حیران رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا دیدار نصیب ہو۔ پھر میں اس آواز کی جانب گیا اس نے جب مجھے دیکھا کہا اے سری! میں نے کہا لبیک، تم کون ہو؟ خدا تم پر رحم کرے! کہا لا الٰہ الا اللّٰہ بعد معرفت کے انجان ہو گئے میں تحفہ ہوں۔ وہ اس وقت بالکل ضعیف و ناتوان تھی جیسے کسی کا خیال دل میں گزرے اس طرح وہ نظر آتی تھی۔ میں نے کہا اے تحفہ! جب سے تم خلقِ خدا سے جُدا ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف مائل ہوئی، خدا سے تم کو کیا فائدہ حاصل ہوا، کہا اپنے قرب سے اُنس دیا، غیر سے مجھ کو وحشت دی۔ پھر میں نے کہا ابن مثنیٰ مر گئے، کہا خدا ان پر رحم فرمائے۔ میرے مولا نے ان کو وہ کرامات عطا کیے ہیں کہ جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سُنا۔ جنت میں ان کی جگہ میرے پڑوس میں ہے۔ پھر میں نے کہا تمہارا مالک جس نے تمہیں آزاد کیا ہے میرے ساتھ ہے۔ یہ سن کر تحفہ نے کچھ دعا مخفی مانگی۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے تحفہ کعبہ کے روبرو مُردہ نظر آئی۔ جب اس کے مالک نے اسے مُردہ دیکھا تو اپنے کو سنبھال نہ سکا۔ منہ کے بل گر پڑا۔ میں نے پاس جا کر ہلایا وہ بھی دنیا سے کوچ کر چکا تھا پھر میں نے دونوں کے غسل و کفن سے فراغت کر کے دونوں کو دفن کر دیا۔ ان پر خدا کی رحمت ہو۔ (نزہۃ البساتین)

۹۴۔ محبّت کا صحیح مفہوم

حضرت جنید بغدادی سے روایت ہے کہ جب حضرت سری سقطی نے مجھ سے محبت کا مفہوم دریافت کیا تو میں نے کہا کہ بعض حضرات موافقت کو اور بعض اشارت کو محبت سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ سن کر آپ نے اپنے ہاتھ کی کھال کھینچ کر اوپر اٹھانا چاہا تو وہ اپنی جگہ چمٹی رہی، اس وقت آپ نے فرمایا کہ اگر میں یہ دعویٰ کروں کہ صرف محبت ہی کی وجہ سے میری کھال خشک ہو گئی تو میں اپنے دعویٰ میں حق بجانب ہوں گا اور یہ فرماتے ہی بیہوش ہو گئے لیکن آپ کا روئے مبارک مہر درخشاں کی طرح دمک رہا تھا۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ محبت بندے کو ایسا کر دیتی ہے کہ شمشیر و سناں کی اذیت بھی اس کو محسوس نہیں ہوتی اور اس سے پہلے میں بھی محبت کی حقیقت سے ناآشنا تھا۔ لیکن خدا نے جب آگاہ فرما دیا تب مجھے محبت کا صحیح مفہوم معلوم ہوا۔ (تذکرۃ الاولیاء)

۹۵۔ حضرت سری سقطیؒ کی دُعا سے حصُولِ معرفت

جب آپ کو یہ علم ہو جاتا کہ لوگ میرے پاس حصولِ تعلیم کی غرض سے آرہے ہیں تو آپ دعا کرتے کہ اے اللہ ان کو وہ تعلیم عطا کر دے جس میں میری احتیاج ہی باقی نہ رہے اور مجھے یہ لوگ تیری عبادت سے غافل نہ کر سکیں۔ ایک شخص مکمل تیس سال سے عبادات و مجاہدات میں سرگرم عمل تھا اور لوگوں نے جب اس سے پوچھا کہ تمہیں یہ درجہ کیسے ملا، تو جواب دیا کہ میں نے ایک روز حضرت سری سقطی کے دروازے پر جا کر جب انہیں آواز دی تو پوچھا کہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا کہ آپ کا ایک شناسا۔ یہ سن کر آپ نے یہ دعا دی کہ اے اللہ! اس کو ایسا بنا دے کہ تیرے سوا کسی سے شناسائی نہ رہے۔ چنانچہ اسی دن سے مجھے مراتب حاصل ہونے شروع ہو گئے اور آج معرفت کے اس درجہ تک پہنچ گیا۔ (تذکرۃ الاولیاء)

۹۶۔ عجب طریقے کا ایثار

حضرت سری سقطی بہت منہ بنا کر سلام کا جواب دیا کرتے تھے اور جب وجہ پوچھی گئی تو فرمایا کہ جو کسی کو سلام کرتا ہے اس پر خدا کی طرف سے سو رحمتیں نازل ہوتی ہیں جس میں نوے رحمتیں اس کو ملتی ہیں جو دونوں میں سے خندہ پیشانی سے پیش آتا ہے لہذا میں منہ بنا کر اس لیے جواب دیتا ہوں کہ مجھ سے زائد رحمتیں سلام کرنے والے کو حاصل ہو جائیں۔ (تذکرۃ الاولیاء)

۹۷۔ ایک بندے کی موت کا قصہ

حضرت سری سقطی فرماتے ہیں کہ ایک روز مدینہ منورہ کی جامع مسجد میں بیٹھا ہوا میں کچھ باتیں کر رہا تھا کہ ایک نوجوان خوبصورت لباسِ فاخرہ پہنے ہوئے آیا اور ساتھ میں اس کے چند یار دوست تھے۔ میں نے وعظ کہا اور وعظ میں یہ بھی بیان کیا کہ بڑے تعجب اور افسوس کی بات ہے کہ ضعیف، قوی کی نافرمانی کرتا ہے۔ یہ سنتے ہی اس کا رنگ زرد ہو گیا اور اسی وقت وہ چلا گیا۔ پھر اگلے روز آکر اوّل سلام علیک کی اور پھر دو رکعت نفل پڑھ کر میری مجلس میں بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ اے سری! میں نے کل تم سے یہ سنا تھا کہ تم نے کہا تھا کہ "ضعیف، قوی کی نافرمانی کرتا ہے" تو اس کا مطلب کیا ہے؟ میں

نے کہا مولیٰ (یعنی خداوندِ کریم) سے زیادہ کوئی قوی نہیں اور بندے سے زیادہ کوئی ضعیف نہیں۔ لیکن یہ پھر بھی اس کی نافرمانی کیسے چاہتا ہے۔ یہ سن کر وہ اس روز تو چلا گیا، اگلے روز آیا تو فقط دو سفید کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ دوستوں میں سے بھی کوئی ساتھ نہ تھا، مجھ سے پوچھا کہ اللہ کے پاس پہنچنے کا کون سا راستہ ہے؟ میں نے کہا اگر تم عبادت کرنا چاہتے ہو تو دن کو روزے رکھو اور راتوں کو نماز پڑھو اور اگر محض اللہ کو چاہتے ہو تو اس کے سوا ہر چیز کو چھوڑ دو اور مسجدوں یا ویران جگہ یا قبرستان میں رہا کرو چنانچہ وہ یہ کہتا ہوا کھڑا ہو گیا کہ قسم ہے خدا کی! میں مشکل ہی سے رستہ کو طے کروں گا، تھوڑے دنوں کے بعد میرے پاس چند لڑکے آئے اور پوچھنے لگے احمد یزید کاتب کو کیا ہو گیا۔ میں نے کہا میں تو اس کو جانتا بھی نہیں ہوں۔ ہاں ایک ایسی ایسی صفت کا آدمی میرے پاس آیا تھا (نہ معلوم کون تھا) اور ایسی ایسی چند باتیں مجھ سے پوچھ کر چلا گیا۔ اب اس کا حال مجھے بھی معلوم نہیں (کہ کہاں ہے) کہا اچھا۔ ہم تمہیں اللہ کی قسم دے جاتے ہیں کہ جب تمہیں اس کا حال معلوم ہو ہمیں ضرور خبر کر دینا اس کے بعد ایک سال تک مجھے اس کی بالکل خبر نہ لگی۔ ایک روز عشاء کی نماز کے بعد میں اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا کہ یکایک کسی نے دروازہ کی کنڈی کھٹکھٹائی۔ میں نے اندر آنے کے لیے پکارا تو وہی جوان آنکلا اور میری پیشانی پر بوسہ دے کر کہا اے سری! جیسا اللہ نے دنیا کی غلامی سے مجھے آزاد کر دیا ہے ایسا ہی ہمیں دوزخ کی آگ سے آزاد کر دے۔ میں نے اسے دیکھ کر اپنے ایک دوست کو اشارہ کر دیا کہ اب ان کے گھر جا کر ان کو خبر کر آؤ (کہ تمہارا آدمی آگیا ہے) وہ اسی وقت گیا۔ اس کے جاتے ہی اس کی بیوی بال بچوں کو لیے ہوئے آئی اس کا ایک بچہ زیور وغیرہ پہنے ہوئے تھا۔ اس بچہ کو اس کی گود میں ڈال کر کہنے لگی کہ اے میاں! تم نے اپنے جیتے جی ہی مجھے رانڈ بنا دیا۔ اور ان بچوں کو بھی یتیم کر دیا۔ اس جوان نے میری طرف دیکھا اور کہا اے سری! تم نے یہ کیا بیوفائی کی۔ پھر بیوی بچوں سے کہا کہ قسم ہے خدا کی بیشک تم میرے دل کے پھل اور میرے دلی محبوب اور پیارے ہو۔ میری اولاد مجھے تمام مخلوق سے زیادہ پیاری ہے لیکن کیا کروں۔ اس سری رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ اگر تم اللہ کو راضی رکھنا چاہتے ہو تو اس کے سوا تمام اشیاء سے قطع تعلق کر لو۔ یہ کہہ کر بچہ پر جو زیور وغیرہ تھا اتار لیا اور بیوی سے کہا کہ یہ زیور وغیرہ تو بھوکوں ننگوں کو دے دو اور میری کملی میں سے تھوڑا سا پھاڑ کر اس کے بدن پر ڈال دو۔ بیوی نے کہا۔ اللہ کی قسم! میں اپنے بچہ کو ایسی حالت میں دیکھنا نہیں چاہتی اور بچہ کو

اس سے چھین لیا۔ جب جوان نے دیکھا کہ اس کی بیوی نے مجھ سے منہ چڑھالیا ہے، فوراً کھڑا ہو گیا اور
کہنے لگا کہ اس رات کو تم نے مجھے اپنے اللہ کی یاد بھی نہ کرنے دی۔ پھر اسی وقت نکل کر چل دیا اور گھر
میں رونے پیٹنے کا شور مچ گیا پھر اس کی بیوی (چلاتے ہوئے) کہہ گئی کہ اگر اب کے پھر آئے یا تم
کہیں خبر سنو تو مجھے ضرور اطلاع کر دینا۔ میں نے کہا انشاء اللہ تعالیٰ (اگر کہیں معلوم ہوا تو خبر کرا دوں گا)
ایک عرصہ دراز کے بعد ایک بڑھیا میرے پاس آئی اور کہا اے سری! مقام شونیزیہ میں ایک لڑکا
حضور کو پوچھتا تھا۔ میں گیا تو وہی جوان پڑا ہوا تھا، سر کے نیچے ایک کچی اینٹ رکھی ہوئی تھی۔ میں نے
سلام علیک کی۔ بس کہ فوراً آنکھیں کھول دیں اور کہنے لگا اے سری تمھارا کیا خیال ہے کہا (اللہ
کے ہاں) میری خطائیں معاف ہو جائیں گی۔ میں نے کہا ہاں۔ کہا کیا میرے جیسوں کی بھی مغفرت ہو
جاتی ہے؟ میں نے کہا ہاں! کہا میں تو گناہوں میں غرق ہوں۔ میں نے کہا وہ غرق ہونے والوں کو
بھی بچا دیتا ہے، کہا میرے ذمہ بہت ظلم اور لوگوں کے حق ہیں۔ میں نے کہا حدیث شریف میں یہ
آیا ہے کہ خود جس نے توبہ کر لی، قیامت کے دن اسے اور اس کے حقداروں کو بلایا جائے گا اور
انھیں یہ حکم ہو گا کہ تم اسے چھوڑ دو اور اس کی طرف سے اللہ معاوضہ دے گا۔ پھر اس نے کہا اے سری
سقطی! میرے پاس کچھ گٹھلیوں کی بکری کے چند درہم ہیں، جس وقت میں مر جاؤں تو جس چیز کی
میرے واسطے ضرورت ہو اسی میں سے خرید کر کفن دفن کر دینا اور نہ میرے گھر والوں کو خبر نہ کرنا ورنہ
وہ حرام کی کمائی میں سے میرا کفن خرید کر میرا کفن بدل دیں گے۔ میں اس کے پاس تھوڑی دیر بیٹھا رہا
اس نے آنکھیں کھولے رکھیں اور یہ پڑھا لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ (یعنی عمل کرنیوالوں
کو ایسے ہی اجر کے لیے عمل کرنے چاہئیں) پھر مر گیا۔ میں نے وہ درہم لیے اور جب جس چیز کی ضرورت
تھی خریدنے گیا ابھی واپس آ رہا تھا میں نے دیکھا کہ لوگ گھبرائے آ رہے ہیں، میں نے کہا خیر تو ہے؟
کہا ایک ولی اللہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ ہم اس کے جنازے کی نماز پڑھنے جا رہے ہیں۔ خیر میں نے
آ کر اسے غسل دیا اور ہم سب نے نماز پڑھ کر دفن کر دیا۔ ایک مدت دراز کے بعد اس کے گھر والے
خبر لینے کو میرے پاس آئے۔ میں نے اس کا مرنا ان پر ظاہر کر دیا، اسی وقت اس کی بیوی رونے پیٹنے
لگی میں نے اس کا سارا حال اس سے بیان کیا۔ کہا خیر مجھے اس کی قبر دکھلا دو۔ اس پر مجھے اندیشہ
ہوا کہ کہیں اب یہ (اس) کا کفن نہ بدل دیں (اور اس پر بھی یہ بات ظاہر کر دی) اس نے کہا واللہ! ایسا

نہیں ہوگا۔ (آپ اطمینان رکھیں) خیر میں نے اسے قبر دکھا دی پھر اس نے دو گواہ بلوائے اور ان کے روبرو اپنی سب لونڈیاں آزاد کر دیں اور زمین وقف اور مال خیرات کر دیا اور اپنے مرتے تک اس قبر کو نہ چھوڑا۔ آخر وہیں انتقال ہو گیا۔ (نزہتہ البساتین)

۹۸۔ روحانی مدد سے حج پر پہنچنے کا واقعہ

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت سری سقطی نے فرمایا کہ میں ایک روز بیت المقدس میں تھا اور حج کے دنوں میں بہت تھوڑے دن باقی رہ گئے تھے۔ میں نے اس سال حج کے لیے نہ پہنچ سکنے پر بڑا افسوس کیا اور دل میں سوچنے لگا کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ پہنچ چکے ہوں گے اور میں یہاں ہی ہوں۔ افسوس کہ میں اس نعمت سے محروم رہ گیا۔ میں رونے لگا اور بہت رو دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہاتف سے ایک ندا سنی، کوئی کہہ رہا تھا اے سری! مت رو، اللہ تعالیٰ تمھیں کسی سبب حج کے لیے مکہ معظمہ پہنچا دے گا۔ میں نے کہا مگر یہ کیسے ممکن ہے جبکہ مکہ معظمہ یہاں سے کافی دور ہے اور میں یہاں بیت المقدس میں ہوں۔ آواز آئی کہ اللہ کے لیے سب کچھ ممکن ہے۔ میں نے سجدۂ شکر ادا کیا اور ہاتف کی آواز کی صداقت کے ظہور کا انتظار کرنے لگا اتنے میں مسجد بیت المقدس میں وجیہ اور نورانی چہروں والے چار حضرات داخل ہوئے ان کی نورانی صورتیں ایسی پُرنور تھیں جیسے سورج چمک رہا ہو۔ ان چاروں میں سے ایک ان کا پیشوا تھا اور تین ان کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ یہ لوگ مسجد میں داخل ہوئے تو ساری مسجد جگمگا اٹھی۔ میں نے انھیں دیکھا تو اٹھ کر ان کے ساتھ ہو لیا۔ پھر انھوں نے دو رکعات باجماعت نماز پڑھی۔ امام وہی نوجوان کا پیشوا تھا۔ نماز کے بعد ان کا وہ امام دعا مانگنے لگا اور وہ تینوں اس کی دعا پہ آمین کہنے لگے۔ میں قریب ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ بڑی رقت آمیز دعا مانگ رہے ہیں۔ جب وہ دعا سے فارغ ہوئے تو میں ان سے السلام علیکم کہا اور انھوں نے جواب دیا۔ پھر ان کے اسی پیشوا نے مجھ سے کہا مبارکباد لے سری! کہ ہاتف سے تمھیں حج کی بشارت مل چکی ہے۔ میں نے کہا ہاں یا سیدی! آپ کے یہاں تشریف لانے سے قبل مجھے ہاتف سے یہ بشارت ملی ہے۔ وہ فرمانے لگے ہاں ہاں! جب تمھیں وہ ندائے ہاتف سنائی گئی ہے ہم اس وقت خراسان میں تھے۔ میں نے حیران ہو کر پوچھا، حضور! خراسان کی مسافت تو یہاں سے سال بھر کی ہے۔ پھر آپ

اتنی جلدی یہاں کیسے پہنچ گئے؟ تو فرمایا مسافت اگر ہزاروں سال کی بھی ہو تو کوئی بات نہیں۔ زمین اسی خدا کی ہے جس کے ہم بندے ہیں۔ ہم اسی کے گھر کی زیارت کے لیے نکلے ہیں اور پہنچا دینا بھی اسی کا کام ہے۔ دیکھو یہ سورج مشرق سے چل کر صرف ایک دن ہی میں مغرب میں پہنچ جاتا ہے۔ حالانکہ مشرق و مغرب میں مسافت کئی سالوں کی ہے تو کیا سورج یہ اتنی طویل مسافت اپنی قدرت سے طے کرتا ہے؟ تو جب ایک بے جان وجود اتنی لمبی مسافت دن بھر میں طے کر لیتا ہے تو جو اللہ کے مقبول بندے ہیں وہ اگر سال بھر کی مسافت پل بھر میں طے کر لیں تو کونسی تعجب کی بات ہے پھر وہ باہر نکلے اور مجھے ساتھ لے لیا اور نماز ظہر کے وقت ہم ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں پانی کا نام و نشان تک نہ تھا مگر اسی مقبول حق کی برکت و کرامت سے ہم نے وہاں ایک ٹھنڈا چشمہ پایا جس سے ہم نے وضو کیا اور نماز پڑھی، پھر چلے اور نماز عصر کے وقت ہمیں حجاز کی نشانیاں نظر آنے لگیں اور مغرب سے پہلے پہلے ہم مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ مکہ معظمہ پہنچا کر وہ لوگ پاک میری نظروں سے غائب ہو گئے۔ (روض الفائق)

۹۹۔ اندازِ تبلیغ

حضرت جنید ایک روز مسجد میں تھے ایک شخص آیا اور کہا کہ حضرت آپ کا وعظ شہر ہی میں کام کرتا ہے یا جنگل میں بھی کچھ تاثیر بخشتا ہے آپ نے حال پوچھا اس نے عرض کیا کہ چند اشخاص فلاں مقام پر جنگل کے اندر مصروف رقص و سرود اور دورِ شراب سے مخمور ہیں۔ آپ نے اسی وقت منہ لپیٹ کر جنگل کی راہ لی۔ جب قریب پہنچے تو وہ لوگ بھاگنے لگے۔ فرمایا کہ بھاگو مت۔ میں بھی تمھارا ہم مشرب ہوں اور اسی واسطے آیا ہوں، ہمارے لیے بھی لاؤ، شہر میں تو پی نہیں سکتے۔ پوشیدہ طور پر یہاں آئے ہیں۔ ان لوگوں نے کہا افسوس ہے کہ اس وقت شراب باقی نہیں رہی۔ فرمائیں تو شہر سے منگوا دی جائے۔ حضرت نے فرمایا کیا تم کو کوئی ایسی بات نہیں آتی کہ شراب خود بخود آجایا کرے۔ وہ بولے کہ صاحب یہ کمال تو ہم میں نہیں۔ فرمایا کہ آؤ میں تم ایک ایسی بات سکھا دوں کہ شراب خود بخود آجائے پھر شراب کا مزہ دیکھو۔ وہ سب مشتاق ہوئے کہ یہ کمال تو ضرور بتا دیجئے، کہا کہ اچھا اوّل نہاؤ پھر کپڑے بدل کر میرے پاس آؤ۔ سب نے غسل کیا کپڑے دھوئے اور پاک صاف ہو کر آموجود ہوئے

تب فرمایا کہ سب دو دو رکعت نماز پڑھو۔ جب وہ نماز میں مشغول ہوئے تو آپ نے دعا مانگی کہ بار خدایا میرا تو اتنا ہی اختیار تھا کہ تیرے حضور میں ان کو کھڑا کر دیا۔ اب تجھے اختیار ہے خواہ ان کو گمراہ کر، خواہ ہدایت بخش۔ چنانچہ حضرت کی دعا منظور ہوئی اور وہ سب ہدایتِ کامل سے مستفیض ہوئے۔ (افضل الاخلاق)

۱۰۰۔ آلِ رسولؐ کی عزّت کا صلہ

حضرت جنید بغدادی فنونِ سپہ گری میں یکتائے زمانہ تھے۔ خصوصاً پہلوانی میں بڑے نامی گرامی۔ ایک بار ایک شخص آیا اور بادشاہ سے کہا میں تمہارے پہلوان سے لڑوں گا۔ بادشاہ نے کہا ہمارا پہلوان بہت زبردست ہے تم دبلے پتلے آدمی بھلا اس سے کیا لڑو گے مگر وہ شخص نہ مانا اور بہت اصرار کیا آخر دنگل ہوا۔ جب حضرت جنیدؒ خم ٹھونک کر مقابل آئے اور دونوں کی پکڑ ہونے لگی تو اس شخص نے چپکے سے ان کے کان میں کہا میں سید ہوں، محتاج ہوں آئندہ تم کو اختیار ہے۔ حضرت جنید لڑتے لڑتے گر پڑے۔ جب تو بڑا شور و غل ہوا۔ بادشاہ نہ مانا، دوبارہ کشتی کرائی پھر بچھڑ گئے۔ تیسری بار کشتی ہوئی پھر چاروں شانہ چت۔ آخر بادشاہ نے اس کو انعام دیا اور حضرت جنید کو بلا کر پوچھا کہ سچ کہو یہ کیا بات تھی۔ آپ نے اصل حال بیان کر دیا۔ بادشاہ بہت متعجب ہوا اور مجمع عام میں اپنی ذلت اور سید کی عزت گوارا کی۔ فی الحقیقت یہ بڑی پہلوانی اور بہادری تھی، اسی شب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جنید نے خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں شاباش جنید! تو نے ہماری اولاد کے ساتھ سلوک کیا ہم بھی تیرے ساتھ سلوک کریں گے۔ دوسرے روز بادشاہی ملازمت ترک کی اور فقراء کی جستجو میں پھرنے لگے۔ آخر اپنے ماموں حضرت سری سقطی سے بیعت ہوئے (افضل الاخلاق)

۱۰۱۔ ادائیگیٔ امانت کا واقعہ

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں جامع مسجد میں تھا ناگاہ ایک شخص ہمارے پاس آیا اور دو رکعت نماز ادا کر کے مسجد کے ایک کونے میں لیٹ گیا اور مجھے اشارہ سے بلایا اور کہا اے ابوالقاسم! اللہ تعالیٰ کی اور احباب کی ملاقات کا وقت قریب آ گیا ہے جب

میں فارغ ہو جاؤں تو آپ کے پاس ایک جوان قوال آئے گا اس کو میری گدڑی، عصا اور لوٹا دے دو میں نے کہا قوال کو؟ یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ فرمایا وہ میری قائم مقامی کے مرتبہ پر پہنچ گیا ہے۔ حضرت جنید فرماتے ہیں کہ جب اس شخص کا انتقال ہو گیا اور ہم اس کو دفنا چکے تو ایک جوان مصری ہمارے پاس آیا اور بعد سلام کے کہنے لگا۔ ہماری امانت کہاں ہے اے ابوالقاسم! میں نے کہا کیسی امانت کیا قصہ ہے بیان کرو۔ کہا کہ میں فلاں قوم کے گھاٹ پر تھا کہ مجھے ہاتف نے ندا دی کہ جاؤ اور جنید کے پاس جو کچھ ہے لے لو، اور اس کے پاس یہ یہ چیز ہے اور تو فلاں فلاں ابدال کے قائم مقام کیا گیا حضرت جنید فرماتے ہیں کہ میں نے یہ سن کر وہ اشیاء اس کے حوالہ کر دیں۔ اس شخص نے اسی وقت اپنے کپڑے اتارے اور غسل کر کے گدڑی پہنی اور ویسے ہی شام کی طرف روانہ ہو گیا۔ (نزہۃ البساتین)

۱۰۲۔ غیبت معاف کروانے کا قصہ

حضرت جنید فرماتے ہیں۔ میں مسجد شونیزیہ میں بیٹھا ایک جنازے کی نماز کا منتظر تھا، اہلِ بغداد اپنے درجوں میں بیٹھے جنازے کا انتظار کر رہے تھے۔ میں نے ایک فقیر دیکھا اس سے آثارِ عبادت ظاہر تھے، لوگوں سے سوال کر رہا تھا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر یہ شخص کوئی عمل کرتا جس کی آمدنی سے اپنے آپ کو سوال کرنے سے بچاتا تو کیا خوب تھا۔ جب میں اپنے گھر واپس آیا۔ رات کا کچھ وظیفہ مجھ کو پڑھنا تھا، کچھ نوافل، کچھ آہ و زاری۔ اس کے سوا اور کچھ باقی نہ تھا مجھ پر یہ سب گراں اور دشوار گزرا مگر میں بیٹھا جاگتا رہا۔ اسی حالت میں نیند نے غلبہ کیا اور میں سو رہا۔ خواب میں اس فقیر کو (جو لوگوں سے سوال کر رہا تھا) دیکھا ایک خوان بچھا ہوا ہے اس پر اسی فقیر کو لا کر بٹھایا، مجھ سے کہہ رہے ہیں تو اس کا گوشت کھا، تو نے اس کی غیبت کی ہے۔ اسی حالتِ خواب میں مجھ کو سب حال ظاہر کیا گیا۔ میں نے کہا میں نے تو اس کی کبھی غیبت نہیں کی، البتہ جی میں کہا ہے، مجھ سے کہا گیا تو ان لوگوں میں سے نہیں کہ ایسی خفیف باتیں تجھ سے ہم پسند کریں۔ جا اس فقیر سے اپنا قصور معاف کرا۔ جب صبح ہوئی میں اس کی تلاش میں پھرنے لگا، یہاں تک کہ میں نے دیکھا اس کو۔ ایک جگہ تہ کاری دھونے سے پانی میں جو پتے گر جاتے ہیں اٹھا رہا تھا۔ میں نے سلام کیا، کہا اے ابوالقاسم! پھر ایسی تقصیر کرو گے اور دوسرے بندگانِ خدا کا عیب نکالو گے؟ میں نے کہا پھر ایسا نہ کروں گا، کہا خدا ہم کو اور تم کو بخشی

ے۔ (نزہتہ البساتین)

۱۰۳۔ شیطان کے دھوکہ سے بچنے کی تاکید

حضرت ابوالقاسم جنید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابلیس کو خواب میں ننگا دیکھا (اس سے خدا کی پناہ) میں نے اس سے کہا تجھ کو انسانوں سے شرم نہیں آتی؟ کہا یہ لوگ تیرے نزدیک انسان ہیں میں نے کہا ہاں تو بھی جانتا ہے، ابلیس نے کہا اگر یہ لوگ انسان ہوتے تو جیسے لڑکے گولی کے ساتھ کھیلتے ہیں میں ان کے ساتھ نہ کھیلتا۔ لیکن انسان ان کے سوا اور ہیں، میں نے کہا وہ کون ہیں؟ کہا مسجد شونیزیہ میں چند لوگ ہیں جن کی عبادت و پرہیزگاری سے میرا بدن دُبلا ہوگیا اور ان کی آتشِ حسد سے میرا دل کباب ہے۔ جب میں ان کا قصد کرتا ہوں خداوند تعالیٰ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ میں جلنے کے قریب ہوجاتا ہوں۔ حضرت جنید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب میں خواب سے بیدار ہوا اس مسجد میں گیا تین مرد نظر آئے، اپنے سر گدڑیوں میں ڈالے بیٹھے تھے۔ جب ان کو میری آہٹ محسوس ہوئی اور معلوم ہوا کہ کوئی غیر شخص ہے تو ایک نے گدڑی سے سر نکالا اور کہا اے ابوالقاسم! شیطان خبیث کی بات سے دھوکا نہ کھانا۔ پھر اپنا سر چھپا لیا۔ خداوند تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور ہم کو ان سے نفع پہنچائے۔ (نزہتہ البساتین)

۱۰۴۔ حضرت جُنیدؒ کی نصیحت

علی بن سہل نے جنید کو خط میں لکھا کہ نیند غفلت ہے اور محبت میں چاہیئے کہ قرار نہ ہو۔ سونے میں انسان اپنے مقصود سے دور، اپنے وقت سے بے خبر اور اپنے آپ سے غافل ہوجاتا ہے۔ حضرت داؤدؑ کو وحی ہوئی کہ جھوٹا ہے وہ شخص جس نے خدا کی محبت کا دعویٰ کیا اور رات کو سو گیا۔ جنید نے جواب تحریر کیا کہ راہِ حق میں جاگنا ہمارا معاملہ ہے اور سونا ہم پر فعلِ حق ہے۔ جاگنا اسی وقت تک ہمارے اختیار میں ہے جب تک کہ نیند نہ آئے۔ یعنی سونا ہمارے اختیار سے باہر ہے۔ پس جو چیز ہمارے اختیار کے بغیر واقع ہو اور حق کی طرف سے نازل ہو، بہتر ہے اس چیز سے جو ہمارے اختیار میں ہو۔ اور ہماری طرف سے حق کی جانب ہو۔ لہٰذا نیند محبت کرنے والوں پر خدا کی عنایت ہے۔ حدیث

شریف میں آیا ہے کہ عالم کی نیند عبادت ہے۔ میری آنکھیں سوتی ہیں، نہ میرا دل (اگرچہ تھوڑا سونا تھوڑا کھانے کی مانند بزرگوں کا شیوہ رہا ہے مگر جب نیند آئے تو بہر حال سونا ہی لازم ہے کیونکہ اس وقت کوئی کام بخوبی نہیں ہو سکتا اور صحت کے لیے بھی ضروری ہے کہ نیند پوری کی جائے البتہ اس کی عادت منضبط کرنی چاہیئے)۔ (افضل الاخلاق)

۱۰۵۔ پاکدامنی کی دلیل

جنید فرماتے ہیں کہ مجھے ابلیس کو دیکھنے کا شوق تھا ایک روز مسجد کے دروازے پہ کھڑا تھا دور سے ایک بوڑھا مرد آتا دکھائی دیا۔ قریب آکر وہ میری طرف متوجہ ہوا، اسے دیکھتے ہی میرے دل پر خوف طاری ہو گیا۔ میں نے پوچھا تو کون ہے؟ تیری ہیبت سے میرا دل لرز گیا۔ بوڑھے نے کہا میں وہی ہوں جس کو دیکھنے کی تجھے آرزو تھی۔ میں نے پوچھا ملعون! تو نے آدم کو سجدہ کیوں نہ کیا؟ بولا جنید تجھے کیا ہو گیا، کیا میں غیر اللہ کو سجدہ کرتا، میں ابلیس کا جواب سن کر حیرت میں ڈوب گیا۔ ہاتف غیب نے میرے دل میں ڈالا۔ اس سے کہو تو جھوٹ بکتا ہے۔ اگر تیرے دل میں فرمانبرداری کا جذبہ ہوتا تو تو رب العزت کے فرمان سے سرتابی نہ کرتا اور اس طرح خدا کا قرب کیوں نہ حاصل کیا؟ ابلیس نے بھی میرے دل میں آنے والی ندائے ہاتف سن لی اور چلایا، جنید تو نے مجھے پھونک دیا اور غائب ہو گیا۔

یہ حکایت جنید کی پاکدامنی اور ان کے محفوظ ہونے کی دلیل ہے، باری تعالی ہر حال میں اپنے دوستوں کو ابلیس کے مکر و فریب سے محفوظ رکھتا ہے۔ (کشف المحجوب)

۱۰۶۔ حضرت جنید بغدادی کی ذہانت

بچپن ہی سے آپ کو بلند مراتب حاصل ہوتے رہے۔ ایک مرتبہ مکتب سے واپسی پر دیکھا کہ آپ کے والد بر سر راہ رو رہے ہیں۔ آپ نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میرے رونے کا سبب یہ ہے کہ آج میں نے تمہارے ماموں کو مال زکوٰۃ میں سے کچھ درہم بھیجے تھے لیکن انھوں نے لینے سے انکار کر دیا اور آج مجھے یہ احساس ہو رہا ہے کہ میں نے اپنی زندگی ایسے مال کے حصول میں صرف کر دی

جس کو خدا کے دوست بھی پسند نہیں کرتے۔ چنانچہ حضرت جنید نے اپنے والد سے ۵ درہم لے کر اپنے ماموں کے یہاں پہنچ کر آواز دی اور جب اندر سے پوچھا گیا کہ کون ہے تو آپ نے عرض کیا کہ جنید آپ کے لیے زکوٰۃ کی رقم لے کر آیا ہے لیکن انھوں نے پھر انکار کر دیا جس پر حضرت جنید نے کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کے اوپر فضل اور میرے والد کے ساتھ عدل کیا ہے، اب آپ کو اختیار ہے کہ یہ رقم لیں یا نہ لیں کیونکہ میرے والد کے لیے جو حکم تھا کہ حقدار کو زکوٰۃ پیش کرو، وہ انھوں نے پورا کر دیا۔ یہ بات سن کر حضرت سری نے دروازہ کھول کر فرمایا کہ رقم سے پہلے میں تجھے قبول کرتا ہوں۔ چنانچہ اسی دن سے آپ ان کی خدمت میں رہنے لگے۔ (تذکرۃ الاولیاء)

۱۰۷۔ اللہ کی محبّت اور خوف

حضرت ابوالقاسم جنید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ تن تنہا بیت اللہ شریف گیا اور وہاں کی مجاورت اختیار کی اور یہ میری عادت تھی کہ جب شب کو تاریکی خوب ہو جاتی تو میں طواف کرتا حسبِ عادت ایک دن طواف کر رہا تھا کہ ایک نوعمر لڑکی کو دیکھا کہ طواف کرتی جاتی ہے اور یہ اشعار نہایت ذوق و شوق سے گاتی ہے ؎

ابی الحبّ ان یخفٰی دکم قد کتمتہ	فاصبح عندی قد اناخ و طنّبا
اذا اشتد شوقی ھام قلبی بذکرہ	وان رمت قربًا من حبیبی تقرّبا
ویبدوا فافنی ثم احیا بہ لہٗ	ویُسعدُنی حتّٰی اَلَذّ و اَطرَبا

(یعنی محبت اور عشق کو میں نے بہت چھپایا لیکن اب کسی طرح نہیں چھپ سکتا اس نے تو میرے پاس ڈیرہ ہی ڈال دیا۔ جب مجھے محبوب کا شوق زیادہ ہوتا ہے تو میرا دل اس کی یاد سے حیران و مضطرب ہوتا ہے اور اگر میں اپنے دوست کے قرب کا قصد کرتی ہوں تو وہ مجھے اپنی دولتِ قرب سے محروم نہیں فرماتا بلکہ قریب ہو جاتا ہے اور جب میرا محبوب متجلی ہو جاتا ہے تو میں فنا ہو جاتی ہوں اور پھر اس کے لیے اور اسی کی دست گیری سے زندہ ہو جاتی ہوں اور وہی میری امداد کرتا ہے حتیٰ کہ میں اس کی عنایتوں سے لذت حاصل کرتی ہوں۔)

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا لڑکی! تو اللہ سے نہیں ڈرتی کہ

بیت اللہ شریف میں ایسے اشعار گاتی ہے؟ وہ میری طرف ملتفت ہوئی اور بولی جنید اگر خوف الٰہی نہ ہوتا تو میں کیوں خواب شیریں چھوڑتی، اسے خوف ہی تو مجھے میرے وطن سے بے وطن کر دیا، اسی کے عشق میں تو میں بھاگی پھرتی ہوں۔ اسی کی محبت نے مجھے حیران بنا رکھا ہے پھر پوچھا جنید بتاؤ تم بیت اللہ کا طواف کرتے ہو یا رب بیت اللہ کا؟ میں نے کہا میں تو بیت اللہ کا طواف کرتا ہوں یہ سن کر آسمان کی طرف منہ اٹھایا اور بولی سبحان اللہ آپ کی بھی کیا شان ہے۔ مخلوق جو خود مثل پتھروں کے ہے وہ پتھروں ہی کا طواف کرتی ہے۔ جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھ پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ میں بیہوش ہو گیا اور جب ہوش آیا تو پھر اس لڑکی کو نہ دیکھا۔ (نزہۃ البساتین)

۱۰۸۔ لفظی یا معنوی جواب

ایک مرید آپ سے کبیدہ خاطر ہو گیا اور سمجھا کہ اسے بھی مقام حاصل ہو گیا ہے اور وہ شیخ طریقت کا ضرورت مند نہیں رہا، ایک روز وہ بغرضِ امتحان آیا۔ جنید کو اس کی قلبی کیفیت سے آگاہی ہوئی اس نے کوئی سوال پوچھا۔ آپ نے کہا لفظی جواب چاہتے ہو یا معنوی؟ مرید نے کہا دونوں، فرمایا لفظی جواب تو یہ ہے کہ اگر تو نے اپنا امتحان کیا ہوتا تو میرا امتحان کرنے یہاں نہ آتا، معنوی جواب یہ ہے کہ میں نے تجھے ولایت سے خارج کیا۔ مرید کا چہرہ سیاہ ہو گیا اور اس کا سکونِ دل ٹوٹ گیا۔ توبہ میں مشغول ہوا اور لغو باتوں سے پرہیز کرنے لگا۔ جنید نے فرمایا، تجھے یہ خبر نہیں کہ اولیاء واقفِ اسرار ہوتے ہیں اور تو ان کے مقابلے کی تاب نہیں رکھتا۔ پھر اس پر دم کیا اسے اپنی مراد حاصل ہوئی۔ وہ مشائخ کے کام میں تصرف سے دست بردار ہوا اور توبہ کی۔ (کشف المحجوب)

۱۰۹۔ اخلاص کا درس

حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ اخلاص میں نے ایک حجام سے سیکھا، مکہ معظمہ میں ایک حجام ایک شخص کے بال درست کر رہا تھا۔ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ پر میرے بال درست کر دو۔ حجام نے اس آدمی کو جس کی وہ حجامت بنا رہا تھا کہا کہ ذرا تم علیحدہ ہو جاؤ۔ جب اللہ کا نام آگیا تو پھر سب سے پہلے اللہ کا کام کرنا چاہیئے۔ پھر مجھ کو بٹھا کر پہلے میرے سر کو بوسہ دیا پھر میری حجامت کر کے ایک کاغذ

دیا جس میں چاندی کے ٹکڑے تھے اور کہا اس کو اپنی حاجتوں میں صرف کرو۔ اس دن سے میں نے عہد کیا کہ اول جو فتوح مجھے ہوگی تو اسی حجام کو دوں گا۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد بصرہ سے اشرفیوں کی ایک تھیلی میرے پاس آئی۔ وہ تھیلی لے کر میں حجام کے پاس گیا۔ اس نے پوچھا یہ کیا ہے؟ میں نے اپنی نیت اور عہد کا ذکر کیا۔ اس نے کہا مرد خدا شرم نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ کے نام پر کام کرنے کے عوض مجھ کو معاوضہ دے رہے ہو۔ (تذکرۃ الاولیاء)

۱۱۰۔ یقین پختہ کرنے کا واقعہ

شیخ فتح موصلی بیان فرماتے ہیں کہ میں نے جنگل میں ایک لڑکا نابالغ دیکھا راہ چل رہا تھا اور اس کے لبوں کو جنبش تھی۔ میں نے سلام کیا اس نے جواب دیا۔ پھر میں نے سوال کیا صاحبزادے کہاں جا رہے ہو؟ کہا بیت اللہ کو جاتا ہوں۔ میں نے پوچھا کن الفاظ کے ساتھ اپنے لبوں کو حرکت دیتے ہو؟ کہا قرآن کے ساتھ۔ میں نے کہا ابھی تک تم پر تکلیف کا قلم نہیں چلا۔ کہا میں موت کو دیکھتا ہوں کہ مجھ سے چھوٹوں کو لے رہی ہے۔ پھر میں نے کہا تمہارے قدم چھوٹے ہیں اور راہ دور ہے؟ کہا مجھ پر قدم اٹھانا اور خدا پر منزل مقصود تک پہنچانا ہے۔ میں نے کہا توشہ اور سواری کہاں ہے؟ کہا توشہ میرا یقین اور سواری میرے پاؤں ہیں۔ کہا میں تم سے پوچھتا ہوں روٹی پانی کہاں ہیں؟ کہا اے چچا! کوئی مخلوق میں سے تم کو اپنے گھر بلائے کیا تم مناسب ہے کہ اپنے ساتھ توشہ اس کے گھر لے جاؤ۔ میں نے کہا نہیں۔ کہا میرا سردار بندوں کو اپنے گھر بلاتا ہے اور ان کو گھر کی زیارت کی اجازت دی ہے۔ ان کے ضعفِ یقین نے انہیں توشہ لینے پر آمادہ کیا اور میں یہ برا جانتا ہوں، ادب کا لحاظ کرتا ہوں۔ کیا تمہیں گمان ہے کہ وہ مجھے ضائع و برباد کر دے گا۔ میں نے کہا ہرگز نہیں۔ پھر لڑکا میری نظروں سے غائب ہوگیا۔ پھر میں نے اسے مکہ میں دیکھا اور اس نے بھی مجھے دیکھا اور کہا اے شیخ! تم ابھی تک ضعفِ یقین ہی پر ہو۔ (نزہۃ البساتین)

۱۱۱۔ حیاتِ ابدی

حضرت فتح موصلی کا واقعہ ہے کہ ایک شکستہ حال نوجوان سے مسجد میں آپ کی ملاقات ہوئی تو اس

نے عرض کیا کہ میں ایک مسافر ہوں اور چونکہ مقیم لوگوں پر مسافر کا حق ہوتا ہے اس لیے میں یہ کہنے حاضر ہوا ہوں کہ کل فلاں مقام پر میری موت واقع ہو گی لہٰذا آپ غسل دے کر انھیں بوسیدہ کپڑوں میں مجھے دفن کر دیں۔ چنانچہ جب اگلے دن آپ وہاں تشریف لے گئے تو اس نوجوان کا انتقال ہو چکا تھا اور آپ جب اس کی وصیت کے مطابق عمل کر کے قبرستان سے واپس ہونے لگے تو قبر میں سے آواز آئی کہ اے فتح موصلی اگر مجھے قربِ خداوندی حاصل ہو گیا تو میں آپ کو اس کا صلہ دوں گا۔ پھر کہا کہ دنیا میں یوں زندگی بسر کرو کہ حیاتِ ابدی حاصل ہو جائے۔ (تذکرۃ الاولیاء)

۱۱۲۔ نعمتِ خداوندی کو قبول کرنا

ایک مرتبہ کسی نے حضرت فتح موصلی کی خدمت میں بطور نذرانہ پچاس درہم پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ حدیث میں یہ آیا ہے کہ جس کو بغیر طلب کے کچھ حاصل ہو اگر وہ قبول نہ کرے تو اس کو نعمتِ خداوندی کا منکر کہا جائے گا۔ یہ سن کر آپ نے اس میں سے صرف ایک درہم اٹھا لیا تاکہ کفرانِ نعمت نہ ہو۔ (تذکرۃ الاولیاء)

۱۱۳۔ سچائی کی جیت

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک جلاد کو کوتوال نے حکم دیا کہ حضرت سری سقطی کو سزائے موت دی جائے عین اس وقت جب جلاد حضرت سری سقطی کا سر قلم کرنے لگا تو اس نے دیکھا کہ ایک بڑے ہی جلیل القدر بزرگ کھڑے ہیں اور انگلی کے اشارے سے حضرت سری سقطی کی گردن زنی کرنے سے منع فرما رہے ہیں۔ کوتوال شہر پر ہیبت سی طاری ہو گئی۔ وہاں پر قاضی وقت بھی تشریف فرما تھے انھوں نے جب ساری صورت حال کا جائزہ لیا تو کوتوالِ شہر سے پوچھا کہ اس شخص کو کس بنا پر سزائے موت دی جا رہی ہے، کوتوال نے قاضی کو بتایا کہ یہ شخص قاتل ہے۔ اس کے خلاف گواہ اور ثبوت موجود ہیں اور انھی گواہیوں اور شواہد کی روشنی میں اس کے قتل کا فیصلہ کیا گیا ہے، قاضی نے حضرت سری سقطی کے قتل کا فیصلہ موقوف کر دیا اور حکم دیا کہ ملزم اور گواہوں کو میری عدالت میں پیش کیا جائے۔ میں سارے بیانات اور شہادتیں خود سنوں گا اور پھر فیصلہ کروں گا۔

اگلے روز حضرت سری سقطی اور گواہ عدالت میں پیش ہوئے۔ قاضی نے پہلے جناب سری سقطی سے پوچھا آپ پر جو الزامات لگائے گئے ہیں آپ ان کے متعلق اپنی صفائی پیش کریں۔ حضرت سری سقطی نے عرض کی، میں بالکل بے گناہ ہوں۔ ایک رات میں اپنے مریدوں کے حلقے میں بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت فتح موصلی کا ذکر چل نکلا۔ میرے مریدوں کا خیال تھا کہ موصوف پر ہر وقت جذب و سکر طاری رہتا ہے ان کو اپنی خبر تک نہیں ہے اور جس کو اپنی خبر نہ ہو وہ زمانے کی کیا خبر رکھ سکتا ہے لہذا ایسے بے خبر کو بزرگ نہیں سمجھا جا سکتا۔ میں اپنے مریدوں کو سمجھا رہا تھا کہ حضرت فتح موصلی ایسے درویش ہیں جن کی ذات میں صحو و سکر کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ وہ جذب و سکر کے باوجود صحو و سلوک میں رہتے ہیں اور انھیں ہر چیز کا فکر و خیال رہتا ہے۔ میرے مریدوں میں ایک مرید اس بات پر بضد تھا کہ حضرت فتح موصلی بزرگ و درویش نہیں بلکہ دماغی طور پر مختل اور دیوانے ہیں۔ میں نے اپنے اس مرید کو کہا کہ تم ابھی میرے ساتھ چل کر آزما لو کہ موصوف بزرگ تمھارے خیال کے مطابق ہیں یا میرے خیال کے مطابق۔ میرے مرید نے رات کا وقت ہونے کی وجہ سے حضرت فتح موصلی کے پاس جانے سے اعتراض کیا کیونکہ رات کو گشتی پولیس کسی بھی شبے میں پکڑ سکتی ہے۔ مگر میں نے اسی وقت اپنے مرید کو حضرت فتح موصلی کی خدمت میں لے جانے کا فیصلہ کیا۔ ہم دونوں ابھی زیادہ فاصلہ طے نہ کر پائے تھے کہ گشتی پولیس ہمیں دوسری طرف سے آتی ہوئی دکھائی دی۔ میرا مرید تو پولیس کے خوف سے بھاگ گیا جب کہ میں وہیں کھڑا رہا۔

پولیس والوں نے مجھ سے پوچھا تم کون ہو اور اس وقت بازاروں میں کیوں پھر رہے ہو؟ میں نے انھیں جواب دیا۔ میں وقت کا مشہور صوفی سری سقطی ہوں اور حضرت فتح موصلی کی ملاقات کو جا رہا ہوں۔ مگر پولیس والوں نے میری ایک نہ سُنی اور مجھے چور کہنا شروع کر دیا۔ میں نے انھیں بہت سمجھایا مگر بے سود۔ انھوں نے مجھے گرفتار کر کے حوالات میں بند کر دیا اور اگلے روز دو جھوٹے گواہ بلا کر مجھ پر چور اور قاتل کا الزام لگوا کر گواہی ثابت کر دی اور مجھے سزائے موت دیے جانے کے احکام جاری کر دیے گئے لیکن جب جلاد تلوار چلانے لگا تو اس سے تلوار نہ چلائی گئی کیونکہ جب بھی جلاد تلوار چلانے لگتا حضرت فتح موصلی اس کو تلوار چلانے میں مزاحم ہو جاتے۔ جس مجمع میں مجھ پر تلوار آزمائی ہو رہی تھی وہاں میرا وہ مرید بھی کھڑا تھا جو حضرت فتح موصلی کی کرامات کا منکر تھا اس نے اپنی

آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت فتح موصلی اپنے پرستاروں اور عقیدت مندوں کی طرف سے ہر وقت آگاہ رہتے ہیں اور یوں اتنی دور سے آکر مجھے تلوار کی کاٹ سے بچانے کے لیے آنا ان کی کرامت میں شامل تھا لہٰذا میں جس مقصد کے لیے اپنے مرید کو حضرت فتح موصلی کے پاس لے جانا چاہتا تھا وہ یہاں پر ہی پورا ہو گیا۔

یہ بیان سننے کے بعد قاضی صاحب نے دونوں گواہوں سے پوچھا، تم بتاؤ کہ تم اس شخص کو کیسے قاتل و سارق ثابت کرتے ہو، دونوں نے دست بستہ قاضی صاحب سے عرض کی، جناب ہم بے قصور ہیں ہم نے پولیس کے ایما و خوشنودی کے لیے حضرت سری سقطی کے خلاف جھوٹی گواہی دی ہے قاضی صاحب نے پولیس کے اہلکاروں اور کوتوال شہر کو معطل کر دیا اور ان دونوں جھوٹے گواہوں کو زندان میں بھیج دیا اور حضرت سری سقطی کو باعزت بری کر دیا۔ سری سقطی کے مرید نے ان سے معافی مانگی اور عرض کی۔ حضرت! میں نے آپ کے ساتھ زیادتی کی اور نافرمانی کا مرتکب ہوا۔ آپ مجھے معاف فرمادیں۔ حضرت نے جواب دیا تم نے میرے ساتھ کونسا ظلم کیا ہے جو میں تمھیں معاف کرتا پھروں تم نے جس بات سے انکار کیا تھا اللہ تعالیٰ نے تمھارے بیٹھے بیٹھے جاگتے اس حقیقت کو تمھارے سامنے ثابت کر دیا کہ حضرت فتح موصلی صرف سکر و جذب میں ہی نہیں رہتے بلکہ صحو و سلوک میں بھی ہوتے ہیں۔ یوں اتنی دور سے مجھے قتل ہونے سے بچانے کے لیے آنا ان کا صحو و سلوک میں ہونا ثابت ہو گیا ہے۔ اس طرح یہ بھی ثابت ہو گیا کہ حضرت موصوف اپنے عزیزوں، دوستوں اور آشناؤں سے کبھی غافل نہیں رہتے تھے۔ جب بھی ان کے دوستوں، عزیزوں پر کوئی کٹھن وقت پڑا وہ امداد بن کر سامنے آگئے۔ مرید بھی اپنے مرشد کی بات اور خیال پر متفق ہو گیا اور حضرت فتح موصلی کی بزرگی کا قائل ہو گیا۔

بری ہونے کے بعد حضرت سری سقطی اپنے مرید کو لے کر حضرت فتح موصلی کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت موصلی اس وقت شدید سکر و جذب کی کیفیت میں تھے۔ کافی دیر کے بعد انھوں نے حضرت سقطی سے پوچھا آپ کون ہیں اور کس لیے آئے ہیں؟

آپ نے عرض کی حضرت! میں وقت کا صوفی سری سقطی ہوں، کمال ہے آپ نے مجھے پہچانا نہیں اور ابھی تھوڑی دیر پہلے آپ مجھے جلاد کی تلوار سے رہا کروا کر لائے ہیں۔ حضرت موصلی مسکرائے اور فرمایا بھائی میں تمھیں کس طرح تلوار سے آزاد کروا سکتا تھا کیونکہ میں تو اپنے حجرے سے باہر نکلا ہی نہیں۔ پھر

تمھاری مدد میں نے کیونکر کی۔ حضرت سری سقطی اپنی بات پر ڈٹے رہے جبکہ حضرت موصلی بار بار یہ کہتے رہے کہ وہ میں نہ تھا البتہ اتنا ضرور ہے کہ اس کی شکل میرے ساتھ ملتی ہوگی۔ مگر سری سقطی اپنی بات پر اڑے رہے اور عرض کی حضرت آپ پر جذب و سکر اور صحو و سلوک کی کیفیت طاری رہتی ہے اس وقت آپ پر جذب و سکر طاری ہے جبکہ مقتل میں آپ پر صحو و سلوک کی کیفیت تھی۔ حضرت فتح موصلی نے جب یہ بات سُنی تو مسکرا دیے۔ حضرت سری سقطی کا مرید حضرت موصلی کی بزرگی، فہم و ادراک اور ولایت میں بلند مقام کا تہ دل سے قائل ہوگیا اور حضرت سری سقطی کا یہی مقصود و مطلوب تھا۔ (تذکرۃ الاولیاء)

۱۱۴۔ ایک عارف کے وصال کا واقعہ

ایک روز آپ اپنے درود و وظائف ختم کر کے مسجد سے نکل رہے تھے کہ ایک نوجوان آپ کے پاس آیا اور بولا۔ میں بہت دور سے آیا ہوں مجھے اللہ نے حکم دیا تھا کہ آپ کی زیارت کروں۔ آپ نے فرمایا آپ میرے مہمان ہیں مجھے بتائیں میں آپ کی کیا خدمت کروں؟ اس نوجوان نے عرض کیا۔ مجھے کسی ظاہری خدمت کی ضرورت نہیں۔ میں نے بازار سے روٹی اور کباب کھائے ہیں۔ میرا رہائش کا انتظام شہر سے باہر ایک سرائے میں ہے۔ مگر میں جو خدمت آپ کے سپرد کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ میرا وقت قریب آچکا ہے اور کل دوپہر تک مجھے خدا کی طرف سے بلاوا آجائے گا میں یہ چاہتا ہوں کہ جب میں وفات پا جاؤں تو آپ میری تجہیز و تکفین اپنے ہاتھوں سے کریں۔ آپ نے ایسا کرنے کا وعدہ کرلیا۔ اگلے روز آپ دریائے دجلہ کے کنارے واقع سرائے میں پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ وہاں لوگوں کا مجمع لگا ہوا ہے۔ آپ نے لوگوں سے پوچھا کیا بات ہے یہاں لوگ کیوں اکٹھے ہوئے ہیں لوگوں نے بتایا کہ ایک پردیسی یہاں سرائے میں ٹھہرا ہوا تھا انتقال کرگیا ہے۔ آپ نے ہجوم سے پوچھا، یہ کون تھا؟ لوگوں نے کہا وہ جب سے یہاں تھا بالکل الگ تھلگ رہتا تھا اور کسی سے کوئی بات نہیں کرتا تھا اس لیے اس کے متعلق ہم لوگ کچھ نہیں جانتے۔ حضرت فتح موصلی نے فرمایا۔ اس کے متعلق میں جانتا ہوں یہ ایک عارف باللہ تھا۔ اس کی تجہیز و تکفین کا مجھے حکم ہے اس کے بعد آپ نے اپنے ہاتھوں سے اس شخص کو غسل دیا اور اسے دفن کیا اسی رات خواب میں اس نوجوان نے آپ سے ملاقات کی اور بتایا کہ آپ نے مجھ پر جو احسان کیا ہے میں اس کا شکر گزار ہوں اور اس کا بدلہ میں آپ کو اس

طرح دوں گا کہ جب مجھے قربِ خداوندی حاصل ہو گیا تو میں آپ کو بھی فراہم کر دوں گا۔

۱۱۵۔ ایمان کی تکمیل

حضرت ابو بکر شبلی ابتدا میں نہاوند نامی جگہ کے سردار تھے اور جب تمام امیروں اور سرداروں کو دربارِ خلافت میں طلب کیا گیا تو آپ بھی وہاں تشریف لے گئے اور جس وقت خلیفہ سب کو خلعت عطا کر کے رخصت کرنے والا تھا اس وقت ایک امیر کو چھینک آئی اور اس نے خلعت کی آستین سے ناک صاف کر لی جس کی سزا میں خلیفہ نے خلعت واپس لے کر اس کو برطرف کر دیا اس وقت آپ کو یہ تنبیہ ہوئی کہ جو شخص مخلوق کی عطا کردہ خلعت سے گستاخی کر کے ایسی سزا کا مستوجب ہو سکتا ہے تو خدا کی عطا کردہ خلعت کے ساتھ گستاخی کرنے والے کی تو نہ جانے کیا سزا ہو گی۔ اس خیال کے بعد آپ نے خلیفہ سے آکر عرض کیا کہ تو مخلوق ہو کر اس چیز کو ناپسند کرتا ہے کہ کوئی تیری عطا کردہ خلعت سے بے ادبی نہ کرے جبکہ تیری خلعت کے مالک الملک کی خلعت کے سامنے کوئی حقیقت نہیں۔ لہذا اس نے مجھ کو اپنی معرفت کی جو خلعت عطا فرمائی ہے میں بھی یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کو ایک مخلوق کے سامنے کثیف کر دوں۔ یہ کہہ کر دربار سے باہر نکلے اور حضرت خیر نساج کے ہاتھ پر جا کر بیعت ہو گئے اور کچھ عرصہ ان سے فیض حاصل کرنے کے بعد انھیں کے حکم سے حضرت جنید بغدادی کی خدمت میں پہنچ گئے اور ان سے عرض کیا کہ لوگوں نے مجھے یہ بتایا ہے کہ آپ کے پاس ایک گوہر نایاب ہے، لہذا آپ یا تو اس کو میرے ہاتھ قیمتاً فروخت کر دیں یا پھر بغیر قیمت کے دے دیں۔ حضرت جنید نے فرمایا کہ اگر میں فروخت کرنا چاہوں تو تم خرید نہیں سکتے کیونکہ تمھارے اندر قوت خرید نہیں ہے اور اگر مفت دیدوں تو تم اس کی قدر و قیمت نہیں سمجھ سکو گے کیونکہ بلا محنت کے حاصل کردہ شے کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی لہذا اگر تم وہ گوہر حاصل کرنا چاہتے ہو تو بحرِ توحید میں غرق ہو کر فنا ہو جاؤ۔ پھر اللہ تعالیٰ تمھارے اوپر صبر و انتظار کے دروازے کشادہ کر دے گا اور جب تم دونوں کو برداشت کرنے کے قابل ہو جاؤ گے تو وہ گوہر تمھارے ہاتھ لگ جائے گا۔ پھر آپ نے حضرت جنید سے پوچھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیئے؟ انھوں نے فرمایا کہ تم ایک سال تک گندھک بیچتے پھرو۔ چنانچہ ایک سال تک تعمیل حکم کرتے رہے۔ پھر حضرت جنید نے فرمایا کہ اب ایک سال تک بھیک مانگو۔ چنانچہ آپ نے ایک سال تک یہ بھی کیا حتیٰ کہ آپ نے

بغداد کے ہر دروازے پر بھیک مانگی لیکن کبھی آپ کو کسی نے کچھ نہیں دیا اور جب اس کی شکایت آپ نے حضرت جنید سے کی تو انھوں نے مسکرا کر فرمایا کہ اب تو شاید تمھیں اندازہ ہو گیا ہو گا کہ مخلوق کے نزدیک تمھاری کوئی حیثیت نہیں۔ لہٰذا اب کبھی مخلوق سے دل بستگی کا خیال نہ کرنا اور نہ کبھی کسی چیز پر مخلوق کو فوقیت دینا۔ پھر حضرت جنید نے حکم دیا کہ چونکہ تم نہاوند کے امیر رہ چکے ہو لہٰذا وہاں جا کر ہر فرد سے معافی طلب کرو۔ چنانچہ آپ نے وہاں پہنچ کر بچے بچے سے معافی چاہی لیکن ایک شخص وہاں موجود نہیں تھا تو اس کی بجائے لاکھ درہم خیرات کیے لیکن اس کے باوجود بھی آپ کے قلب میں خلش باقی رہ گئی اور جب دوبارہ حضرت جنید کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے فرمایا کہ ابھی تمھارے قلب میں حُبِ جاہ باقی ہے لہٰذا ایک سال تک اور بھیک مانگتے رہو۔ لہٰذا بھیک کے ذریعہ جو کچھ ملتا اس کو حضرت جنید کے پاس لا کر فقراء میں تقسیم کر دیتے لیکن آپ خود بھوکے رہتے۔ پھر سال کے اختتام پر حضرت جنید نے وعدہ کیا کہ اب تمھیں اپنی صحبت میں رکھوں گا بشرطیکہ تمھیں فقراء کی خدمت گزاری منظور ہو چنانچہ آپ ایک سال تک فقراء کی خدمت گزاری میں مشغول رہے۔ پھر حضرت جنید نے پوچھا کہ اب تمھارے نزدیک نفس کا کیا مقام ہے؛ آپ نے جواب دیا کہ میں خود کو تمام مخلوقات سے کمتر تصور کرتا ہوں۔ یہ سن کر حضرت جنید نے فرمایا کہ اب تمھارے ایمان کی تکمیل ہو گئی ہے۔ (تذکرۃ الاولیاء)

۱۱۶۔ عشق الٰہی کا اثر

حضرت ابوبکر شبلی نے ایک مرتبہ مجلس میں کئی بار اللہ اللہ کہا لیکن اسی مجلس میں ایک درویش نے اعتراض کیا کہ آپ لا الٰہ الا اللہ کیوں نہیں کہتے۔ آپ نے ایک ضرب لگا کر فرمایا کہ مجھے یہ خطرہ رہتا ہے کہ میں لا کہوں (یعنی نفی کر دوں) اور (رسید) میری روح نکل جائے۔ آپ کے اس قول سے وہ درویش لرزہ براندام ہو گیا اور اسی وقت اس کا دم نکل گیا اور جب اس کے اعزہ آپ کو قاتل کہہ کر دربارِ خلافت میں لے گئے تو آپ کے اوپر وجدانی کیفیت طاری تھی اور دربار میں حاضری کے بعد جب آپ سے صفائی پیش کرنے کے لیے کہا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس درویش کی جان تو عشقِ الٰہی سے خارج ہو کر پہلے ہی بقائے جلالِ باری میں فنا ہونے والی تھی اور اس کی روح علائقِ دنیاوی سے رابطہ ختم کر چکی تھی اس لیے اس کو میرے قول کی سماعت کی طاقت نہ رہی اور برقِ مشاہدہ جمال کی چمک سے اس کی روح

مرغ بسمل کی طرح پرواز کر گئی لہذا اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ یہ بیان سن کر خلیفہ نے حکم دیا کہ آپ کو باہر لے جاؤ کیونکہ اگر میں کچھ دیر اور ان کی گفتگو سن لوں گا تو میں بھی بے ہوش ہو جاؤں گا۔ (تذکرۃ الاولیاء)

۱۱۷۔ نصرانی طبیب کے قبول اسلام کا واقعہ

حضرت شیخ ابو بکر شبلی کے مرید آپ کی خانقاہ میں حاضر رہتے آپ ان سے مختلف طریقوں سے نفس کشی کراتے۔ ایک مرتبہ آپ کی خانقاہ میں چالیس مرید موجود تھے آپ ان کے درمیان تشریف لائے اور فرمایا دوستو! حق تعالیٰ اپنے بندوں کے رزق کا خود کفیل ہے اور فرماتا ہے:

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ۔ (جو پرہیزگاری کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرے وہ اس کے لیے گزر بسر کے ذریعے کھولتا اور وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے ملنے کا اسے خیال بھی نہ تھا اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہی اس کے لیے کافی ہے۔)

آپ کا ارشاد سن کر سب مریدوں نے توکل اختیار کر لیا اور نہایت تضرع کے ساتھ عبادت میں مشغول ہو گئے۔ اس طرح ان کو تین دن گزر گئے اور کھانے کو کچھ نہ ملا تیسرے دن شیخ شبلی پھر ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا دوستو! حق تعالیٰ نے سبب کو بندوں کے لیے جائز قرار دیا ہے، اور فرمایا ہے:

هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِىْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ۔ (وہی اللہ ہے جس نے زمین کو تمہارے سامنے عاجز و ذلیل بنا دیا پس اس کے راستوں میں چلو اور اس کے رزق کو کھاؤ)

اس لیے اب مناسب ہے کہ تم میں سے ایک سب سے زیادہ نیک نیت شخص اس گوشہ عزلت سے نکلے اور رزق تلاش کرے تاکہ اسے کھا کر تم کچھ قوت حاصل کرو۔ آپ کی ہدایت سن کر سب نے ایک شخص کو منتخب کیا اور اسے تلاشِ معاش کے لیے روانہ کیا۔ وہ بغداد کے سارے محلوں میں گھوما مگر کچھ ہاتھ نہ آیا پہلے ہی تین دن کا بھوکا تھا اس دوڑ دھوپ سے اور نڈھال ہو گیا اور ٹانگیں چلنے پھرنے سے جواب دے گئیں۔ قریب ہی ایک نصرانی طبیب کا مطب نظر آیا۔ مجبور ہو کر اس میں

جا کر بیٹھ گیا۔ وہاں بہت سے مریض جمع تھے اور حکیم صاحب باری باری ان کو دیکھ کر دوا تجویز کرتے جاتے تھے۔ جب بھیڑ کم ہوئی تو حکیم صاحب کی نظر اس خستہ حال درویش پر پڑی۔ اس کو اپنے پاس بلا کر نرمی سے پوچھا تمھیں کیا شکایت ہے؟ درویش شیخ شبلی کی صحبت میں رہ کر مانگنے کی عادت ترک کر چکا تھا، یہ تو نہ کہہ سکا کہ روٹی کی تلاش میں ہوں، بے اختیاری میں اپنا ہاتھ طبیب کے ہاتھ میں دے دیا۔ اس نے نبض دیکھی اور سمجھ گیا کہ یہ بیچارہ بھوک کا مریض ہے۔ اس سے کہا ذرا صبر کرو، تمھاری بیماری کا علاج ابھی ہو جاتا ہے۔ پھر اس نے اپنے ملازم کو بلا کر ہدایت کی کہ بازار جا کر ایک رطل روٹی، ایک رطل حلوا اور ایک رطل بھنا ہوا گوشت لاؤ۔ جب ملازم ساری چیزیں لے آیا تو طبیب نے انھیں درویش کے سامنے رکھ دیا اور کہا کہ تمھارے مرض کا یہی علاج ہے۔ درویش نے کہا آپ کی تشخیص تو بالکل صحیح ہے لیکن میں تنہا اس مرض میں مبتلا نہیں ہوں۔ ہم ایسے چالیس مریض ہیں۔ فراخ حوصلہ طبیب نے فوراً ملازم کو بھیج کر یہ تمام چیزیں چالیس چالیس رطل کی مقدار میں منگائیں اور ان سب کو ایک خوان میں لگا کر ایک مزدور کے سر پر لدوائیں اور کہا کہ یہ شخص جہاں لے جائے ان چیزوں کو ساتھ لے جا کر پہنچا دے۔ چنانچہ وہ درویش اللہ تعالیٰ کی تحمید کرتا ہوا ان نعمتوں کو لیے ہوئے اپنے ساتھیوں کے پاس خانقاہ میں پہنچا جہاں وہ سب شیخ شبلی کے ہمراہ ذکر الٰہی میں مصروف تھے۔ شیخ نے یہ خوانِ نعمت دیکھا تو فرمایا اس کھانے کا عجیب بھید ہے۔ پھر اس مرید سے سارا واقعہ سنا اور فرمایا دوستو! کیا تمھیں یہ پسند ہے کہ ایک نصرانی کا کھانا کھاؤ اور اس کا کچھ معاوضہ ادا نہ کرو۔ سب نے عرض کیا کہ اے شیخ اس کا معاوضہ کیا ہے؟ فرمایا اس کے حق میں دعائے خیر کرو۔ اسی وقت سب نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے اور نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ اس نصرانی طبیب کے لیے ہدایت اور خیر و برکت کی دعا کرنے لگے۔ حسنِ اتفاق دیکھیے کہ وہ نصرانی طبیب بھی بھوک کے ان چالیس مریضوں کو دیکھنے کے لیے اس درویش کے پیچھے چلا آیا تھا۔ ان لوگوں کا توکل دیکھا، تو بیحد متاثر ہوا اور جب انھوں نے اس کے حق میں سچے دل کے ساتھ دعائے خیر کرنا شروع کی، تو وہ بیتاب ہو گیا اور فوراً خانقاہ کے دروازے پر جا کر دستک دینے لگا۔ جب دروازہ کھلا تو دوڑ کر شیخ شبلی کے قدموں پر جا گرا اور معترف باسلام ہو کر آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گیا۔ اس طرح اس کو اپنی نیکی کا معاوضہ ہدایت کی صورت میں مل گیا۔

۱۱۸- رُوحانی مسئلے کا حل

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے ایک مشکل پیش آ گئی لیکن ہزار کوشش کے باوجود یہ مشکل حل نہ ہوئی اس سے پہلے بھی مجھے ایک مشکل پیش آئی تھی تو میں نے حضرت شیخ بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر حاضری دی اور وہ مشکل حل ہو گئی اس بار میں نے ارادہ کیا کہ وہاں حاضری دوں۔ چنانچہ میں نے تین مہینے تک مزار مبارک پر چلہ کشی کی تاکہ یہ مشکل حل ہو جائے۔ ہر روز تین مرتبہ غسل کرتا اور تیس مرتبہ وضو کرتا اس امید پر کہ یہ مشکل حل ہو جائے گی مگر حل نہ ہوئی اور وہاں سے اٹھ کر میں خراسان کی طرف چل دیا۔

ایک رات خراسان کے ایک گاؤں میں پہنچا وہاں ایک خانقاہ تھی جس میں صوفیوں کی ایک جماعت موجود تھی، میرے جسم پر ایک کھردری اور سخت قسم کی گدڑی تھی۔ مسافروں کی طرح میرے پاس کچھ سامان بھی نہ تھا، سوائے ایک لاٹھی اور لوٹے کے۔ صوفیوں نے مجھے اس حال میں دیکھ کر نفرت کا اظہار کیا اور مجھے بالکل شناخت نہ کیا۔ وہ اپنے رسم و رواج کے مطابق آپس میں گفتگو کرتے رہے اور میرے بارے میں انھوں نے اس رائے کا اظہار کیا کہ یہ ہم میں سے نہیں ہے اور یہ تھا بھی درست کہ میں ان میں سے نہیں تھا لیکن میرے لیے وہاں رات گزارنا ضروری تھا۔ وہاں جگہ بھی نہیں تھی تاہم انھوں نے مجھے ایک درے میں بٹھا دیا اور خود چھت پر چلے گئے۔ انھوں نے اوپر سے ایک جلی ہوئی سوکھی روٹی میرے لیے پھینکی اور میں ان کھانوں کی خوشبوئیں سونگھ رہا تھا جنھیں وہ کھا رہے تھے اور ساتھ ساتھ مجھ پر آوازے بھی کس رہے تھے۔ جب وہ کھانا کھا چکے تو انھوں نے خربوزے کھانا شروع کر دیے اور چھلکے مجھ پر پھینکتے گئے انھوں نے خوب میری بے قدری کی اور میں اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ اے رب کریم! اگر میں تیرے محبوبوں کا لباس پہننے والوں میں سے نہ ہوتا تو میں ان سے علیحدہ ہو جاتا اس دوران جوں جوں ان کی پھبتیاں بڑھتی گئیں میرا دل خوشی سے لبریز ہو گیا۔ یہاں تک کہ اس واقعہ کا بوجھ اٹھانے سے میری وہ مشکل حل ہو گئی۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ مشائخ کرام جاہل لوگوں کا اپنے ساتھ شامل ہونا کس لیے برداشت کرتے تھے اور ان کی سختیاں کیوں جھیلتے تھے۔

(کشف المحجوب)

۱۱۹۔ مقامِ ابوحنیفہ

حضرت علی ہجویری کا کہنا ہے کہ ایک روز میں علاقہ شام میں سفر کر رہا تھا۔ حضرت بلالؓ کے روضہ پر پہنچا۔ جب میری آنکھ لگ گئی تو میں نے اپنے آپ کو مکہ معظمہ میں دیکھا۔ اتنے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بنی شیبہ کے دروازے پر تشریف فرما ہوئے۔ اس وقت آپ ایک سن رسیدہ شخص کو اس طرح بغل میں لیے ہوئے تھے جیسے کوئی کسی بچے کو لیے ہوتا ہے۔ میں فرطِ محبت سے بے قرار ہو کر آپ کی طرف دوڑا اور آپ کے پائے مبارک کو بوسہ دیا۔ میں بڑا حیران تھا کہ یہ بوڑھا شخص کون ہے کہ حضورؐ نے قوت باطنی سے میرے اس استعجاب کا حال معلوم کر لیا اور مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ تمھارے امام ہیں، امام ابوحنیفہؒ۔ اس سے مجھے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضرت امام ابوحنیفہ کا شمار ان لوگوں میں ہے جن کے اوصاف شرع کے قائم رہنے والے احکام کی طرح قائم و دائم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضورؐ ان سے اس قدر محبت فرماتے ہیں اور حضورؐ کو جو ان سے ربط و محبت ہے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس طرح آپ سے خطا ممکن نہیں۔ اسی طرح حضرت امام ابوحنیفہ سے بھی خطا کا صدور نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک نکتہ لطیف ہے جسے صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو اللہ تعالےٰ سے تعلق رکھتے ہیں۔ (کشف المحجوب)

۱۲۰۔ حضرت میراں حُسین زنجانی کا جنازہ

روایت ہے کہ حضرت علی ہجویری جب لاہور آئے تو شام ہو چکی تھی۔ اس لیے بیرونِ شہر ہی شب باش ہوئے۔ دوسرے روز لاہور کے شہر کی مشرقی جانب سے آپ کا گزر ہوا تو آپ نے ایک جنازہ دیکھا۔ لوگوں سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ جنازہ قطبِ لاہور حضرت حسین زنجانی المعروف میراں حسین زنجانی کا ہے تو اس وقت آپ کو اپنے مرشد کا حکم یاد آیا کہ جب انھوں نے آپ کو لاہور جانے کا حکم دیا تھا تو آپ نے جواب دیا تھا کہ وہاں تو میرے پیر بھائی حسین زنجانی موجود ہیں تو پھر میرے جانے کی کیا ضرورت ہے مگر جب آپ نے حضرت حسین زنجانی کے جنازہ میں شرکت کی تو مرشد کے حکم کی حکمت واضح ہو گئی۔ (فوائد الفواد)

۱۲۱۔ رائے راجو جوگی کے قبولِ اسلام کا واقعہ

حضرت علی ہجویری کے حالات میں مذکور ہے کہ رائے راجو نے جس طرح اسلام قبول کیا اس کا
واقعہ اس طرح ہے کہ ایک روز ایک بوڑھی عورت اس طرف سے گزری جس کے سر پر دودھ کا مٹکا
رکھا ہوا تھا۔ آپ نے اس عورت کو بلا کر کہا کہ تم اس دودھ کی قیمت لے لو اور یہ دودھ ہمیں دے دو
اس عورت نے جواب دیا کہ یہ دودھ میں نہیں دے سکتی۔ چونکہ یہ دودھ ہم کو مجبوراً رائے راجو جوگی کو دینا
پڑتا ہے اگر نہ دیں تو اس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ جانوروں کے تھنوں سے بجائے دودھ کے خون نکلنے لگتا
ہے۔ آپ اس عورت کی بات سن کر مسکرائے اور فرمایا کہ اگر تم یہ دودھ ہمیں دے دو گی تو اللہ تعالیٰ کے
فضل سے تمھاری گائیں بہت سا دودھ دیں گی اور جانوروں پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ چنانچہ اس عورت
نے آپ کو دودھ دے دیا آپ نے اس دودھ میں سے تھوڑا سا تو پی لیا اور باقی دودھ دریا میں پھینک
دیا۔ جب بوڑھی عورت گھر واپس آئی اور شام کو جانوروں کو دوہا تو جانوروں نے اس قدر زیادہ دودھ
دیا کہ سارے برتن بھر گئے اور دودھ ختم نہیں ہوا۔ یہ خبر آناً فاناً قرب و جوار کے دیہات میں پھیل گئی
اور لوگ دور دراز دیہات سے اپنے اپنے جانوروں کے دودھ آپ کے پاس لانے لگے۔ آپ کا
دستور تھا کہ آپ تھوڑا سا دودھ ان کے مٹکے میں سے پی کر باقی دودھ دریا میں پھینک دیا کرتے تھے
اور جب ان لوگوں نے گھر جا کر اپنے اپنے جانوروں کو دوہا تو انھوں نے بھی بے حساب دودھ دیا۔ اس
کرامت کا یہ نتیجہ ہوا کہ اب کوئی دودھ والا بھی رائے راجو جوگی کی طرف رُخ نہیں کرتا تھا اور آپ کے پاس
لوگ جوق در جوق آنے لگے۔

رائے راجو جوگی کو جب اس بات کا علم ہوا تو بہت پریشان ہوا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر
کہنے لگا کہ دودھ تو آپ نے ہمارا بند کرا دیا ہے اب میں آپ کا کوئی اور کمال دیکھنے آیا ہوں، آپ نے
فرمایا کہ میں کوئی جادوگر تو ہوں نہیں جو کمالات دکھا سکوں۔ میں تو ایک عاجز و مجبور انسان ہوں ہاں
اگر تم میں کوئی کمال ہے تو دکھاؤ۔ چونکہ اس جوگی نے بڑی بڑی ریاضتیں کی تھیں اور مجاہدہ میں زندگی
گزاری تھی اس نے آپ کے سامنے کئی کرشمے دکھائے حتیٰ کہ ہوا میں اُڑنے لگا۔ جب وہ ہوا میں اُڑ
رہا تھا تو آپ نے اپنی جوتی مبارک اس کی طرف پھینک دی۔ چنانچہ وہ جوتیاں اس کے سر پر پڑنے

لگیں. جب حق کے سامنے باطل کی کوئی پیش نہ گئی تو اس نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا اور آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو گیا۔ اس بیعت کے بعد آپ اس کی باطنی اور روحانی اصلاح فرماتے رہے۔ قبولِ اسلام اور حضرت علی ہجویری سے تربیت پانے کے بعد رائے راجو تاریخ صوفیاء میں حضرت شیخ ہندیؒ کے نام سے مشہور ہوئے۔ (تذکرہ اولیائے پاکستان)

۱۲۲۔ مسجد کے متعلق حضرت علی ہجویریؒ کی کرامت

قیام لاہور کے دوران حضرت علی ہجویری نے اپنی قیام گاہ پر ایک مسجد تعمیر کی۔ اس مسجد پر لوگوں نے یہ اعتراض کیا کہ اس کا رخ درست نہیں۔ آپ نے خاموشی سے لوگوں کا اعتراض سن لیا کچھ وقت کے بعد جب نماز کا وقت ہوا تو آپ نے نماز پڑھائی اور جب لوگ نماز سے فارغ ہو گئے تو تمام حضرات سے فرمایا کہ تم لوگ اس مسجد کے قبلہ پر اعتراض کرتے تھے اب دیکھو کہ قبلہ کس طرف ہے۔ جب انھوں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو یکبارگی قبلہ بالمشافہ بچشم ظاہر نظر آیا۔ حضرت نے فرمایا بتاؤ قبلہ کدھر ہے۔ قبلہ کو سیدھے رخ پر دیکھ کر سب معترضین نادم ہوئے اور آپ سے معذرت چاہی۔ آپ کی کرامات کے ذریعہ گرد و نواح میں شہرت پھیلی اور بے شمار لوگ آپ کی بزرگی اور ولایت کے قائل ہوئے (تذکرہ اولیائے پاکستان)

۱۲۳۔ پُر حکمت بات

حضرت علی ہجویری کا کہنا ہے کہ قیامِ عراق کے زمانے میں میں نے بہت کشادہ دستی سے کام لینا شروع کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں قرض کے بوجھ تلے دب گیا۔ ہوتا یہ تھا کہ جب کسی کو کوئی ضرورت پیش آتی وہ مجھ سے طالبِ امداد ہوتا اور میں کسی نہ کسی طرح اس کی مدد کرتا۔ اس طرح لوگوں کے مطالبات روز بروز بڑھنے لگے اور قرضخواہوں نے تنگ کرنا شروع کر دیا۔ عراق کے ایک سردار نے جو میرے اس حال سے واقف تھا مجھے لکھا کہ تو نے جو طریق کار اختیار کیا ہے اس سے پیدا شدہ پریشانیاں عبادت اور ذکر الٰہی میں مانع ہو جائیں گی۔ یوں اندھا دھند روپیہ خرچ کرنا اچھا نہیں۔ خداوند اپنے بندوں کی ضروریات کے لیے کافی ہے اور اس کے سوا کسی اور میں

یہ قدرت نہیں کہ وہ ہر بندے کی کفایت کر سکے۔ میں نے اس نیک دل سردار کی اس پُر حکمت بات کو
گرہ میں باندھ لیا اور اس تنگی سے چھٹکارا حاصل کیا۔ (کشف المحجوب)

۱۲۴۔ اللہ کے بندوں کی خدمت کی وجہ

حضرت علی ہجویری بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں اپنے مرشد حضرت ابوالفضل الختلی کو وضو کروا
رہا تھا۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ جب ہر کام حسبِ تقدیر صورت پذیر ہوتا ہے تو آزاد لوگ کیوں کرامت
کی امید پر پیروں کے غلام بنے رہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا عزیزمن! میں تیرے دل کی کیفیت سمجھ
رہا ہوں۔ تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ ہر چیز کے لیے سبب درکار ہے۔ جب حق تعالیٰ چاہتے ہیں
کہ کسی صاحب زادہ کو تخت و تاج سے سرفراز کریں تو اسے توبہ کی توفیق عطا فرماتے ہیں اور اپنے
کسی دوست کی خدمت اس کے سپرد کرتے ہیں تاکہ یہ خدمت حصولِ کرامت کا سبب بن جائے۔
ایسے کئی لطیف رموز آپ سے ہر روز ظاہر ہوتے تھے۔ (کشف المحجوب)

۱۲۵۔ دو ہندوؤں کے مشرف بہ ایمان ہونے کا واقعہ

حضرت سید میراں حسین زنجانی کا ابتدائی دور میں یہ معمول رہا کہ گھوم پھر کر تبلیغ کیا کرتے تھے
ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپ کئی روز تک دو ہندوؤں کو روزانہ اللہ کے دین کی دعوت دیتے رہے
ایک دن ان دونوں نے آپس میں کہا کہ یہ بوڑھا ہمیں روزانہ تنگ کرنے آجاتا ہے اور اس نے
نئے دین کا کیا ڈھونگ رچا رکھا ہے۔ وہ آپ کے سخت مخالف ہو گئے۔ آخر کار انھوں نے منصوبہ
بنایا کہ کیوں نہ اس بوڑھے درویش کا کام تمام کر دیں۔ یہ سوچ کر ایک دن آپ کے پیچھے پیچھے تعاقب
کرتے ہوئے آپ کی جائے رہائش تک آ گئے لیکن ابھی شام ہوا چاہتی تھی۔ انھوں نے سوچا کہ ذرا
رات ہو جائے تو پھر آپ کو قتل کر دیں گے۔ اس نیت سے آپ کی جھونپڑی سے دور ہی بیٹھے رہے
جب اندھیرا چھا گیا اور آپ عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد یادِ الٰہی میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک
دونوں ہندو آپ کے کمرے میں آ گئے۔ آپ کا دروازہ کھلا ہی تھا اور وہ آپ پر حملہ آور ہونے
لگے آپ یادِ الٰہی میں مستغرق تھے۔ جونہی انھوں نے تیز چھروں سے آپ پر وار کرنا چاہا تو وہ دونوں

اندھے ہوگئے۔ چنانچہ اندھے ہوکر واپس لوٹنے لگے تو پھر درست ہوگئے۔ جب ٹھیک ہوگئے تو دوبارہ آپ پر حملہ آور ہوئے لیکن پھر اندھے ہوگئے۔ اسی طرح جب تیسری بار اندھے ہوکر درست ہوئے تو ان کا دل بیدار ہوگیا کہ یہ تو کوئی اللہ کا برگزیدہ انسان ہے۔ اس کی دعوت سچی ہے ہم ہی جھوٹے ہیں۔ آخر آپ کے قدموں پر گر گئے اور آپ کے دستِ حق پرست پر مشرف بہ ایمان ہوگئے۔ اور آخری دم تک پھر آپ کی خدمت میں گاہے بگاہے حاضری دیا کرتے تھے۔ (آفتابِ زنجان)

۱۲۶۔ کوڑھ کی بیماری سے شفاء

حضرت سید میراں حسین زنجانی کے زمانے کا واقعہ ہے کہ اس دور میں لاہور کے مشرقی علاقے میں ایک ہندو رام چندر نامی رہتا تھا۔ جو بڑا امیر کبیر، بہت سے عالیشان مکان اور زمین کا مالک تھا لیکن وہ جذام (کوڑھ) کی بیماری میں مبتلا تھا۔ اس بیماری کی وجہ سے وہ زندگی سے بیزار ہوچکا تھا اور اس کا یہ حال ہوچکا تھا کہ کپڑے بھی نہیں پہن سکتا تھا۔ جب اس نے آپ کی روحانیت کا چرچا سنا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی کہ یا حضرت میری حالتِ زار آپ کے سامنے ہے، مجھے اس عذاب سے نجات دلانے کے لیے کچھ کیجیے۔ آپ نے دیکھا کہ اس کے جسم سے بدبو آرہی تھی اور پیپ بہ رہی تھی۔ چنانچہ آپ نے اسی وقت تھوڑا سا پانی اسے دم کرکے دیا جسے وہ عام پانی میں ملا کہ ہر روز نہاتا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا۔ اس پانی کی تاثیر اور آپ کی دعا کے اثر سے صرف دس یوم میں تندرست ہوگیا۔ آپ کی کرامت کا اس پہ اتنا اثر ہوا کہ صحت یاب ہوتے ہی حلقہ بگوشِ اسلام ہوگیا اور آپ نے اس کا نام عبداللہ رکھا۔ (آفتابِ زنجان)

۱۲۷۔ ایک عقیدتمند کی روحانی مدد کا واقعہ

ایک دفعہ ایک عقیدت مند جو حضرت سید میراں حسین زنجانی کے پاس آتا جاتا رہتا تھا اور آپ کی بزرگی کا انتہائی قائل تھا۔ وہ کسی کام کے لیے دریائے راوی کے کنارے پر آیا۔ دریا کو بذریعہ کشتی عبور کیا۔ اس کے بعد ایک مقام پر گیا جہاں اسے کام تھا۔ کام کرنے کے بعد واپس لوٹا

ابھی دریا تک پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ اچانک موسم خراب ہوگیا۔ تیز آندھی چلنا شروع ہوگئی۔ ساتھ ہی بارش ہونے لگی۔ طوفان کا سا سماں پیدا ہوگیا مگر اسی خراب موسم میں دریا کے کنارے تک واپس پہنچ آیا تاکہ بذریعہ کشتی دریا کو عبور کرکے گھر کی راہ لے لیکن موسم کی خرابی کے باعث اسے واپسی کے لیے کوئی کشتی نہ ملی۔ اتنے میں رات کی تاریکی چھا گئی لیکن جوں جوں رات چھانا شروع ہوئی، جنگل کی تنہائی میں خوف بڑھنے لگا۔ طوفان اگرچہ تھم چکا تھا لیکن اب واپسی کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی مرتا کیا نہ کرتا، اتنے میں اس نے دیکھا ایک جنگلی درندہ اس کی طرف آرہا ہے، اسے تو جان کے لالے پڑ گئے لیکن جونہی جان کا خطرہ لاحق ہوا تو حضرت سید میران حسین زنجانی کو یاد کرنے لگا۔ اور اللہ سے فریاد کرنے لگا کہ اگر واقعی وہ تیرا ولی ہے تو آج اسے میری مدد کے لیے بھیج۔ اس کا یہ دعا کرنا تھا کہ اس نے فوراً دیکھا کہ فوراً حضرت سید میران حسین زنجانی اس کے سامنے کھڑے ہیں، اتنے میں وہ درندہ بھی قریب آگیا تھا لیکن جب آپ نے اللہ کا نام لے کر آنکھیں بند کرنے کو کہا۔ جونہی اس نے آنکھیں بند کیں اور تھوڑی دیر کے بعد اسے کہا کہ آنکھیں کھولو۔ جب اس نے آنکھیں کھولیں تو اس نے دیکھا کہ وہ حضرت سید میران حسین زنجانی کی جائے قیام پر آپ کے کمرے کے اندر کھڑا ہے۔ وہ اپنی جان بچنے پر بہت خوش ہوا اور حضرت کا بیحد مشکور رہا۔ رات آپ کے پاس ٹھہرا اور دن ہوتے ہی اپنی راہ لی۔ (آفتاب زنجان)

۱۲۸۔ اللہ کے بندوں کے ذریعے روحانی مدد

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت سید میران حسین زنجانی کسی کام کی غرض سے دریائے راوی کے پار دوسرے کنارے پر جانا چاہتے تھے۔ چنانچہ آپ نے ایک کشتی کے ملاح سنتو رام سے کہا کہ ہمیں کشتی میں بٹھا لو مگر ہمارے پاس کرایہ نہیں۔ سنتو رام نے کہا، جا بابا کام کر اگر ہم روزانہ تمھارے جیسے لوگوں کو مفت دریا پار کرواتے رہیں تو شام کو روٹی کہاں سے کمائیں۔ آپ نے فرمایا سب کے رزق کا کارساز تو اللہ ہے۔ حتیٰ کہ کشتی بھر گئی اور ملاح کشتی لے کر دریا میں چل دیا آپ واپس آگئے، قدرت خدا کی، دریا بہت طغیانی میں تھا اور یکدم آندھی آگئی۔ کشتی قابو سے باہر ہوگئی اور ڈوبنے لگی۔ سنتو رام کے دل میں آیا کہ کاش میں اس درویش کو کشتی میں بٹھا لیتا

تو کشتی نہ ڈوبتی۔ آپ کا خیال آنا ہی تھا کہ سنتورام نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کے خیال کی بنا پر کشتی کو ڈوبنے سے بچا لیا اس طرح آپ کی روحانی مدد سے کشتی ڈوبنے سے بچ گئی۔ اس روز سے سنتورام آپ کی تلاش میں رہنے لگا۔ آخر ایک روز آپ سے ملاقات ہو گئی اور اپنے کیے پر معافی مانگتے ہوئے مسلمان ہو گیا آپ نے اس کا نام محمد زبیر رکھا

۱۲۹۔ اللہ کے فقیر کی دُعا کا اثر

حضرت سید میران حسین زنجانی کی قیام گاہ سے کچھ فاصلے پر ایک ہندو کاشتکار کے کھیت تھے، کھیتی باڑی سے اپنا معاش کیا کرتا تھا۔ وہ صاحبِ اولاد تھا اور اس کے تین بیٹے تھے جو اپنے باپ کے ساتھ ہی کھیتی باڑی کیا کرتے تھے۔ وہ ہندو کاشتکار عرصہ سے دمہ کے مرض میں مبتلا تھا۔ جب اسے پتہ چلا کہ اس کے کھیتوں کے قریب ہی ایک درویش ہے تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آکر عرض کرنے لگا کہ میں دمہ کا مریض ہوں۔ بیشمار طبیبوں سے علاج کروایا ہے لیکن کہیں سے بھی شفا یابی نہیں ہوئی۔ آپ ہی میرا علاج کیجیے، آپ مسکرائے اور فرمانے لگے کہ میں کوئی حکیم نہیں کہ تیرا علاج کروں۔ البتہ ایک شرط ہے کہ تم دین اسلام قبول کر لو تو اللہ تمھیں ہمیشہ کے لیے تندرست کر دیگا۔ اس ہندو نے سوچا کہ دل سے مسلمان نہیں ہوتا بظاہر کلمہ پڑھ لیتا ہوں، تندرست ہو جاؤں بعد میں دیکھا جائے گا۔ چنانچہ اس نے آپ کے کہنے پر کلمہ طیبہ پڑھ لیا اور مسلمان ہو گیا تو اس کی تکلیف فوراً جاتی رہی۔ جب وہ جانے لگا تو آپ نے فرمایا کہ سچے دل سے مسلمان رہو گے تو ہمیشہ کے لیے تمھاری بیماری ختم ہو جائے گی اگر اللہ کو دھوکہ دینے کی نیت ہے تو پھر اسی مرض میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اس نے سوچا آپ کو میرے دل کی بات کیسے معلوم ہو گئی ہے۔ لہٰذا آپ کے قدم پکڑ کر عرض کرنے لگا کہ آپ کو میرے دل کی نیت کا کیسے پتہ چلا؟ تو آپ نے فرمایا اللہ جسے چاہتا ہے دوسروں کے پوشیدہ راز بتا دیتا ہے اس کے بعد وہ سچے دل سے تائب ہو کر مسلمان ہوا اور ہمیشہ کے لیے آپ کا عقیدت مند بن گیا، عقیدت مندی کے بعد وہ عموماً اپنے کھیتوں سے آپ کی خدمت میں سبزی، اجناس وغیرہ بھیجتا رہتا تھا اس کے مسلمان ہونے اور آپ کی خدمت میں اشیاء بھیجنے پر اس کے لڑکے اپنے باپ سے اکثر ناراض رہنے لگے۔ حتیٰ کہ چند

سالوں کے بعد وہ اس فانی دنیا سے کوچ کر گیا۔ جب وہ فوت ہوگیا تو اس کے بیٹوں نے آپ کی خدمت میں سبزی بھیجنا بند کر دی اور کہنے لگے کہ ہمارا باپ تو بیوقوف تھا کہ ایک درویش کے پیچھے لگا ہوا تھا ان کا یہ خیال کرنا ہی تھا کہ یک دم ایک ہی دن میں ان کے کھیتوں کی فصل خشک ہوگئی جب ایک ہی دن میں ان کے آلو گاجر، مولی اور شلغم کے کھیت خراب ہو گئے تو ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ بھگوان کی اس ناراضگی میں ضرور اس درویش کا ہاتھ ہے کیونکہ ہم نے اپنے باپ کی وصیت پر عمل کرنا ترک کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ تینوں بھائی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے کیے پر نادم ہوئے اور کہنے لگے کہ دعا فرمائیں کہ ہمارا نقصان پورا ہو جائے آپ نے دعا کی تو دوسرے روز یک دم ان کے کھیت پھر سے ہرے بھرے ہو گئے۔ وہ آپ کی دعا سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے اور آپ کی خدمت اپنے باپ ہی کی طرح آپ کے آخری دم تک کرتے رہے۔ (آفتاب زنجان)

۱۳۰۔ کشف القلوب کا واقعہ

آخری عمر میں حضرت سید میراں حسین زنجانی کے عقیدتمندوں میں کافی اضافہ ہوگیا تھا ایک دفعہ تین آدمیوں نے آپ کی شہرت سنی کہ آپ اللہ کے فقیر ہیں۔ لہٰذا آپ کی خدمت میں کاروبار میں خیر و برکت کی دعا کرانے کی غرض سے آنے کا ارادہ کیا۔ جونہی وہ آپ کے پاس آنے کے لیے چلے تو راستے میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہوئے چلے آرہے تھے کہ ان میں سے ایک شخص اپنے ساتھی سے پوچھنے لگا کہ تم کیا کھانا چاہتے ہو۔ وہ کہنے لگا حلوہ کھانے کو دل چاہتا ہے، کیا بابا جی سے حلوہ لے گا، پھر وہ اس سے پوچھنے لگا تمھارا دل کیا کھانا چاہتا ہے؟ اس نے کہا میں آم کھانا چاہتا ہوں حالانکہ وہ آموں کا موسم نہیں تھا، پھر دونوں تیسرے سے کہنے لگے تمھارا دل کیا چاہتا ہے؟ اس نے کہا کیا حضرت ہمیں پکوڑے کھلائیں گے، باتیں کرتے ہوئے سفر کٹ گیا اور حضرت سید میراں حسین زنجانی کے پاس آپہنچے۔ آپ کمرے میں تشریف فرما تھے یاد الٰہی میں مگن تھے کہ تینوں دوست آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ازراہ مروت ان سے خیر و عافیت پوچھی اور آنے کا مدعا پوچھا انھوں نے کہا کہ سرکار دعا کیجیے کہ ہم اجناس کے تھوک فروش تھے ہمارا کاروبار خراب ہوگیا ہے۔ ذریعۂ آمد کم ہوگیا آپ نے ان کے لیے کاروبار میں برکت کی دعا فرمائی۔ اس کے بعد آپ کے پاس کچھ کھجوریں

پڑی ہوئی تھیں۔ آپ نے مہمان نوازی کے طور پر وہ کھجوریں ان کی خدمت میں پیش کیں اور تناول فرمانے کو کہا۔ جس شخص نے حلوے کی خواہش کی اسے مخاطب ہو کر آپ نے فرمایا کہ کھائیے یہ حلوہ ہی ہے، جس نے آم کھانے کی خواہش کی اسے مخاطب ہو کر آپ نے فرمایا کھائیے آم ہی ہے، جس نے پکوڑے مانگے تھے اسے کہا کھاؤ پکوڑے ہی ہیں۔ وہ آپ کی بات سن کر حیران ہوئے کہ یہ کھجوریں حلوہ، آم اور پکوڑے کس طرح ہو سکتے ہیں لیکن جونہی انھوں نے کھجوریں اٹھا کر منہ میں ڈالیں تو جس نے حلوہ مانگا تھا اس کے منہ میں حلوہ بن گیا۔ جس نے آم مانگے تھے منہ میں ڈالتے ہی وہ آم بن گئیں۔ جس نے پکوڑے مانگے تھے اسے کھجور کھانے سے پکوڑوں کا ذائقہ آیا۔ وہ حیران ہو گئے کہ ہم نے آپ پر اپنے دل کی خواہش کا اظہار نہیں کیا تھا مگر جو چیز مانگی تھی وہی ملی ہے۔ وہ آپ کے اس روحانی تصرف پر بیحد حیران ہوئے اور آپ کی مدح سرائی کرتے ہوئے آپ سے رخصت ہوئے۔ (آفتاب زنجان)

۱۳۱۔ دستِ غیب سے رزق ملنے کا واقعہ

حضرت سید میراں حسین زنجانی کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے حقیقی بھائی حضرت سید یعقوب زنجانی آپ سے ملنے کے لیے آپ کے پاس تشریف لائے اگرچہ اکثر آپ کی ان سے ملاقات ہوتی رہتی تھی لیکن اس روز حضرت یعقوب زنجانی کافی دیر تک بیٹھے رہے۔ اتنے میں رات چھا گئی، آپ چاہتے تھے کہ ان کی مہمان نوازی کریں لیکن آپ کے پاس اس وقت کھانے کی کوئی چیز میسر نہ تھی۔ دونوں حضرات نے مل کر نماز مغرب ادا کی اور اس کے بعد اندر کمرے میں بیٹھ گئے۔ حضرت یعقوب زنجانی جانے لگے تو آپ نے انھیں مشورہ دیا کہ رات ٹھہر جائیں۔ رات کا اندھیرا چھا چکا ہے اور اب جانے میں تکلیف ہوگی لہٰذا وہ رک گئے۔ آپ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ آج کچھ ہوتا تو میں بھائی صاحب کو کھلاتا۔ خیال کا آنا ہی تھا کہ یک دم آپ کمرے سے باہر نکلے۔ اچانک آپ نے دیکھا کہ ایک نوجوان ہاتھ میں کھانا اٹھائے ہوئے کھڑا ہے۔ اس نے کھانا آپ کو پکڑایا اور خود غائب ہو گیا۔ آپ فوراً سمجھ گئے کہ یہ تو اللہ کی طرف سے خصوصی عنایت ہے آپ نے وہ کھانا حضرت یعقوب زنجانی کے سامنے کھانے کے لیے پیش کیا اور پھر دونوں بھائیوں نے سیر ہو کر کھایا۔ خوبی کی بات یہ ہے کہ کھانا بالکل تازہ اور گرم تھا جیسے کسی نے ابھی پکایا ہو۔ دستِ غیب سے رزق ملنے کے کئی واقعات آپ کے

ساتھ پیش آئے جن میں سے ایک واقعہ مندرجہ بالا بھی ہے۔ (آفتابِ زنجان)

۱۳۲۔ حضرت سیّد میراں حسین زنجانی کی کرامت

حضرت سید میراں حسین زنجانی کے زمانے کا واقعہ ہے کہ اندرونِ شہر ایک عورت رہتی تھی جس کا نام بلونت کور تھا جو مذہباً ہندو تھی۔ شادی کے بعد عرصہ دراز تک اس کے گھر اولاد نہ ہوئی اس نے اپنے عقیدے کے مطابق اس زمانے کے بڑے بڑے مشہور پروہتوں اور جوگیوں سے اولاد کے لیے تعویذ گنڈے کروائے لیکن کچھ نہ بنا آخر کار کسی سے آپ کی بزرگی کا چرچا سن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا مدعا بیان کیا۔ آپ نے نگاہِ باطن سے لوحِ محفوظ پر دیکھا تو اس کے مقدر میں اولاد نہ تھی آپ نے اسے کہا کہ تمہارے مقدر میں اولاد نہیں۔ اس نے کہا اسی لیے تو آپ کی خدمت میں آئی ہوں کہ آپ بھگوان کے حضور میرے لیے دعا فرمائیں تاکہ میری جھولی اولادِ نرینہ سے ہری بھری ہو۔ آپ کو اس عورت کی حالتِ زار پر رحم آیا اور آپ نے اللہ کے حضور اس کے لیے دعا کی۔ بارگاہِ رب العزت میں آپ کی دعا قبول ہو گئی تو آپ نے اس عورت کو خوشخبری دی کہ جاؤ اللہ تمہیں بیٹا عطا فرمائے گا اور وہ کلمہ پڑھتا ہوا نظر آتا ہے یعنی وہ مسلمان ہو گا۔ آخر وہ عورت آپ کی دعا لے کر چلی گئی، کچھ عرصہ کے بعد اسے اولاد کی امیدواری ہو گئی اور وقت مقررہ پر اس کے گھر بیٹا پیدا ہوا۔ اولادِ نرینہ کے ملنے پر بہت خوش ہوئی۔ جب بچہ چند ماہ کا ہوا تو اسے لے کر آپ کی خدمت میں سلام کی غرض سے آئی اور آپ کی دعائیں لے کر واپس لوٹی۔ لیکن اللہ کو منظور ہی ایسا تھا کہ کچھ عرصہ کے بعد بلونت کور مر گئی، بچہ پلتا رہا، بچے کو کیا معلوم تھا کہ وہ کسی اللہ والے کی دعا سے پیدا ہوا ہے۔ جب بچہ جوان ہوا تو ایک رات اس نے خواب میں دیکھا کہ اللہ کا ایک بزرگ اسے کلمہ پڑھا رہا ہے اور خواب ہی میں آپ کے دستِ حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوا۔ جب وہ بیدار ہوا تو بڑا حیران ہوا کہ اس کے ذہن پر گہرا اثر ہوا اور خواب کی تعبیر میں متفکر رہنے لگا آخر ایک دن یوں ہوا کہ آپ اندرونِ شہر تبلیغ کر رہے تھے کہ وہ لڑکا بھی ادھر آ نکلا اس نے جب آپ کو دیکھا تو اسے یاد آیا کہ یہ تو وہی بزرگ ہیں جنھیں میں نے خواب میں دیکھا تھا، آگے بڑھا تو آپ نے فوراً گلے لگا لیا اور آپ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوا اور آپ کے آخری دم تک آپ کی خدمت کرتا رہا۔

(آفتابِ زنجان)

۱۳۳۔ سات شمعیں

حضرت احمد خضرویہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ کوئی بزرگ آپ کے یہاں تشریف لائے تو آپ نے ازراہِ مہمان نوازی اس دن سات شمعیں روشن کیں۔ یہ دیکھ کر ان بزرگ نے اعتراض کیا کہ یہ تکلفات تو تصوف کے منافی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے تو یہ تمام شمعیں صرف خدا کے واسطے روشن کی ہیں اور اگر آپ غلط سمجھیں تو پھر ان میں سے جو شمع خدا کے لیے روشن نہ ہو اس کو بجھا دیں۔ یہ سن کر وہ بزرگ تمام شب شمعوں کو بجھانے میں مشغول رہے لیکن ایک بھی نہ بجھ سکی۔ پھر صبح کو آپ نے فرمایا کہ میرے ساتھ چلو۔ میں تمھیں قدرت کے عجائبات کا نظارہ کرانا چاہتا ہوں۔ چنانچہ جب ایک گرجا کے دروازے پر پہنچے تو وہاں ایک کافر بیٹھا ہوا تھا اور اس نے آپ کو دیکھتے ہی بہت تعظیم کے ساتھ دستر خوان بچھوایا اور کھانا چن کر عرض کیا کہ آیئے ہم دونوں کھانا کھائیں۔ آپ نے فرمایا کہ خدا کے غنیم کے ساتھ کیسے کھا سکتے ہیں۔ یہ سن کر وہ ایمان لے آیا اور اس کے ہمراہ مزید ۶۹ افراد مسلمان ہو گئے اور اسی شب آپ نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو یہ فرماتے دیکھا کہ اے احمد! تو نے ہمارے لیے سات شمعیں روشن کیں اور اس کے صلہ میں ہم نے تیرے ہی وسیلے سے ستر قلب کو نورِ ایمانی سے منور کر دیا (تذکرۃ الاولیاء)

۱۳۴۔ توکّل کی انتہا

حضرت احمد خضرویہ فرمایا کرتے تھے کہ سفرِ حج کے دوران میرے پاؤں میں کانٹا چبھ گیا اور میں نے اس تصور سے نہیں نکالا کہ اس سے توکّل متاثر ہو جائے گا۔ چنانچہ خار پڑنے سے میرا پاؤں متورم ہو گیا جس کی وجہ سے میں لنگڑاتے ہوئے داخلِ مکہ ہوا اور اسی حالت میں حج کر کے واپس ہو گیا لیکن راہ میں لوگوں نے اصرار کر کے وہ کانٹا نکال دیا اور جب میں حضرت بایزید کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے مسکرا کر پوچھا کہ جو اذیت تم کو دی گئی تھی وہ کہاں گئی؟ میں نے جواب دیا کہ میں نے تو اپنے اختیار کو اس کے تابع کر دیا تھا۔ اس پر حضرت بایزید نے فرمایا کہ خود کو صاحبِ اختیار تصور کرنا کیا شرک میں داخل نہیں۔ (تذکرۃ الاولیاء)

۱۳۵۔ اصلاح کا انوکھا انداز

حضرت احمد خضرویہ کی خدمت میں ایک مرتبہ ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں مجبور درویش ہوں مجھے کوئی طریقہ بتائیے کہ میری مشکل آسان ہو۔ حضرت نے فرمایا کہ تمام پیشوں کا نام لکھ کر ایک تھیلی میں رکھ کر میرے پاس لے آ۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ حضرت نے تھیلی میں سے ہاتھ ڈال کر ایک کاغذ نکالا اس پر پیشہ چوری لکھا ہوا تھا۔ آپ نے اسے فرمایا کہ تمھیں چوری کرنی چاہیئے۔ وہ شخص حیران رہ گیا کہ شیخ مجھے چوری کا حکم دے رہے ہیں لیکن اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ چنانچہ وہ چوروں کے سردار کے پاس گیا اور کہا کہ مجھے تمھارے پیشے سے رغبت ہے۔ مجھے اپنے گروہ میں شامل کر لو۔ سردار نے کہا کہ اچھا، لیکن تمھیں ہمارا ہر حکم بجالانا پڑے گا۔ چنانچہ انھوں نے حامی بھرلی اور گروہ میں شامل ہو گئے چند روز بعد چوروں نے ایک قافلے کو لوٹا اور ایک شخص کو جس کے پاس بہت سا مال تھا پکڑ لیا اور لے آئے۔ سردار نے حکم دیا کہ اس نو پیشہ شخص سے کہو کہ اس سوداگر کو قتل کر دے۔ نو پیشہ نے قدرے توقف کیا اور دل میں سوچا کہ اس چوروں کے سردار نے نہ جانے کتنے بے گناہوں کو قتل کیا ہوگا۔ اگر میں اسے قتل کردوں تو یہ سوداگر کے قتل کرنے سے بہتر ہوگا۔ ابھی وہ یہی سوچ رہے تھے کہ سردار نے ان سے کہا کہ اگر تم یہ کام کرنے آئے ہو تو کرو، ورنہ کوئی اور کام کرو۔ نو پیشہ نے سوچا کہ اگر تابعداری کرنی ہے تو حق تعالیٰ کی تابعداری سب سے افضل ہے۔ یہ سوچتے ہی انھوں نے فوراً تلوار نکالی اور سردار کو قتل کر دیا۔ دوسرے چور خوفزدہ ہو کر بھاگ گئے اور سوداگر نے خلاصی پائی اور اسے تمام مال واپس مل گیا۔ اس سوداگر نے درویش کو اتنا مال انعام میں دیا کہ وہ اپنی باقی زندگی کے لیے مطمئن ہو گئے۔ اور حق تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہو گئے۔ (تذکرۃ الاولیاء)

۱۳۶۔ تزکیۂ نفس

حضرت احمد خضرویہ اپنے نفس پر بے حد جبر سے کام لیتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ عوام جہاد پر روانہ ہوئے تو آپ کے نفس نے بھی جہاد کا تقاضا کیا لیکن آپ کو یہ خیال ہو گیا کہ نفس کا کام چونکہ ترغیب عبادت نہیں ہے اس لیے مجھے کسی مکر میں مبتلا کرنا چاہتا ہے اور شاید اس کی ترغیب کا یہ مقصد ہو، کہ

دوران سفر روزے نہیں رکھنے پڑیں گے۔ رات کو عبادت سے چھٹی مل جائے گی اور لوگوں سے ربط وضبط کا موقع مل جائے گا مگر نفس نے ان چیزوں سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ ان میں سے کوئی بات نہیں ہے۔ پھر جب آپ نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! ہم کو فریبِ نفس سے محفوظ رکھ۔ تو اللہ تعالیٰ نے نفس کا فریب ظاہر فرمادیا کہ نفس کا یہ فریب تھا کہ چونکہ آج تک میری کوئی خواہش پوری نہیں ہوئی لہٰذا میں جہاد میں شریک ہو کر شہید ہو جاؤں اور تمام جھنجھٹوں سے چھٹکارا مل جائے۔ یہ سن کر آپ نے اس دن سے نفس کشی میں اور بھی اضافہ کر دیا (تذکرۃ الاولیاء)

۱۳۷۔ چور کی عبادت کا صلہ

ایک مرتبہ حضرت احمد خضرویہ کے یہاں چور آ گیا لیکن جب خالی ہاتھ جانے لگا تو آپ نے فرمایا کہ میرے ساتھ رات بھر عبادت کرو اور اس کا جو کچھ صلہ مجھ کو ملے گا وہ میں تمہیں عطا کروں گا۔ چنانچہ وہ رات بھر آپ کے ہمراہ مشغول عبادت رہا اور صبح کو جب کسی دولت مند نے بطور نذرانہ سو دینار بھیجے تو آپ نے اس چور کو دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ تو صرف ایک شب کی عبادت کا معاوضہ ہے۔ یہ سن کر چور نے کہا کہ صد حیف میں نے آج تک اس خدا کو فراموش کیے رکھا جس کی ایک رات عبادت کرنے کا یہ صلہ ملتا ہے پھر توبہ کر کے آپ کے ارادت مندوں میں شامل ہو گیا اور بہت بلند مراتب حاصل کیے (تذکرۃ الاولیاء)

۱۳۸۔ فکرِ آخرت

حضرت یحییٰ بن معاذ کا واقعہ ہے کہ ایک دن آپ بازار میں سے گزر رہے تھے کہ ایک جگہ آپ کو لوگوں کا بہت بڑا ہجوم نظر آیا۔ جب قریب پہنچے تو ہجوم کے اندر آپ کو ایک شخص زار وقطار روتا ہوا نظر آیا آپ نے وہاں پر موجود لوگوں سے دریافت فرمایا کہ یہ شخص کیوں رو رہا ہے۔ ہجوم میں ایک بد اخلاق اور مسخری طبیعت کا آدمی بھی موجود تھا اس نے آپ کو طنزیہ لہجے میں کہا۔ واہ میاں جی! رونے والے شخص سے تو آپ پوچھ نہیں رہے اور لوگوں سے کہہ رہے ہیں کہ اسے کیا ہوا ہے۔ حضرت یحییٰ بن معاذ نے فرمایا، میں نے کسی ایک شخص سے یہ سوال نہیں کیا بلکہ ہجوم میں موجود تمام لوگوں سے پوچھا ہے کہ وہ یہاں کس لیے مجمع لگائے ہوئے ہیں۔ اگر تمہیں کچھ معلوم نہیں تو یہاں پر کیوں کھڑے ہو؟ اس پر دوسرے شخص نے پھر کہا

ہمیں کچھ معلوم نہیں آپ خود اس سے دریافت کر لیں۔ چنانچہ آپ نے رونے والے شخص سے براہ راست دریافت فرمایا کہ اے شریف انسان! تیری آواز میں یہ دکھ درد اور کرب کیسا ہے، کیا تو ہمیں بتائے گا کہ کیوں روئے جا رہا ہے؟ رونے والا شخص چند لمحوں تک خاموش ہو کر ٹکٹکی باندھے آپ کی طرف دیکھتا رہا اور پھر بولا۔ یحییٰ بن معاذ! تم اس ہجوم میں واحد شخص موجود دل کی گہرائیوں سے میرے دل کی کسک سمجھتے ہو۔ بات یہ ہے کہ میں اپنے گھر سے ایک دینار لے کر چلا تھا جس سے مجھے بعض ضروری چیزیں خریدنا تھیں۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ دینار کے وزن کا ایک معیار مقرر ہے مگر جب میں نے تمام اشیاء خرید کر وہ دینار دکاندار کو دیا تو اس نے دینار کا وزن کر لیا جو مقررہ وزن سے کم تھا لہٰذا اس نے مجھے وہ دینار واپس کر دیا اور اپنی چیزیں واپس لے لیں۔ بس اسی بات پر مجھے رونا آ رہا ہے۔

وہاں پر ہجوم میں شامل تمام لوگ بھی بڑے غور سے اس آدمی کی باتیں سن رہے تھے مگر اس وقت تو ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب آپ بھی اس شخص کے ساتھ رونے لگے۔ چنانچہ لوگوں نے یک نہ شد دو شد کا تماشا دیکھا تو وہ فلک شگاف قہقہے لگانے لگے۔ ہجوم میں ایک بوڑھا شخص بھی موجود تھا جس نے یحییٰ بن معاذ کی طرف دیکھا تو سختی سے ہجوم کو ڈانٹ دیا اور کہا لوگو! یہ تم پاگلوں کی طرح کیوں ہنس رہے ہو اپنے ہوش و حواس قابو میں رکھو۔ مگر لوگوں کی طرف سے ہنسی مذاق کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔ بوڑھے نے جب لوگوں کو دوبارہ ہنسی سے منع کیا تو ایک شخص تنک کر بولا۔ ہم کیوں ہنسنا بند کریں جب یہ دو آدمی خواہ مخواہ رو رہے ہیں، تو کیا ایسے میں ہمیں ہنسنے کی اجازت بھی نہیں ہے۔ پھر وہ بوڑھا شخص بولا اگر بات یہ ہے تو میں آپ کے سامنے ان دونوں آدمیوں سے رونے کا سبب معلوم کرتا ہوں۔ چنانچہ عمر رسیدہ شخص نے حضرت یحییٰ بن معاذ سے دریافت کیا کہ حضرت! آخر آپ کے رونے کا سبب کیا ہے اگر دینار کے وزن میں تھوڑی بہت کمی ہو گئی ہے تو اس میں رونے والی کونسی بات ہے؟

اس بزرگ کی بات سن کر یحییٰ بن معاذ نے جواب میں فرمایا۔ اس اجنبی نے ہمیں جو کچھ بتایا ہے اس میں ہمارے لیے عبرت کا سامان ہے۔ بزرگ آدمی نے پھر کہا کہ برائے مہربانی آپ اپنے جواب کی ذرا مزید وضاحت کر دیں کیونکہ ہم ابھی تک ٹھیک سے آپ کی بات سمجھ نہیں پائے۔ آپ نے جواب دیا بزرگوار یہ رمز کی باتیں ہیں۔ اگر باتیں اثر کر گئیں تو گویا ہم اپنے مقصد میں کامیاب و کامران ہو جائیں گے۔ بزرگ نے اصرار کرتے ہوئے کہا کہ اب آپ ہمیں جو کچھ بتائیں گے ہم بحیثیت ایک راسخ العقیدہ مسلمان اس کو صحیح

معنوں میں دوسروں تک پہنچائیں گے۔ حضرت یحییٰ بن معاذ نے کہا میں نے اس شخص سے جب رونے کی وجہ دریافت کی تو اس نے مجھے بتایا کہ وہ گھر سے سونے کا جو دینار لے کر چلا تھا بازار میں پہنچتے اس کی قیمت کم ہو گئی اور وہ چل نہ سکا یعنی مطلب یہ ہوا کہ گھر کی بات بازار تک آتے آتے بے اعتبار ہو گئی۔ اس میں سوچنے والی بات یہ ہے کہ ہمارے سارے اعمال اور اس دنیا کی ساری باتیں قیامت کے روز اگر اسی طرح بے اعتبار ہو گئیں تو ہمارا پھر کیا انجام کار ہو گا۔ بس یہی بات سوچ کر میری آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے تھے۔

یحییٰ بن معاذ کی بات سے مطمئن ہو کر بزرگ نے پھر اس شخص سے رونے کا سبب پوچھا جس کے دینار کا وزن کم ہو گیا تھا، اس نے جواب دیا میرے رونے کی وجہ یہی ہے کہ یحییٰ بن معاذ روشن ضمیر انسان ہیں۔ اب بزرگ کی سمجھ میں ساری بات آ چکی تھی۔ اس نے لوگوں سے کہا۔ تم نے ان دونوں کا جواب سن لیا اب ضرورت اس امر کی ہے کہ تم بھی سب مل کر رونا شروع کر دو کیونکہ تم اپنی آخرت سے غافل ہو چکے ہو اب تو مجمع پر ایک خوف سا طاری ہو چکا تھا بہت سے لوگوں کی آنکھوں میں نمی آ چکی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یحییٰ بن معاذ کی باتوں نے ان پر گہرا اثر چھوڑا ہے۔ اس موقع پر یحییٰ بن معاذ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا، اے خدا کے بندو! یقین جانو تم میں سے جو شخص اللہ تعالیٰ کو جان لے گا اس پر کبھی عذاب نہیں آئے گا اور جو خدا شناسی میں ناکام رہے گا تو سمجھ لو کہ اس پر جہنم کے دروازے کھول دیے جائیں گے۔ اب تم ہی بتاؤ لوگو کہ میں اس سے کیونکر غافل ہو جاؤں جو مجھ سے ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہیں ہوتا۔ میں جانتا ہوں کہ جس نے اپنے معبودِ حقیقی کو پہچان لیا وہ خود دوزخ کی آگ کے لیے ایک عذاب بن جائے گا لیکن جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچاننے میں کوتاہی کی، دوزخ کی آگ اس کا مقدر بن جائے گا۔

کہتے ہیں کہ یحییٰ بن معاذ کی اس ایمان افروز تقریر نے پورے مجمع کو رلا کر رکھ دیا اور سب کی آنکھوں سے اشکوں کا سیلاب بہ نکلا اور اس وقت مجمع میں جتنے بھی لوگ موجود تھے وہ محض آپ کے وعظ کی وجہ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نیکی کی طرف لوٹ آئے۔

-:-

۱۳۹۔ قرض کی ادائیگی کا ذریعہ

حضرت یحییٰ بن معاذ دوسروں کی مشکلات اور پریشانیوں کو حل کرنے میں اس قدر دلچسپی لیتے تھے کہ ان کی وجہ سے کئی کئی دنوں تک آپ خود پریشانیوں میں مبتلا رہتے تھے مگر کبھی حرف شکایت زبان پر نہ لاتے تھے آپ ایک لاکھ درہم کے محض اس لیے مقروض ہو گئے کہ حاجیوں، نمازیوں، فقراء، صوفیاء اور علماء وغیرہ کو دوسروں سے قرض لے کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ جب قرضہ دینے والوں نے تقاضا شروع کیا تو آپ کو جمعہ کی شب خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی تو آپ فرما رہے تھے اے یحییٰ رنجیدہ نہ ہو، تیرے لیے حکم ہے کہ تو ہر شہر میں جا کر وعظ کر اور میں ایک شخص کو حکم دے دوں گا کہ وہ تجھے تین لاکھ درہم دے دے۔ چنانچہ یحییٰ بن معاذ نے سب سے پہلے نیشاپور میں پہنچ کر فرمایا، میں خدا کے نبی کے حکم پر شہر در شہر وعظ گوئی کے لیے نکلا ہوں کیونکہ میں ایک لاکھ درہم کا مقروض ہو چکا ہوں اور حضورؐ نے فرمایا ہے کہ ایک شخص تیرا قرض ادا کر دے گا۔ یحییٰ بن معاذ کی یہ بات سن کر ایک شخص نے پچاسی ہزار درہم دوسرے نے چالیس ہزار درہم اور تیسرے نے دس ہزار درہم کی پیش کش کی لیکن آپ نے فرمایا کہ مختلف لوگوں سے مجھے قرض کی ادائیگی منظور نہیں کیونکہ مجھے تو حکم یہ ملا ہے کہ صرف ایک شخص میرا قرض ادا کرے گا اس کے بعد آپ نے ایسے متاثر انداز میں وعظ فرمایا کہ مجلس میں موجود سات افراد پر غشی طاری ہو گئی۔

پھر وہاں سے آپ بلخ پہنچے اور تونگری کے فضائل کچھ اس انداز میں بیان فرمائے کہ ایک ہی شخص نے آپ کو ایک لاکھ درہم کا نذرانہ پیش کر دیا لیکن ایک بزرگ نے فرمایا کہ درویشی کے مقابلہ میں تونگری کی فضیلت بیان کرنا آپ کی شان کے منافی ہے چنانچہ بلخ سے روانگی کے بعد راستہ میں ڈاکوؤں نے آپ سے ساری رقم چھین لی۔ اس وقت آپ کو خیال آیا کہ یہ حادثہ انہی بزرگ کے قول کی وجہ سے پیش آیا ہے۔ پھر جب آخر میں یحییٰ بن معاذ ملک ہری پہنچے تو آپ نے وہاں پر بھی اپنا خواب بیان کیا چنانچہ وعظ کے دوران حاکم ہری کی لڑکی نے بیان کیا کہ اس دن مجھے بھی حضور اکرمؐ نے آپ کے قرض کی ادائیگی کا حکم دیا تھا اور جب میں نے عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو خود وہاں جا کر ان کا قرض ادا کر دوں تو حضورؐ نے فرمایا کہ وہ خود یہاں آئے گا لہذا میری آپ سے استدعا ہے کہ صرف چار یوم تک آپ یہاں قیام

وعظ فرمائیں۔ چنانچہ آپ کے مواعظ کا ایسا اثر ہوا کہ چار یوم میں ۱۴۵ افراد آپ کا وعظ سن کر بیہوش ہو گئے پھر جب یحییٰ بن معاذ وہاں سے رخصت ہونے لگے تو اس امیر زادی نے ہزاروں دینار اور ساٹھ اونٹ آپ کے ساتھ کر دیے۔ وطن واپس پہنچ کر آپ نے اپنے بیٹے کو ہدایت کی کہ تمام قرض کی ادائیگی کے بعد جو رقم بچ جائے اس کو فقراء میں تقسیم کر دو کیونکہ میرے لیے خدا کی ذات ہی کافی ہے۔ (تذکرۃ الاولیاء)

۱۴۰۔ اللہ کے حضور حضرت یحییٰ بن معاذ کی التجا

آپ اپنی مناجات اس طرح سے شروع کرتے تھے کہ اے اللہ! اگرچہ میں بہت معصیت کار ہوں مگر پھر بھی تم سے مغفرت کی امید رکھتا ہوں کیونکہ میں سرتاپا معصیت اور تو مجسم عفو ہے۔ اے اللہ تو نے فرعون کے خدائی دعوے پر بھی حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کو نرمی کا حکم دیا لہٰذا جب تو اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کہنے والے پر کرم فرما سکتا ہے تو جو بندے سبحان ربی الاعلیٰ کہتے ہیں ان پر بھلا تیرے لطف و کرم کا کون اندازہ کر سکتا ہے، اے اللہ میری ملکیت ایک کمبل کے سوا اور کچھ نہیں لیکن اگر یہ بھی کوئی طلب کرے تو میں اسے دینے پر تیار ہوں۔ اے اللہ تیرا ارشاد ہے کہ نیکی کرنے والوں کو ان کی نیکی کی بدولت بہتر صلہ دیا جاتا ہے۔ اور میں تجھ پر ایمان رکھتا ہوں جس سے افضل دنیا میں کوئی نیکی نہیں ہے لہٰذا اس کے صلہ میں تو مجھے اپنے دیدار سے نواز دے۔ آپ اکثر فرماتے کہ اے اللہ! جس طرح تو کسی سے مشابہ نہیں اسی طرح تیرے امور بھی دوسروں سے غیر مشابہ ہیں اور جب یہ دستور ہو کہ طالب اپنے مطلوب کو راحتیں پہنچاتا ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ تو اپنے بندوں کو عذاب میں مبتلا کرے گا۔ اس لیے کہ تجھ سے زیادہ محبوب رکھنے والا بھلا اور کون ہو سکتا ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے دعا کی کہ اے باری تعالیٰ! چونکہ تو گناہ بخشنے والا ہے اور میں گناہ گار ہوں اس لیے تجھ سے طالبِ مغفرت ہوں، لہٰذا میں تیری غفاری اور اپنی کمزوری کی بنا پر ارتکابِ معصیت کرتا ہوں اس لیے مجھے اپنی غفاری یا میری کمزوری کے پیشِ نظر بخش دے۔ (تذکرۃ الاولیاء)

۱۴۱۔ پاکباز رہنے کی باتیں

حضرت یحییٰ بن معاذ ایک پاکباز انسان تھے۔ معاشرتی برائیوں اور بے حیائیوں سے آپ

کوسوں دور رہتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے اپنے ایک ارادت مند کو لکھا کہ میں کافی دنوں سے اس مسئلے پر سوچ بچار کر رہا ہوں کہ مجھے امرا، خواتین اور درویشوں کو کس نظر سے دیکھنا چاہیئے۔ اپنے خط میں آپ نے مزید لکھا۔ خواتین سے میری مراد عورت ہے، وہ عورت جو مرد کی کمزوری ہے اور مرد اس سے ہمیشہ ایک جیسی امید رکھتا ہے۔ آپ نے مزید لکھا کہ اس دور میں عورت کو شہوت کی نظروں سے اور درویش کو غرور و تکبر کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے لیکن میں نے ایک عرصہ کے غور و خوض کے بعد سوچ کے اس انداز میں تبدیلی کر دی ہے۔ میں امرا کو حسد کی بجائے عبرت و نصیحت کی نظر سے دیکھتا ہوں۔ عورت کو شہوت کی بجائے شفقت کی نظروں سے دیکھتا ہوں۔ رہے درویش تو میں انھیں غرور اور تکبر کی بجائے تواضع کی نگاہوں سے دیکھتا ہوں۔ یاد رکھو میں نے تجھے جو کچھ بھی لکھا ہے یہ محض نظروں کا ہی ذکر نہیں بلکہ دانش مندی کی تین علامتیں ہیں، صرف ایسے لوگوں کے لیے جن کو اللہ نے عقلِ سلیم عطا فرمائی ہو، اور جن میں کچھ جاننے اور سمجھنے کی جستجو ہو۔

۱۴۲۔ صبر کا تعلّق ہمّت اور شجاعت سے ہے

حضرت ابوالحسن نوری ہمیشہ لوگوں کو تلقین کیا کرتے تھے کہ مصائب کو ہنسی خوشی برداشت کرنا چاہیئے کیونکہ تکالیف اور مصائب بھی اللہ کی طرف سے اپنے بندوں کے لیے ایک انعام ہوتا ہے، ایک مرتبہ کچھ لوگ ایک ضعیف العمر شخص کو زد و کوب کرتے ہوئے قید خانے کی طرف پہنچا رہے تھے اور وہ انتہائی صبر و ضبط کے ساتھ خاموشی سے یہ ظلم و ستم برداشت کرتا جا رہا تھا۔ حضرت نوری نے قید خانے میں جا کر اس شخص سے پوچھا کہ اس قدر نقاہت اور کمزوری کے باوجود اس نے یہ ظلم کیسے برداشت کر لیا۔ اس شخص نے جواب دیا کہ صبر کا تعلق ہمت اور شجاعت سے ہوتا ہے نہ کہ طاقت اور قوت سے۔ آپ نے اس بوڑھے شخص سے پوچھا کہ اس کے نزدیک مصائب کا کیا مفہوم ہے؟ اس نے جواب دیا کہ مصائب کو اسی طرح خندہ پیشانی سے برداشت کرنا چاہیئے جس طرح لوگ مصائب سے نجات حاصل کر کے مسرور ہوتے ہیں۔ حضرت نوری نے اس کے گرانقدر خیالات کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ آگ کے سات سمندر پار کرنے کے بعد معرفت حاصل ہوتی ہے اور جب ایسا ہو جاتا ہے تو اول و آخر کا علم ہو جاتا ہے۔

۱۴۳۔ حضرت ابوالحسن نوریؒ کا جذبۂ ایثار

ایک مرتبہ غلام خلیل نے بزرگ دشمنی میں خلیفہ سے یہ شکایت کرتے ہوئے کہا کہ یہاں ایک ایسا گروہ پیدا ہو چکا ہے جو رقص و سرود کی محفلیں منعقد کرتا ہے، اشاروں کنایوں میں گفتگو کرتا ہے اور زبان سے ایسے بدکلمات نکالتا ہے جس کی سزا کم از کم موت ہے۔ خلیفہ نے بغیر سوچے سمجھے یہ حکم جاری کر دیا کہ تمام مشائخین کو فوری طور پر قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ حکم کی تعمیل کرنے کے لیے فوری طور پر کارروائی شروع کر دی گئی۔ جلاد سب سے پہلے جب حضرت ارقام کو قتل کرنے کے لیے آگے بڑھا تو حضرت نوریؒ مسکراتے ہوئے ان کی جگہ جا بیٹھے۔ اس پر لوگوں نے حضرت سے کہا، ابھی تو آپ کا نمبر نہیں آیا، پھر آپ حضرت ارقام کی جگہ پر کیوں آ بیٹھے ہیں؟ حضرت نوری مسکراتے ہوئے فرمانے لگے، میری بنیاد طریقت اور جذبۂ ایثار پر قائم ہے اور میں مسلمانوں کی جان کے بدلے میں اپنی جان دینا زیادہ بہتر تصور کرتا ہوں حالانکہ میرے نزدیک دنیا کا ایک لمحہ محشر کے ہزار سال سے افضل ہے کیونکہ دنیا مقامِ خدمت ہے اور عقبیٰ مقامِ قربت ہے لیکن خدمت کے بغیر قربت کا حصول ناممکن ہے۔

حضرت نوری کی زبانی یہ عجیب و غریب کلمات سن کر قاضی سے خلیفہ نے سوال کیا کہ ان کے بارے میں کیا شرعی حکم ہے؟ قاضی نے وہاں پر موجود حضرت شبلی کو دیوانہ تصور کرتے ہوئے سوال کیا کہ بیس دینار پر کتنی زکوٰۃ ہوتی ہے؟ حضرت شبلی نے فرمایا ساڑھے بیس دینار یعنی نصف دینار مزید اس جرم میں ادا کرے کہ اس نے بیس دینار جمع کیوں کیے۔ جس طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس چالیس دینار تھے اور انھوں نے سب کے سب زکوٰۃ میں دے دیے تھے۔ پھر قاضی نے حضرت نوری سے سوال کیا جس کا انھوں نے برجستہ جواب دے کر قاضی سے سوال کیا کہ اب تم بھی سن لو کہ خدا نے ایسے بندے بھی تخلیق فرمائے ہیں جن کی حیات و ممات اور قیام و کلام سب اسی کے مشاہدے سے وابستہ ہیں اور اگر ایک لمحے کے لیے بھی وہ مشاہدے سے محروم رہیں تو موت واقع ہو جائے اور یہی وہ لوگ ہیں جو اسی کے سامنے رہتے ہیں۔ اسی سے کھاتے ہیں اسی سے سنتے ہیں اور اسی سے طلب کرتے ہیں۔ یہ جواب سن کر قاضی نے خلیفہ سے کہا کہ اگر ایسے افراد بھی زندیق ہو سکتے ہیں تو پھر میرا فتویٰ یہ ہے کہ پورے عالم میں کوئی بھی موحد نہیں ہے اور جب خلیفہ نے ان حضرات سے کہا کہ مجھ سے کچھ طلب کیجیے، تو

سب نے یہی جواب دیا، خلیفہ! ہماری خواہش ہے کہ آپ ہمیں فراموش کر دیں۔ یہ سن کر خلیفہ پر رقت طاری ہو گئی اور اس نے سب کو تعظیم و احترام کے ساتھ رخصت کیا۔ (مرأۃ الاسرار)

۱۴۴۔ حضرت ابوالحسن نوری کی کرامت

حضرت نوری ایک صاحب کرامت بزرگ تھے آپ کے فیض سے ایسی ایسی کرامات رونپذیر ہوئیں کہ جن کو عقل والے نہیں صرف اہل دل اور اہل خانہ ہی تسلیم کر سکتے ہیں۔ ایک مرتبہ آپ کہیں سفر پر جا رہے تھے کہ راستے میں آپ نے ایک آدمی کو دیکھا جو اپنے گدھے کے پاس بیٹھا رو رہا تھا۔ آپ نے اس کے قریب جا کر پوچھا، کیوں بھئی کیا بات ہے تم کیوں رو رہے ہو؟ وہ شخص بولا۔ حضرت! کیا بتاؤں میں اپنا مال اسباب لے کر کہیں جا رہا تھا کہ دوران سفر اچانک میرا گدھا بیمار ہو کر قریب المرگ ہو گیا ہے۔ اب میں اس تصور سے رو رہا ہوں کہ میں کس طرح یہ مال و اسباب اٹھا کر منزل مقصود تک پہنچوں گا کیونکہ میری منزل یہاں سے کوسوں دور ہے۔ حضرت ابوالحسن نوری نے ایک نظر گدھے پر ڈالی اور پھر گدھے کو ٹھوکر مار کر فرمانے لگے، کیا یہ تمھارے بیمار ہونے کا وقت ہے؟ چلو اٹھو اور اپنے مالک کا سامان اس کی منزل تک پہنچاؤ۔ حضرت نوری کا حکم سنتے ہی گدھا ایک دم اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور یوں وہ مسافر اپنا مال و اسباب اس پر لاد کر منزل کی جانب روانہ ہو گیا۔

۱۴۵۔ تسلیم و رضا

حضرت ابوالحسن نوری ہر کام خدا کی خوشنودی اور تسلیم و رضا کے لیے کیا کرتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ جب خدا خوش ہو جاتا ہے تو خلق خدا خود بخود خوش ہو جاتی ہے لیکن جو شخص بندوں کی رضا اور خوشنودی کے لیے کوئی نیک کام کرتا ہے تو وہ اپنے ہاتھوں سے اپنی نیکی کو برباد کر دیتا ہے کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ شہر بغداد میں سخت آتش زنی کا واقعہ ہوا جس کے نتیجے میں بیشمار لوگ جل کر راکھ ہو گئے۔ اتفاق سے اس آگ میں ایک بہت بڑے رئیس کے کچھ خاص غلام بھی پھنسے ہوئے تھے۔ چونکہ رئیس کو بھی اپنی بے پناہ دولت کا غرور تھا اور وہ دولت کے بل بوتے پر جائز و ناجائز کام کروانے کا عادی تھا چنانچہ اس موقع پر بھی اس نے اعلان کر دیا کہ جو کوئی میرے غلاموں کو اس آگ سے باہر نکالے گا اسے وہ

دو ہزار دینار انعام دے گا۔

حسنِ اتفاق سے حضرت ابوالحسن نوری بھی اس وقت وہاں سے گزر رہے تھے آپ نے فوراً بآوازِ بلند بسم اللہ پڑھی اور آگ میں کود کر رئیس کے دونوں غلاموں کو پل بھر میں باہر نکال لائے۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ آگ نے آپ کو ذرہ برابر بھی نقصان نہ پہنچایا۔ ادھر جب رئیس کو یہ بتلایا گیا کہ آپ نے اس کے غلاموں کو زندہ سلامت آگ سے باہر نکال لیا ہے تو اس نے فوراً آپ کو طلب کیا۔ جب آپ وہاں تشریف لے گئے تو رئیس نے دو ہزار دینار کی تھیلی حضرت نوری کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا آپ نے ہمارے اعلان کے مطابق ہمارے غلاموں کو بچایا اب ہم اپنے وعدے کے مطابق آپ کو انعام پیش کرنا چاہتے ہیں۔ رئیس کی بات سن کر آپ سخت برہم ہوئے اور فرمانے لگے اے امیر شخص! میرا انعام تو مجھے اللہ کی طرف سے مل گیا کہ اس نے میرے وسیلے سے دو آدمیوں کو نئی زندگی دے دی۔ لیکن اگر تم جیسے رئیس چند ہزار دیناروں کے بدلے میں انسانوں کی زندگیاں بچانے پر قادر ہوتے تو کبھی کوئی شخص نہ مرتا۔ رئیس آپ کی بات سن کر اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے اپنا سارا مال و اسباب اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیا اور ہمیشہ کے لیے آپ کے ارادتمندوں میں شامل ہو گیا۔

۱۴۶۔ چاہت کا جواب چاہت

حضرت ابوالحسن نوری کا واقعہ ہے کہ جب آپ بزرگی کی انتہا کو پہنچ گئے تو دور دور سے لوگ آپ کے دیدار کے لیے حاضری دینے لگے۔ اسی زمانہ میں اصفہان میں رہنے والے ایک نوجوان کے دل میں آپ کو دیکھنے کا شوق پیدا ہوا اور وہ دن رات آپ کا دیدار کرنے کے لیے تدبیر سوچنے لگا مگر اسی دوران اصفہان کے شاہ کو بھی اس نوجوان کے ارادے کا علم ہو گیا۔ وہ کسی طور پر یہ نہیں چاہتا تھا کہ یہ نوجوان حضرت ابوالحسن نوری سے ملاقات کے لیے جائے۔ چنانچہ اس نے نوجوان کو اس کے عزم اور ارادے سے باز رکھنے کے لیے طرح طرح کے لالچ دیے کہ اگر تم اس سے نہ ملنے جاؤ تو میں تمہیں ایک محل کے علاوہ ایک ہزار دینار اور ایک کنیز دوں گا۔ صرف یہی نہیں بلکہ تم اور بھی جس چیز کی طلب کرو گے تمہیں مل جائے گی لیکن شرط یہ ہے کہ تم ابوالحسن نوری کے پاس جانے کا ارادہ ترک کر دو لیکن وہ نوجوان بھی حضرت نوری سے ملنے کا پختہ عزم کیے ہوئے تھا۔ اس نے شاہ کی جانب سے پیش کردہ

تمام آسائشوں کو ٹھکرا دیا اور شوقِ دیدار میں ننگے پاؤں ہی آپ کے دیدار کے لیے چل پڑا۔ دوسری جانب حضرت ابوالحسن نوری کو بھی غیب سے یہ اشارہ ہو گیا کہ ان کا کوئی چاہنے والا بڑی دور سے دیوانہ وار چلا آرہا ہے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے ارادتمندوں کو ہدایت کی کہ ایک میل تک زمین کو صاف و شفاف کر دیا جائے کیونکہ ہم اپنے عاشق کو پورے اعزاز کے ساتھ خوش آمدید کہنا چاہتے ہیں اور جب وہ نوجوان حاضرِ خدمت ہوا تو حضرت ابوالحسن نوری نے اس کے سامنے بادشاہ کے ارادے اور اس کے عزم کا پورا قصہ بیان کر دیا۔ جس کو سن کر نوجوان حیرت زدہ رہ گیا۔ پھر آپ نے اس نوجوان سمیت تمام مریدوں کو جمع کر کے فرمایا۔ مرید کی شان یہ ہے کہ اگر اس کے سامنے سارے جہان کی نعمتیں بھی پیش کر دی جائیں تو وہ ان پر نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔

۱۴۷۔ بلند آواز سے ذکرِ الٰہی

حضرت ابوالحسن نوری عبادت و ریاضت کے ابتدائی دنوں میں انتہائی بلند آواز میں خدا کا ورد کیا کرتے تھے۔ ایک روز کچھ لوگ حضرت جنید کے پاس آئے اور انھوں نے فرمایا کہ گزشتہ تین روز سے مسلسل حضرت نوری ایک پتھر پر بیٹھ کر باآوازِ بلند اللہ تعالیٰ کا ورد کر رہے ہیں۔ انھوں اور کسی چیز کا ہوش نہیں حتیٰ کہ انھوں نے کھانے سے بھی منہ موڑ رکھا ہے مگر نماز اپنے وقت پر ادا کر لیتے ہیں۔ ہمیں ڈر ہے کہ اس بھوک پیاس کی حالت میں مسلسل باآوازِ بلند وردِ الٰہی کرنے سے کہیں ان کو نقصان نہ پہنچے لہٰذا آپ وہاں تشریف لے جا کر انھیں کچھ ہدایت فرمائیں۔ وہاں پر موجود ایک ارادتمند نے کہا کہ حضرت! یہ تو فنائیت کی دلیل نہیں بلکہ ہوشیاری کی علامت ہے کیونکہ فانی کو کسی طور بھی نماز کا ہوش نہیں رہتا۔ ان لوگوں کی باتیں سن کر حضرت جنید نے فرمایا۔ لوگو! بات وہ نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو بلکہ اس وقت نوری پر وجد کی کیفیت طاری ہے اور جو صاحبِ وجد ہوتا ہے خدا ان کی حفاظت کرتا ہے۔

اس کے بعد حضرت جنید اس مقام پر پہنچے جہاں حضرت نوری ایک پتھر پر بیٹھے زور شور سے اللہ اللہ کا ورد کر رہے تھے آپ نے حضرت نوری سے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی رضا پسند ہے تو پھر آپ شور و غوغا کیوں کرتے ہیں؟ یہ سن کر ابوالحسن نوری نے شور بلند کرتے ہوئے کہا۔ اے جنید! آپ میرے بہترین

استاد ہیں۔ (تذکرۃ الاولیاء)

۱۴۸۔ حضرت ابوعثمان حیری کی شانِ فقر

ایک مرتبہ جب شاہ شجاع نیشاپور جا رہے تھے تو ابوعثمان بھی ان کے ساتھ ہو لیے۔ نیشاپور کے محلہ حیری میں ابوحفص حداد قیام پذیر تھے جو پیشہ کے اعتبار سے لوہار تھے اسی لیے ان کے نام کے ساتھ حداد لگا ہوا تھا جس کے معنیٰ لوہار ہیں۔ ابوحفص نے شاہ شجاع کے ہمراہ جب ایک اجنبی کو دیکھا تو دریافت فرمایا کہ یہ کون ہے؟ شاہ شجاع نے جواب دیا، ان کا نام ابوعثمان ہے ان کا تعلق مرو کے ایک نواب خاندان سے ہے۔ اگرچہ انھیں ہر طرح کی دنیاوی آسائش میسر ہے مگر یہ روحانی سکون کی تلاش میں میرے پاس آئے ہیں۔ شاہ شجاع کی بات سن کر ابوحفص نے نواب زادہ کو تیکھی نظروں سے دیکھا اور پھر شاہ شجاع صاحب سے کہنے لگے کہ اگر آپ مناسب فرمائیں تو نواب زادہ کو کچھ دنوں کے لیے میرے پاس چھوڑ جائیں کیونکہ مجھے ان میں ایک مکمل باعمل درویش نظر آتا ہے پھر وہ خود ہی نوابزادہ سے پوچھنے لگے، اے سعید! کیا آپ میرے پاس رہنا پسند کریں گے؟ نواب زادہ نے فوراً اثبات میں جواب دیا۔ اس پر ابوحفص کہنے لگے، یہ میرے پاس آپ کے ذریعے آئے ہیں اس لیے آپ کا نام ان سے ہمیشہ منسوب رہے گا۔ نواب زادہ نے ابوحفص سے درخواست کی کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں شاہ شجاع کی خدمت بھی کر لیا کروں۔ ابوحفص نے اس کی اجازت دے دی۔

چنانچہ شاہ شجاع تو چند روز بعد واپس آ گئے اور نوابزادہ ابوحفص کے پاس ہی رہ گئے۔ اب آپ کا واسطہ ابوحفص حداد سے تھا۔ انھوں نے نوابزادہ سے پوچھا کہ تمھاری بیوی بچے کہاں ہیں؟ نوابزادہ نے جواب دیا کہ میری بیوی اور بچی دونوں مرو میں رہتی ہیں اور والدین بھی وہیں پر مقیم ہیں۔ پھر ابوحفص حداد کہنے لگے، ایک بار پھر سوچ لو سعید! اگر تم میرے ساتھ نیشاپور میں رہو گے تو تمھیں بے پناہ مشکلات اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ بہت بڑی آزمائش ہو گی، کیا تم اس پر پورا اُتر سکو گے؟ نواب زادہ نے جواب دیا کہ میں ہر کٹھن اور پریشانی کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہوں، اگر میرے والدین اور بیوی میری راہ میں حائل ہونے کی کوشش کریں گے تو میں انھیں بھی چھوڑ دوں گا۔

"نہیں ایسا ہرگز نہ کرنا" ابوحفص حداد نے نواب زادہ کو ٹوک دیا۔ "سعید! شاید تم یہ نہیں جانتے

کہ حقوق العباد سے کوتاہی کرنے والے کبھی بھی درویشی کی راہ کو نہیں پا سکتے۔

ابو حفص کی نصیحت سن کر نواب زادہ صاحب فوراً گھر واپس آئے۔ آپ کی بیوی خاصی پریشان تھی۔ لیکن والدین اس کے لیے رضامند ہو چکے تھے کیونکہ انھیں جس بات کا خدشہ تھا بالکل ویسا ہی ہو چکا تھا اور انھیں معلوم تھا کہ ان کا بیٹا اب درویشی کی راہ سے واپس نہیں لوٹ سکتا۔ مگر آپ کی بیوی نے روتے ہوئے کہا میرے مالک! اب آپ میرے ساتھ ہی رہیں اگر آپ نے میری بات نہ مانی تو آپ اپنے حقوق سے غفلت کے مرتکب ہوں گے جو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک ناپسندیدہ عمل ہے۔ جب کہ آپ درویشی کی راہ پر اللہ کی تسلیم و رضا کے لیے چل رہے ہیں۔ نواب زادہ نے بیوی سے کہا اگر ایسا ہی ہے تو تُو بھی میرے ساتھ نیشا پور چل۔ جس زندگی کی تُو بات کرتی ہے اس میں سوائے شرمندگی اور ندامت کے کچھ نہیں ہے لیکن اس زندگی سے نجات کا اور فلاح کا راستہ نہیں ملتا۔ اگر تو میرے ساتھ یہ ساری تکالیف برداشت کر سکتی ہے تو میں تمھیں اپنے ساتھ لے جانے کو تیار ہوں۔

آپ کی بیوی نے چند لمحے موجودہ آسائشوں، اور درویشی کی راہ میں آنے والی دشواریوں اور آزمائشوں کا موازنہ کیا اور پھر انتہائی پختہ ارادے کے ساتھ نواب زادہ سے بولی کہ وہ ان کے ساتھ ہی جائے گی۔ نواب زادہ بیوی کے اس فیصلے سے بہت مسرور ہوئے۔ پھر انھوں نے والدین کو بھی اپنی بیوی کے ارادے سے مطلع کر دیا۔ ماں تو یہ سن کر خاصی پریشان ہوئی مگر باپ انھیں سمجھاتے ہوئے کہنے لگا کہ شریف عورت! رنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں نے تو بہت پہلے اندازہ لگا لیا تھا کہ میرا بیٹا جن راہوں پر چل نکلا ہے وہ خدا شناسی کی طرف جاتی ہیں۔ جب عارفوں کی تاریخ مرتب ہو گی تو اس میں میرے بیٹے کا ذکر بھی ہو گا اور عین ممکن ہے کہ ہمارا یہ درویش منش بیٹا قیامت کے روز ہماری نجات کا سبب بن جائے۔ یہ سن کر نواب زادہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے مگر ان کے ارادے میں کوئی لغزش نہ آئی۔ اسی وقت آپ اپنی بیوی اور بچی کے ہمراہ نیشا پور روانہ ہو گئے۔ ابو حفص حداد نے انھیں نیشا پور میں ہی رہنے کے لیے ایک مکان مہیا کر دیا۔ نواب زادہ صاحب بھی اپنے مرشد ابو حفص حداد کے ساتھ لوہے کا کام کرنے لگے۔ اسی جگہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک بیٹا عطا کیا۔ ابو حفص نے نواب زادہ سعید کے اس بیٹے کا نام عثمان تجویز کیا اور اسی نسبت سے نواب زادہ سعید "ابو عثمان" کے نام سے مشہور ہوئے۔

آپ کے مرشد ابو حفص نے ایک روز فرمایا، میں بھی کتنا خوش نصیب ہوں کہ جس کو میں نے عبا میں تلاش کیا اس کو میں نے اپنی قبا میں موجود پایا۔ ابو حفص کا یہ اشارہ شاہ شجاع کرمانی اور ابو عثمان کی طرف تھا کہ جنھوں نے بادشاہی کو ٹھکرا کر گدائی کا لبادہ اوڑھ لیا۔ حضرت ابو عثمان ایک روز اپنے وقت کے عظیم جید اور عالم یحییٰ بن معاذ کے پاس چلے گئے۔ یحییٰ بن معاذ نے ان سے دریافت فرمایا کہ اب تک وہ کیوں ان سے دور رہے۔ ابو عثمان نے جواب دیا کہ اعلیٰ حضرت! میں تو آپ کے پاس آنے کے لیے کافی عرصہ سے بیتاب تھا مگر بعض طاقتیں مجھے آپ کے قریب آنے سے روک رہی تھیں، لیکن اب غیبی طاقت نے میری مدد اور رہنمائی کی ہے جس کے باعث میں آپ تک پہنچنے میں کامیاب ہوا ہوں۔ اس پر یحییٰ ابن معاذ فرمانے لگے۔ ابو عثمان! تم جیسی شان رکھنے والے فقیر اس دنیا میں بہت کم پیدا ہوں گے آپ نے کچھ عرصہ تک یحییٰ بن معاذ کے ہاں قیام کیا اور پھر واپس ابو حفص کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

۱۴۹۔ امانت کی واپسی

ایک مرتبہ نیشاپور کا ایک تاجر کہیں سے آیا اور خاموشی سے آپ کی مجلس میں بیٹھ کر آپ کا وعظ سننے لگا۔ جب آپ نے وعظ ختم کیا تو اسے اپنے قریب بلوا کر آمد کا مقصد دریافت کیا۔ تاجر نے کہا کہ وہ تنہائی میں آپ سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ جب تمام مرید باہر چلے گئے تو تاجر کہنے لگا، کہ حضرت! شہر اصفہان سے ایک بیوپاری آیا تھا۔ اس نے مجھ سے کچھ مال ادھار لیا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ آئندہ سال وہ اس مال کی ادائیگی کر دے گا مگر ایک سال گزرنے کے باوجود وہ ادائیگی پر آمادہ نظر نہیں آتا۔ اب مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ ہرات میں آ کر ٹھہرا ہوا ہے مگر نیشاپور نہیں آنا چاہتا تاکہ کہیں میں اس سے رقم کا مطالبہ نہ کر بیٹھوں۔ پھر تاجر نے کہا حضور! میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں فوری طور پر ہرات پہنچنا چاہتا ہوں مگر ایک مجبوری میری راہ میں حائل ہے اگر آپ میری مدد فرمائیں تو میں تاحیات آپ کا احسان مند رہوں گا۔ ابو عثمان حیری نے دریافت فرمایا کہ تمھاری کیا مجبوری ہے؟ وہ تاجر جھجکتے ہوئے کہنے لگا، کچھ عرصہ پہلے مجھے ایک کنیز پسند آئی تھی جسے میں نے خرید لیا تھا۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر اس کنیز کو تنہا گھر میں رکھتا ہوں تب بھی خطرہ درپیش رہتا ہے اور اگر اسے سفر پر ہمراہ لے جانے کا سوچتا ہوں تو اس صورت میں بھی مشکلات نظر آتی ہیں۔ اگر آپ اس کنیز کو اپنے پاس

بطور امانت رکھ لیں تو میں واپسی پر اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ ابوعثمان نے پوچھا کہ تمہاری واپسی کا امکان کب تک ہے؟ تاجر نے بتایا کہ وہ زیادہ سے زیادہ تین ماہ تک واپس لوٹ آئے گا۔

ابوعثمان تاجر کی بات سن کر چند لمحے سوچتے رہے اور پھر تاجر سے کہنے لگے۔ اس کنیز کو میرے بیوی بچوں کے پاس چھوڑ دے اور اسے اس بات کی سختی سے تاکید کردے کہ وہ میرے حجرے کی جانب ہرگز نہ آئے۔ اب تو تاجر کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اس نے فوری طور پر کنیز کو ابوعثمان کے بیوی بچوں کے پاس چھوڑا اور خود ہرات روانہ ہوگیا اور وہاں پہنچ کر جب اسے پتہ چلا کہ مذکورہ تاجر وہاں سے غزنی جا چکا ہے تو وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے غزنی روانہ ہوگیا۔

ادھر ابوعثمان حیری اس کوشش میں تھے کہ کسی بھی طور ان کی نگاہ اس کنیز پر نہ پڑے اس لیے وہ گھر میں بہت کم آنے لگے تھے۔ دوسری جانب آپ کی بیوی عورت ہونے کے باوجود کنیز کی خوبصورتی سے بہت متاثر تھی۔ وہ اکثر دل میں سوچتی کہ ایسی کنیز کو تو کسی محل میں ملکہ بن کر رہنا چاہیئے تھا۔ ایک روز ابوعثمان حیری کی بیوی نے ان سے کہا کہ آپ ذرا غور سے اس کنیز کو دیکھیں۔ اس کی خوبصورتی دیکھ کر آپ بھی حیرت زدہ رہ جائیں گے۔" مگر یہ کیونکر ممکن ہے"؟ ابوعثمان نے کہا " اس میں مشکل والی کونسی بات ہے۔ کنیز گھر میں موجود ہے آپ جب چاہیں اسے دیکھ سکتے ہیں"۔" آپ کی بیوی نے ایک طرح سے آپ کو آزمائش میں ڈال دیا تھا جس کی وجہ سے لاشعوری طور پر آپ کا دھیان اس کنیز کی طرف منتقل ہوتا جا رہا تھا۔ پھر اچانک ایک روز جب ابوعثمان حیری نے کنیز کو اپنے حجرے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تو حیرت زدہ رہ گئے مگر کنیز آپ کو دیکھ کر ذرہ برابر پریشان نہ ہوئی اور بڑے اعتماد سے کہنے لگی، کیا آپ ہی ابوعثمان ہیں؟

میں تو ابوعثمان ہی ہوں مگر تم یہاں حجرے میں کس لیے آئی ہو؟ ابوعثمان نے پوچھا۔

اس پر کنیز کہنے لگی، میں یہاں آپ سے یہ دریافت کرنے آئی ہوں کہ وہ تاجر جو مجھے آپ کے پاس بطور امانت رکھ کر گیا ہے کب تک واپس لوٹ آئے گا۔ آپ نے جواب دیا کہ اس نے دو تین ماہ بعد آنے کے لیے کہا تھا۔ مقررہ مدت تو یقیناً گزر چکی ہے بہرحال امید ہے کہ وہ جلد ہی واپس لوٹ آئے گا۔

" وہ تو درست ہے بزرگوار مگر میں کیا کروں۔ میرا تو یہاں پر دم گھٹنے لگا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ

میں کسی سے بات بھی نہیں کر سکتی۔ آخر مجھے کس جرم کی یہ سزا مل رہی ہے؟" کنیز کے انداز میں ایک قسم کا شکوہ تھا۔ ابو عثمان معلوم نہیں اس کا کیا جواب دینا چاہتے تھے مگر غیر ارادی طور پر انھوں نے کنیز سے کہہ دیا کہ جب کبھی طبیعت مضمحل ہو تو یہاں چلی آیا کرو۔ میں تمہارا مسئلہ سُن لیا کروں گا۔ ادھر خلاف توقع کنیز نے جب یہ الفاظ سُنے تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اس نے مسکراتے ہوئے آپ کا شکریہ ادا کیا اور اگلے روز آنے کا وعدہ کر کے چلی گئی۔ مگر اس کے جاتے ہی ابو عثمان حیری کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو دستے کہنے لگے کہ یہ میں نے کیا کر دیا۔ کنیز تو ایک طرح سے میرے ایمان کا سودا کر کے چلی گئی ہے۔ پھر اسی روز جس وقت آپ عشاء کی نماز پڑھنے کا ارادہ کر رہے تھے تو آپ کو اس مرتفا کنیز کا خیال آگیا جس سے دل و دماغ پر ایک عجیب قسم کا سرور چھا گیا۔ الغرض یہ کہ کنیز کے تصور نے ان کی پرسکون زندگی میں اس قدر خلل ڈال دیا کہ آپ فوراً اپنے پیر و مرشد ابو حفص حداد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھیں سارا ماجرا سنا کر کہنے لگے کہ کنیز نے انھیں آزمائش کی بھٹی میں ڈال دیا ہے۔ آپ کے پیر و مرشد نے پورا واقعہ سننے کے بعد کہا کہ اب میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں، تجھ سے کس نے کہا تھا کہ اس زہد شکن کنیز کو اپنے گھر میں پناہ دے؟

اب تو ابو عثمان حیری بچوں کی طرح رونے لگے اس قدر آنسو بہائے کہ آپ کی داڑھی بھیگ گئی اپنے مرشد سے کہنے لگے کہ اگر وہ حسینہ چند روز مزید ان کے ہاں رہی تو وہ تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ ابو حفص حداد کہنے لگے، ابو عثمان! میں اس سلسلے میں تمہاری رہنمائی نہیں کر سکتا۔ تم رے شہر میں چلے جاؤ، وہاں یوسف بن حسین مقیم ہیں وہی تمہارے اس مسئلے کا حل بتا سکتے ہیں۔ ابو عثمان نے کہا پیر و مرشد! رے تو نیشا پور سے بہت زیادہ دور ہے۔ ابو حفص حداد نے دو ٹوک لہجے میں کہا کہ کچھ بھی ہو اب تو تمہیں وہاں جانا ہی پڑے گا۔ ابو عثمان کسی نہ کسی طور رے شہر پہنچ گئے اور لوگوں سے پوچھا کہ یہاں کوئی یوسف بن حسین رہتے ہیں؟

لوگ آپ کے اس سوال پر بہت حیران ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ یوسف بن حسین ایسے زندیق کے پاس کیا لینے جائیں گے اس کو تو پورے شہر نے چھوڑ رکھا ہے۔ وہاں پر موجود ایک شخص نے کہا جناب! آپ تو خود شکل سے بزرگ معلوم ہوتے ہیں۔ مگر جب ابو عثمان حیری، یوسف بن حسین سے ملنے پر بضد رہے تو ایک شخص آپ کو یوسف بن حسین کے گھر تک پہنچانے کے لیے آپ کے ساتھ ہو لیا۔ آپ کو

ساتھ لے جانے والے شخص نے آپ کو ایک دکان میں کھڑا کیا اور آپ کو خاموشی سے ایک کھڑکی کے راستے دکان کے اندر دیکھنے کا اشارہ کیا۔ ابو عثمان نے دیکھا کہ اندر ایک شخص ایک خوبصورت لڑکے کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے اور پاس ہی شراب کی صراحی رکھی ہوئی ہے۔ یہ منظر دیکھ کر ابو عثمان نے کھڑکی سے نگاہیں ہٹا لیں اور دل میں سوچنے لگے کہ یہ شخص بھلا میری کیا رہنمائی کریگا۔ آپ کو ساتھ لانے والے شخص نے کہا اب فرمائیے ایسے شخص سے آپ کیا حاصل کر سکتے ہیں۔ ابو عثمان نے کہا میں نے سب کچھ دیکھ لیا ہے میں ابھی نیشاپور واپس لوٹ جاؤں گا۔

نیشاپور واپس آکر ابو عثمان حیری نے جب یہ واقعہ ابو حفص حداد کو سنایا تو وہ سخت برہم ہوئے اور کہنے لگے کہ رے کے لوگوں نے تمھیں ورغلایا ہے اور ایک سچے خدا رسیدہ شخص سے تمھیں ملنے نہیں دیا گیا۔ جب میں نے تمھیں خود کہا تھا کہ تمھارے مرض کا علاج یوسف بن حسین کے پاس ہے تو پھر تو نے میری بات کیوں نہ مانی۔ بہر کیف بہتر یہی ہے کہ دوبارہ رے جاؤ اور یوسف بن حسین سے ملو۔ ابو عثمان حیری واپس رے جانے ہی والے تھے کہ گھر سے ایک مرید نے آکر عرض کیا کہ حضرت! گھر والے بہت پریشان ہیں آپ فوراً گھر تشریف لے چلیں۔ آپ نے مرید سے کہا میں دوبارہ رے جا رہا ہوں، تم میرے گھر والوں کو اطلاع دے دینا۔ مرید نے دوبارہ موقع پا کر دھیرے سے آپ کے کان میں کہا کہ وہ رشکِ حور کنیز آپ کو بہت یاد کرتی ہے۔ مرید کی بات سن کر آپ کو احساس ہوا کہ جیسے شیطان ایک بار پھر آپ کو ورغلا رہا ہے۔ آپ نے لاحول ولا قوۃ پڑھی اور دوبارہ نیشاپور سے روانہ ہو گئے۔

رے میں قیام کے دوران پھر اسی شخص سے آپ کی ملاقات ہو گئی۔ اس نے بھی آپ کو پہچان لیا۔ اور انتہائی خوشی کے عالم میں بولا۔ آپ پھر آگئے؟ آپ نے جواب دیا ہاں! میں یوسف بن حسین سے لازمی طور پر ملنا چاہتا ہوں۔ وہ شخص افسوس کے عالم میں کہنے لگا آپ پھر اس زندیق سے ملنے آگئے ہیں کاش آپ میں عقل ہوتی اور میں آپ کو سمجھا سکتا۔ بہر طور اس شخص نے آپ کو یوسف بن حسین کے پاس بھیج دیا آپ کو دیکھتے ہی یوسف بن حسین بولے، ابو عثمان! تجسس بہت بڑی چیز ہے۔ تم نے کھڑکی کے پاس کھڑے ہو کر دکان کے ماحول کا جائزہ لیا تھا اور مجھ سے کوئی بات کہے بغیر واپس لوٹ گئے تھے۔

یہ سن کر ابو عثمان حیری خاصے نادم ہوئے۔ یوسف بن حسین نے پوچھا، میرا دوست ابو حفص حداد کیسا ہے؟ آپ نے جواب دیا۔ وہ بالکل ٹھیک ہیں اور آپ کو سلام کہتے ہیں۔ پھر وہ ابو عثمان سے کہنے

لگے کہ اب اپنی آمد کا سبب بتاؤ۔ آپ نے فرمایا جو شخص تعارف کے بغیر ہی میرا نام پکا لے اور میرے پیر و مرشد ابو حفص حداد کے بارے میں بتائے اسے میں زبان سے کیا عرض کروں۔ اس وقت بھی وہ نوجوان لڑکا یوسف بن حسین کے پاس بیٹھا تھا۔ قریب ہی صراحی بھی رکھی تھی۔ اس نے صراحی کو انڈیلا اور رنگین پانی کو حلق سے اتار لیا۔ ابو عثمان کو کراہت ہوئی لیکن منہ سے کچھ نہ بولے۔

اسی دوران یوسف بن حسین کہنے لگے وہ تاجر ابھی واپس نہیں آیا۔ تم خوبصورت کنیز کو اپنے پاس کب تک رکھو گے۔ اب تو ابو عثمان کا پیمانہ صبر سے لبریز ہو گیا۔ وہ یوسف بن حسین سے کہنے لگے حضرت! ایک طرف تو آپ اتنے روشن ضمیر ہیں اور دوسری طرف یہ بُری عادتیں، میں کچھ سمجھا نہیں۔ یوسف بن حسین نے پوچھا کہ یہ آپ نے کیا کہہ دیا ہے؟ کیسی بُری عادتیں؟ ابو عثمان نے لڑکے اور پھر صراحی کی طرف اشارہ کیا۔ اس پر یوسف بن حسین کہنے لگے یہ میرا بیٹا ہے اس کی ماں کا انتقال ہو چکا ہے اس لیے اسے میں ہر وقت اپنی نظروں کے سامنے رکھتا ہوں اور خود ہی اسے پڑھاتا ہوں۔ رہی یہ صراحی تو اس کو میں بھٹی سے نکال کر لایا ہوں اور اسے پاک صاف کر کے اپنے کام میں لاتا ہوں اب تم پوچھو گے کہ صراحی کے اندر کیا ہے تو وہ کوئی ناپاک چیز نہیں بلکہ رنگ دار میٹھا شربت ہے۔ ان کی حقیقتِ حال جان کر ابو عثمان حیرت زدہ رہ گئے اور اپنی سوچ پر سخت نادم ہوئے پھر یوسف ابن حسین نے مسکراتے ہوئے ابو عثمان سے کہا کہ وہ نیشاپور واپس چلے جائیں کیونکہ جس مقصد کے لیے آپ دوبارہ یہاں آئے ہیں وہ پورا ہو چکا ہے۔

ابو عثمان نے پوچھا، مگر وہ کس طرح؟ اس پر یوسف بن حسین بولے کہ آپ نے پہلی بار یہاں تک آنے میں تیس دن برباد کیے پھر واپس گئے اور دوبارہ آ گئے۔ اب پھر آپ واپس جائیں گے تو ذرا خود ہی حساب لگا کر بتائیں کہ کتنے دن ہوئے؟ ابو عثمان نے حساب لگا کر بتایا کہ حضرت! یہ تو پورے نوّے دن ہوئے۔ پس یہ کسوف اور خسوف نوے دن کا تھا اور ان نوے دنوں کو سفر میں نکال دیا گیا۔ اب آپ نیشاپور واپس لوٹ جائیں اور آئندہ خود کو آزمائش کی بھٹی سے دور رکھیں۔

یوسف بن حسین کی ہدایت پر ابو عثمان واپس نیشاپور چلے آئے اور ابو حفص کو سارا واقعہ سنا دیا ابو حفص کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ کہنے لگے۔ ہاں عثمان! کسوف اور خسوف کے نوے دن تو کسی نہ کسی طرح گزارنے ہی تھے لہٰذا اب تم گھر جاؤ۔ ابو عثمان جب گھر پہنچے تو بیوی نے بتایا کہ تاجر

آیا تھا وہ اپنی کنیز کو واپس لے گیا ہے۔

۱۵۰۔ حضرت عثمان حیری کی دعا کا اثر

ایک روز آپ نے ایک شرابی کو دیکھا جو نشے کی حالت میں بدمست اپنی ہی دھن میں کہیں چلا جا رہا تھا مگر اس نے جب آپ کو دیکھا تو نشے کی حالت میں بھی پہچان گیا اور مارے شرم کے اپنا سر نیچے کی طرف جھکا لیا۔ ابو عثمان کو اس شرابی کی یہ ادا بہت پسند آئی۔ انھوں نے شرابی کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا، تو کہاں دھکے کھاتا پھرے گا اس لیے بہتر ہے کہ میرے ساتھ چل۔ چنانچہ ابو عثمان نے اس شرابی کو اپنے ہمراہ لیا اور گھر لے آئے۔ اپنے ہاتھوں سے نہلا دھلا کر اسے خرقہ پہنا دیا اور پھر اس کے حق میں دعا فرمائی کہ اے اللہ! جو کام میرے اختیار میں تھا وہ تو میں نے کر لیا اب وہ کام جو تیرے اختیار میں ہے اسے تو انجام دے۔ ابھی آپ دعا مانگ ہی رہے تھے کہ شرابی کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کا نشہ ہرن ہو چکا ہو اور ایک اثر انگیز روشنی سے اس کے دل و دماغ روشن ہو گئے ہوں۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اب کسی اور ہی بلند مقام پر فائز ہو چکا ہو۔ آپ کو اپنی دعا کے اس فوری شرف قبولیت پر خود بھی بہت حیرت اور مسرت ہوئی۔ حسن اتفاق سے اس وقت آپ کے ہمنام بزرگ صوفی ابو عثمان مغربی بھی وہاں پہنچ گئے۔ انھوں نے جب آپ کے سامنے ایک شرابی کو کھڑے پایا تو وہ کانپ اٹھے اور ابو عثمان سے دریافت کیا کہ یہ کون سے بزرگ ہیں کیونکہ ان کی روحانی طاقت کے سامنے میں خود کو انتہائی بے بس سا محسوس کر رہا ہوں۔

ابو عثمان نے جواب دیا کہ جو شخص آپ کو بظاہر بزرگ نظر آ رہا ہے۔ چند لمحے پہلے یہ محض ایک شرابی اور بھٹکا ہوا انسان تھا۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے انھیں پوری تفصیل بتا دی۔ سارا واقعہ سن کر ابو عثمان مغربی بے اختیار پکار اٹھے۔ اے ابو عثمان حیری! آپ کی زبانی سارا واقعہ سن کر میں رشک اور حسد کی آگ میں جلنے لگا ہوں۔ یہ شرابی چند لمحوں میں جس رتبہ کمال پر پہنچ گیا ہے میں پوری زندگی میں سخت عبادتوں اور ریاضتوں کے باوجود اس مقام کو حاصل نہ کر سکا۔ ابو عثمان نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ اس عمل پر تو میں بھی حیرت زدہ رہ گیا ہوں لیکن اس سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا انحصار محض عمل پر نہیں ہوتا بلکہ یہ فیضان نظر اور قلبی کیفیات کا کرشمہ بھی ہے۔

۱۵۱۔ حضرت ابُو رویم کا فقر اور امارت

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ شیخ ابوعمرو زجاج ایک صوفی بغداد آئے اور شیخ جنید بغدادی کے پاس قیام کیا۔ ابوعمرو زجاج کا ارادہ تھا کہ وہ ابو محمد رویم سے ملاقات کریں لیکن وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ رویم سے جنید بغدادی کی اجازت کے بغیر ملاقات کریں۔ انھوں نے خاصا وقت جنید کے پاس گزار دیا لیکن اجازت نہیں حاصل کر سکے۔ کچھ دنوں بعد ابوعمرو زجاج کو صاف محسوس ہونے لگا کہ جنید خود بھی ایسی صورت پیدا کر دیتے ہیں کہ ابوعمرو اس سلسلے میں کوئی بات نہ کر سکیں۔ جنید ایسا کیوں چاہتے ہیں اسے کچھ پتہ نہ تھا۔ ایک دن دوپہر کے کھانے کے بعد جنید نے قیلولے کا ارادہ کیا اس وقت وہاں اور کوئی نہ تھا۔ شیخ زجاج نے آگے بڑھ کے اپنی زبان کھولی اور کہا یا جنید: میں آپ سے اجازت چاہتا ہوں۔ جنید نے بات ٹال دی اور کہا میں جانتا ہوں، کچھ دن صبر کرو پھر اس موضوع پر بھی بات ہو جائے گی۔ زجاج اس وقت تو چپ ہو گئے لیکن دوسرے ہی دن پھر وہی سوال کر دیا۔ بولے حضرت میں آپ سے جس قسم کی بات کرنا چاہتا ہوں کیا آپ جانتے ہیں؟ جنید نے جواب دیا کہ تو نے کل یا پرسوں بھی اسی موضوع پر بات کرنا چاہی تھی لیکن نہیں کر سکا تھا۔ میرے پاس پھر وہی جواب ہے کہ فی الحال صبر کرو اور پریشانی میں مبتلا نہ ہو اور نہ ہمیں پریشان کرو۔ زجاج پھر خاموش ہو گئے لیکن چند گھنٹوں کے اندر زجاج نے عرض کیا۔ حضرت! میں حیران ہوں آپ مجھے پوری بات کیوں نہیں کرنے دیتے؟ جنید نے پوچھا سبحان اللہ! میں نے تم کو یا کسی اور کو کہیں آنے جانے سے کب روکا ہے؟ زجاج نے عرض کیا، حضرت! میں ابو محمد رویم سے ملنا چاہتا ہوں لیکن صرف اس خیال سے نہیں جاتا کہ آپ کہیں میری اس حرکت سے ناراض نہ ہو جائیں۔ کیونکہ یہاں کے لوگوں نے مجھے بتایا ہے کہ آپ نے ابو محمد رویم سے ملاقات کو پسند نہیں کیا۔ جنید نے پوچھا میں کیا پسند نہیں کرتا؟ زجاج نے جواب دیا کہ کوئی ابو محمد رویم سے ملاقات کرے اور بالخصوص وہ لوگ جو آپ کے پاس آتے جاتے ہیں۔ جنید نے سکوت اختیار کیا، کوئی جواب نہیں دیا، زجاج چند دنوں کے لیے خاموش ہو گئے۔ انھوں نے کئی بار اجازت لینے کے لیے زبان کھولی مگر چپ ہو ہو گئے۔ اس کا واحد سبب یہ تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اجازت پھر بھی نہیں ملے گی۔

ایک دن زجاج بازار سے گزر رہے تھے کہ ایک صوفی سے ملاقات ہوگئی اس نے ان سے پوچھا ابو عمرو، کیا ابو محمد رویم سے ملاقات کرلی؟ زجاج نے جواب دیا نہیں ابھی تک میں وہاں نہیں جا سکا۔ صوفی نے کہا کہ آپ کو ان سے ضرور ملنا چاہیئے کیونکہ رویم جیسی نادر روزگار ہستی مشکل ہی سے کہیں ملے گی۔ زجاج کے تجسس میں اضافہ ہوگیا اور آن کی آن میں یہ فیصلہ کرلیا کہ وہ رویم سے ملاقات ضرور کریں گے۔ اور اس سلسلے میں جنید سے اجازت بھی نہیں لیں گے۔ صوفی نے پوچھا کیا سوچنے لگے زجاج؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں سوچ رہا تھا کہ میں وہاں کس طرح جاؤں؟ میرا قیام جنید کے پاس ہے اور شاہ جنید کو یہ بات پسند نہیں کہ ان کی صحبت میں اٹھنے بیٹھنے والا کوئی شخص رویم سے ملاقات کرے۔ صوفی نے ہنستے ہوئے کہا تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ آپ رویم سے ملاقات نہیں کر سکیں گے۔ زجاج نے جواب دیا نہیں۔ اس سلسلے میں میں جنید بغدادی کو کچھ بتائے بغیر ہی رویم کے پاس چلا جاؤں گا۔ بعد میں انھیں معلوم بھی ہوگیا تو پروا نہیں۔ صوفی نے کہا حضرت! سوچ لیں آپ، بعد میں کوئی مصیبت نہ کھڑی ہو جائے۔ زجاج نے فیصلہ کرلیا کہ وہ اسی وقت رویم کے پاس جائیں گے۔ چنانچہ وہ بازار ہی سے رویم کی طرف روانہ ہوگئے اس وقت رویم کے دربار میں باہر سے آئے ہوئے کئی صوفی بھی موجود تھے۔ زجاج اس مجلس میں ایک طرف بیٹھ گئے اور آپ کی باتیں سننے لگے۔ اس وقت آپ مجلس میں سوال و جواب میں مشغول تھے۔ لوگ کھڑے ہو کر آپ سے سوال کر رہے تھے اور آپ انھیں جواب دے رہے تھے۔

ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا حضرت! اگر میں چاہوں تو سوالات کی بوچھاڑ کر سکتا ہوں۔ لیکن اس وقت میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ آپ کچھ تھکے تھکے سے دکھائی دے رہے ہیں کیا میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ ایسا کیوں ہے؟ آپ کا مزاج کیسا ہے؟ ابو محمد رویم نے جواب دیا اور فی الفور جواب دیا۔ اس شخص کا مزاج یا حال کیا پوچھتے ہو جس کا دین اس کی خواہش ہو، جس کی ہمت اس کی دنیا ہو۔ ایسا شخص نہ تو نیک بخت متقی ہو سکتا ہے اور نہ عارف اور پاکیزہ خو۔ زجاج کو اس آواز میں سحر جیسا اثر محسوس ہو رہا تھا۔ رویم نے حاضرین سے مخاطب ہو کر بولنا شروع کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تو شروع سے کہہ رہا ہوں کہ معرفت ہی اصل شے ہے جیسا کہ قرآن میں ہے "ہم نے جن و انسان عبادت کے لیے پیدا کیے ہیں"۔ آپ نے سکوت اختیار کیا۔ اس روز آپ کی نظر زجاج پر

پڑگئی۔ آپ انھیں دیکھ کر مسکرائے اور اپنی بات جاری رکھی۔ کہنے لگے کہ انسانوں میں وہ لوگ بھی ہیں جن کو اللہ کی حضوری حاصل ہو جاتی ہے۔ ان کی تین قسمیں ہوتی ہیں۔ ان میں اول وہ ہیں جن کو شاید وعید کہا جاتا ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جن پر ہیبت طاری رہتی ہے۔ دوم وہ ہیں جنھیں شاید وعدہ کہا جاتا ہے اور یہ وہ ہیں جو ہمیشہ عالمِ غیوبیت میں رہتے ہیں۔ کسی نے بے چینی سے دریافت کیا کہ تیسرے کون ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ تیسرے وہ ہیں جو شاید حق کہلاتے ہیں اور یہی ہیں جو ہر وقت مسرور اور مگن رہتے ہیں۔

اس کے بعد زجاج کو مخاطب کیا، اے ابو عمرو! یہاں کیا لینے آئے ہو؟ ابو عمرو نے جواب دیا حضرت! آپ سے ملنے آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا کیا اجازت لے لی تھی؟ ابو عمرو کو شرمندگی ہو رہی تھی جواب دیا، جس طرح میزبان کے لیے کچھ شرائط مقرر ہیں اسی طرح مہمان پر کچھ ذمہ داریاں اور فرائض واجب ہیں اور بحیثیت انسان وہ ان کی بجا آوری اور تعمیل کا پابند ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے یہ کب کہا کہ تم اس کی پابندی نہ کرو لیکن میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک درویش دوسرے درویش کو تیسرے درویش کی ملاقات سے باز کیوں رکھنا چاہتا ہے؟ زجاج نے جواب دیا، حضرت! اس کا میں کیا جواب دوں گا۔ جنید بغدادی ہی اس کا جواب دے سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں وہی میرے اس سوال کا جواب دیں گے۔ وہی اس کی وضاحت میں کچھ فرمائیں گے۔ میں ان سے اس کا جواب مانگوں گا۔ کچھ دیر بعد مجلس برخاست ہو گئی اور آپ زجاج کو اپنے حجرے میں لے گئے۔ فرمایا تم تو کافی دنوں سے اس شہر میں رہ رہے ہو۔ زجاج نے جواب دیا بیشک آپ کا ارشاد بجا ہے مگر اس کے آگے اس موضوع پر کوئی بات نہ کیجیے گا۔ کیونکہ مجھے اس سے شرمندگی ہوگی۔

رویم نے ان کی بات مان لی اور دوسری باتیں کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا اے زجاج! اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں قول اور فعل بڑی نعمت ہے جس کو یہ دونوں نعمتیں مل جائیں وہ بڑے خوش قسمت ہوتے ہیں۔ یہ داخلِ سعادت ہیں۔ اگر انسان سے قول کو سلب کر لیا جائے اور فعل کو باقی رکھا جائے تو یہ انسان کے حق میں نعمت ہوگی لیکن اگر معاملہ برعکس ہو یعنی فعل کو سلب کر لیا جائے اور قول کو بحال رکھا جائے تو یہ انسان کے حق میں بڑی مصیبت ہوگی۔ زجاج نے پوچھا اور اگر قول اور فعل دونوں کو سلب کر لیا جائے؟ آپ نے فرمایا کہ اگر بدقسمتی سے ایسا ہو جائے تو سمجھ لو کہ اس انسان

کے لیے یہی ہلاکت ہے۔ زجاج کو آپ کی گفتگو میں بڑا مزہ آرہا تھا، کہا حضرت! کچھ اور ارشاد فرمائیں
رویم نے فرمایا زجاج! آج میں تمھیں نہایت اہم باتیں بتانا چاہتا ہوں۔ قیامت کے دن سب انسانوں کو
پل صراط سے گزارا جائے گا تو وہاں دوسروں کی نسبت صوفیوں کو بڑی مشکل پیش آئے گی۔ زجاج نے
عرض کیا لیکن حضرت! عام انسانوں کی نسبت صوفی تو زیادہ دیندار اور اللہ کا تابع ہوتا ہے پھر اس کو
کیوں مشکل پیش آئے گی؟

رویم نے جواب دیا کہ دوسری جماعتوں کے لوگوں سے ظاہری شریعت کے مطابق بازپُرس ہوگی
اور صوفیاء سے باطن کے مطابق بازپُرس ہوگی۔ زجاج نے کہا، حضرت! میں ایک مسافر ہوں آپ
مجھے سفر کے آداب بتائیں۔ آپ نے جواب دیا آدابِ سفر کی بنیادی چیز یہ ہے کہ کسی قسم کا خطرہ مسافر
کے لیے سدِ راہ نہ ہو۔ اس کی آرام کی غرض سے کہیں قیام بھی نہیں کرنا چاہیئے۔ یاد رکھو جس جگہ بھی
قلب نے آرام کیا بس وہی اس کی منزل ٹھہری۔ زجاج نے پھر سوال کیا کہ آپ کے نزدیک تصوف
کی بنیاد کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ تصوف کی اساس یہ ہے کہ فقراء سے تعلق رکھے۔ عاجزی سے
ثابت قدم رہے اور بخشش و عطا پر معترض نہ ہو اور اعمالِ صالحہ پر ثابت قدم رہے اس کا نام تصوف
ہے۔ زجاج نے عرض کیا، اور توحید کیا ہے؟ آپ نے فرمایا خدا کی محبت میں عنایت کا نام توحید ہے۔ اس
کے بعد آپ نے فرمایا، برادرِ عزیز! قلبِ عارف ایسا آئینہ ہوتا ہے جس میں ہر لمحہ تجلیات کا انعکاس
ہوتا رہتا ہے۔ پھر فرمایا، زجاج! یاد رکھو قربِ خداوندی جس شے کا نام ہے اگر اس کو معلوم کرنا چاہو
تو یہ دیکھو کہ دل میں خدا کے سوا بھی کچھ ہے یا نہیں، اور جب یہ محسوس کرو کہ خدا کے سوا ہر شے سے
نفرت محسوس ہو رہی ہے تو سمجھ لو کہ تمھیں قربِ حاصل ہوگیا۔

زجاج کے دل و دماغ میں آپ کی باتیں براہِ راست اثر کر رہی تھیں۔ رویم نے ان سے پوچھا
جب جنید کو تمھارے یہاں آنے پر اعتراض تھا تو تم یہاں کیوں آئے؟ زجاج نے جواب دیا کہ حضرت میں
جھوٹ بولنے سے رہا۔ ایمانداری کی بات یہ ہے کہ جب میں بغداد آیا تو میں نے یہ سوچا کہ واپسی پر
لوگ مجھ سے پوچھیں گے کہ زجاج! تم بغداد گئے، اتنے عرصے قیام بھی کیا، مشہورِ زمانہ صوفیوں سے بھی
ملے، یہ بتاؤ کہ پیر و مرشد رویم سے بھی ملاقات ہوئی یا نہیں؟ وہ لوگ آپ کی بابت سوال کریں گے
تو میں انھیں کیا جواب دوں گا؟ رویم نے کہا، تم چاہو تو کچھ دیر قیام کرو۔ زجاج تو پہلے ہی یہ چاہتے

تھے فوراً رک گئے۔ رویم انھیں چھوڑ کر اندر چلے گئے اور کچھ دیر بعد زجاج کو بھی اندر بلوالیا۔ یہاں جو منظر دیکھنے میں آیا وہ پہلے سے بالکل مختلف تھا، یہاں پر رویم گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے بڑی شان سے بیٹھے تھے۔ رویم نے زجاج کو دیکھتے ہی کہا اے ابوعمرو! میں نے سوچا میری جلوت تو تم نے دیکھ لی اب میری خلوت بھی دیکھ لو۔

اتنے میں اندر سے ایک چھوٹی سی لڑکی آپ کے پاس آئی آپ نے اسے اپنے پاس بٹھالیا اور اس سے علم توحید پہ باتیں کرنے لگے۔ کچھ دیر بعد آپ نے زجاج سے کہا اے ابوعمرو! تمھارے شیخ (جنید) کہتے ہیں کہ میں نے کیسی روش اختیار کرلی ہے اور میں نے یہ شغل کیوں ترک نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ میں ان کے پاس حاضری بھی نہیں دیتا۔ اب تم ہی بتاؤ میرے پاس اتنا وقت کہاں۔ یہ بچے میرے پاس آتے ہیں اور مجھ سے سوالات کرتے ہیں، میں انھیں جوابات دیتا ہوں اور کوشش کرتا ہوں کہ انھیں زیادہ سے زیادہ باخبر کردیا جائے۔ میں ان بچوں کو علم توحید کا درس دیتا ہوں اور میں اپنے اس شغل کو ضروری اور واقعی سمجھتا ہوں۔ زجاج نے آپ کی بات سے کامل اتفاق کیا۔ یہاں سے چل کر جب آپ شیخ جنید کے پاس پہنچے تو وہاں کسی نے ان کے پہنچنے سے پہلے ہی یہ بتادیا تھا، کہ اس وقت زجاج، رویم کے پاس تشریف فرما ہیں۔

شیخ جنید نے زجاج کو اپنے روبرو کھڑے دیکھا تو مسکراتے ہوئے کہا کہ آثار بتا رہے ہیں کہ شیخ رویم سے تمھاری ملاقات ہوگئی ہے۔ زجاج نے جی کڑا کر کے جواب دیا کہ میں ان سے مل کر آرہا ہوں۔ جنید نے پوچھا تو انھیں کیسا پایا؟ انھوں نے جواب دیا کہ رویم تو بڑے بلند پایہ بزرگ ہیں، ان کی باتوں نے جی خوش کردیا۔ جنید بغدادی نے فرمایا الحمدللہ! تم نے مجھے خوش کردیا میں دل ہی دل میں خوفزدہ تھا کہ اگر رویم سے مل کر اور انھیں اس حال میں دیکھ کر کہ وہ گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے لوگوں سے مخاطب ہیں اور اگر تم ان کے ظواہر پہ ان کی شخصیت کو جانچنے لگے تو اس کا آخر کیا نتیجہ نکلے گا، تم ان کی شخصیت سے بےنیاز اور منحرف ہو جاؤ گے بس اسی خوف سے میں تمھیں وہاں نہیں جانے دینا چاہتا تھا۔ زجاج نے عرض کیا آپ میرے بارے میں یہ کیا سوچ رہے تھے؟ جنید نے جواب دیا کہ میں نے جو کچھ سوچا تھا عین بشریت کے مطابق تھا اور اگر اس طرح سوچ لیتے تو اپنے ذخیرۂ اعمال کو برباد کرلیتے۔ الحمدللہ کہ تم نے انھیں خوب دیکھا وہ واقعی بزرگ ہیں۔

۱۵۲۔ تصوّف کیا ہے؟

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت شیخ ابو رویم سے ایک صوفی نے دریافت کیا حضرت! اس وادیٔ تصوف میں گھومتے پھرتے عمر گزر گئی لیکن حال اب بھی بُرا ہے۔ اگر کوئی ہم سے پوچھے کہ تصوف کیا ہے تو ہمارے پاس اس کا کوئی شافی و کافی جواب نہیں ہے۔ آپ ہی اس کی وضاحت فرمادیں تو ہمارے علم میں اضافہ ہو جائے گا اور ہم آپ کے شکر گزار ہوں گے۔ آپ نے توقف فرمایا اور کچھ سکون کے بعد جواب دیا، سُن! صوفی وہ ہے جو نہ تو خود کسی چیز کا مالک ہو اور نہ اس کا کوئی مالک ہو اور تصوف یہ ہے کہ دو چیزوں میں زیادتی (افراط) کا پہلو ترک کر دیا جائے۔ ایک دن ایک ظاہر بین، اور مادہ پرست حضرت رویم سے ملا اور گستاخانہ لہجے میں پوچھا، رویم کیا آپ صوفی ہیں؟ آپ نے جواب دیا میں اتنا بڑا دعوٰی کس طرح کر سکتا ہوں۔ میں اللہ کا حقیر ترین بندہ ہوں۔ اس شخص نے کہا آپ خود کو حقیر ترین نہ کہیں۔ آپ تو ہمارے معاشرہ کے معزز ترین فرد ہیں۔ آپ کا لباس، آپ کی نشست برخاست کا شاہانہ انداز، آپ کا گاؤ تکیہ، آپ کی ہر چیز شاندار ہے۔ پھر آپ ایسی بات کیوں کہتے ہیں۔

آپ نے فرمایا اے شخص! میں جس ماحول میں رہتا ہوں وہاں صوفی سے زیادہ قاضی بن کر رہنا پڑتا ہے ورنہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنا پاٹتا بہ سر سے باندھ لوں اور اسی حلیے میں بازار جاؤں۔ ادنیٰ سے ادنیٰ لباس پہن سکتا ہوں لیکن میں نے کہہ جو دیا کہ قاضی ہوں اور یہ میرا قاضی ہونا بہتوں کے کام آتا ہے۔ میں انھیں صحیح انصاف دیتا ہوں۔ میں مخلوق کی خدمت کرتا ہوں۔ پھر تجھ کو اس پر اعتراض کیوں؟ معترض خاموش ہو گیا۔ چند دنوں کے بعد اس شخص کو کسی جھوٹے الزام میں قید کر دیا گیا۔ اس کے خلاف جو مقدمہ قائم کیا گیا تھا وہ رویم کے سامنے پیش ہوا اور لوگ اس کو سزا دلوانے میں بڑی دلچسپی لے رہے تھے۔ آپ نے اسے اپنے روبرو دیکھا تو بڑی حیرت ہوئی، اس سے پوچھا تجھ پر جو الزام لگایا گیا ہے کیا وہ درست ہے؟ اس نے جواب دیا کہ وہ بالکل غلط ہے سر تا پا جھوٹ ہے لیکن جن لوگوں نے الزام لگایا تھا وہ بضد تھے کہ یہ خطا کار ہے۔ رویم نے غصے کے عالم میں ان لوگوں کی طرف دیکھا اور پوچھا کیا تم اس کو گناہ گار کہلوگے؟ انھوں نے جواب دیا کیوں نہیں۔

آپ نے انھیں دھمکی دی کہ اگر تم ثابت نہ کر سکے تو میں تم پر جرم اتہام میں مقدمہ چلاؤں گا اور سزا دوں گا۔ یہ لوگ ڈر گئے اور مقدمہ کی پیروی میں کمزوری دکھائی۔ آخر میں ان لوگوں نے اعتراف کرلیا کہ انھوں نے یہ جھوٹا مقدمہ تیار کیا تھا اور آپ سے معافی مانگی۔ آپ نے فرمایا کہ میں تمھیں کس طرح معاف کرسکتا ہوں، تم اس شخص کے مجرم ہو۔ یہ چاہے تو معاف کردے اور نہ معاف کرنا چاہے تو سزا بھی دلواسکتا ہے اور میں اس کی بات مانوں گا۔ وہ شخص رونے لگا، بولا، مجھے جتنا ذلیل ہونا تھا ہو چکا اور ایسا کیوں ہوا میں جانتا ہوں۔ اس لیے میں ان لوگوں کو معاف کردینا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ بہتر ہے کیونکہ تو چاہے تو بدلہ لے لے لیکن تیری عظمت اور بڑائی اسی میں ہے تو انھیں معاف کردے چنانچہ اس شخص نے انھیں معاف کردیا۔ آپ اسے اپنے ساتھ لے گئے اور فرمایا اے شخص! تونے دیکھ لیا یاد رکھ جو شخص صوفیوں میں اٹھے بیٹھے اور ان امور میں جن کی یہ تحقیق کرچکے ہوں ان کی مخالفت کرے تو اللہ اس کے دل سے ایمان کا نور نکال لیتا ہے۔ وہ شخص بیحد شرمندہ تھا۔ آپ نے فرمایا اے عزیز! تجھ کو مومنوں کی عبث باتوں میں دلچسپی نہیں ہونی چاہیئے۔ تو نہیں جانتا کہ اس میں صوفیوں کو اپنی روح خرچ کرنا پڑتی ہے۔ اس شخص نے توبہ کرتے ہوئے کہا، حضرت! جو ہونا تھا ہو چکا۔ میں اپنی جگہ بیحد شرمندہ ہوں۔ (اس کے بعد یہ شخص آپ ہی کی صحبت میں اپنا بیشتر وقت گذارنے لگا۔

۱۵۲۔ اخلاص کی تلقین

حضرت شیخ ابوسعید کے بچپن کا واقعہ ہے کہ ایک دن آپ نماز جمعہ کے لیے اپنے والد کے ساتھ تشریف لے جارہے تھے کہ راستے میں حضرت ابوالقاسم بشر یاسین سے ملاقات ہوگئی۔ آپ بڑے پائے کے ولی اللہ تھے۔ کمسن شیخ ابوسعید کو دیکھا تو پوچھا۔ ابوالخیر! کیا یہ تمھارا بچہ ہے؟ اثبات میں جواب سن کر آپ اپنا چہرۂ اقدس حضرت ابوسعید کے چہرے کے قریب لے گئے اور پھر آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پھر بابا ابوالخیر سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ میں ایسی حالت میں دنیا سے کیسے رخصت ہوسکتا تھا کہ مقام ولدیت خالی رہ جاتا۔ تیرے بچے کو ولدیت میں سے کافی حصہ ملے گا۔ اسے نماز کے بعد میرے پاس لانا۔ نماز سے فراغت کے بعد حضرت ابوالخیر حضرت ابوالقاسم بشر کے دولت خانے پر تشریف لے گئے۔ حجرے میں ایک بلند طاقچہ تھا۔ حضرت ابوالخیر سے فرمایا کہ بیٹے کو کندھوں پر اٹھا کر اونچا کرو تاکہ وہاں

رکھی ہوئی جو کی ایک ٹکیہ کو اتارے۔ حضرت ابو سعید نے جب اس ٹکیہ کو پکڑا تو وہ گرم تھی۔ حضرت ابوالقاسم بشر یاسین نے وہ ٹکیہ ہاتھ میں پکڑ لی اور فرمایا۔ ابوالخیر! اس ٹکیہ کو طاقچے میں رکھے تیس سال ہو گئے ہیں۔ مجھ سے یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ یہ ٹکیہ جس کے ہاتھ میں پہنچ کر گرم ہو جائے گی اس کی برکت سے ایک جہان زندہ ہو جائے گا اور وہ اپنے وقت کا بہت بڑا ولی کامل ہوگا۔ یہ کہہ کر آپ نے اس ٹکیہ کے دو حصے کیے۔ ایک حصہ حضرت ابو سعید کو کھانے کے لیے دیا اور دوسرا تو دکھا لیا۔ اس کے بعد چند کلمات پڑھنے کے لیے تلقین فرمائی جس کے ورد سے آپ کو ان گنت فوائد حاصل ہوئے، آپ نے مجاہدہ کے لیے فرمایا اور نصیحت کی کہ لین دین سے طمع کو نکال دو کیونکہ دولتِ اخلاص طمع و لالچ کی موجودگی میں ہاتھ نہیں آتی۔ اس لیے کہ عمل طمع کے ساتھ مزدوری، اور اخلاص کے ساتھ بندگی کہلاتا ہے۔

۱۵۴۔ اصلاح کا بہترین انداز

حضرت شیخ ابو سعید کی مجالسِ وعظ، ابیات اور اشعار سے پُر ہوتی تھیں۔ ان میں اس قدر تاثیر ہوتی کہ سامعین وجد و نشاط سے جھوم جاتے تھے۔ ایک روز آپ خانقاہ میں وعظ فرما رہے تھے کہ ابو عبداللہ کرام کے ساتھیوں میں سے ایک محتسب نیشاپور میں رہتا تھا وہ حضرت ابو سعید ابوالخیر کے مخالف تھا۔ وہ دھوبی کو کپڑے دینے گیا تو آپ کو وعظ فرماتے دیکھ کر دل میں کہا کہ واپس آکر ان سے نپٹ لوں گا۔ دھوبی کے پاس پہنچ کر اس نے اسے چاندی کا ایک درہم دیا۔ دھوبی نے کہا صابن اور کھاد کا خرچہ تو دیتے جاؤ۔ محتسب نے اسے چند دُرّے مارے اور واپس لوٹ آیا اور خانقاہ کے اندر جا کر تند لہجے میں بولا کہ یہ دوغلاپن اور مکر و حیلہ کب تک جاری رہے گا؟ شیخ ابو سعید نے فرمایا کہ پھر کیا کرنا چاہیے؟ "یہ مجلس اور اشعار سنانا بند ہونا چاہیے" محتسب نے اسی لب و لہجے میں کہا۔ "ایسا ہی کروں گا۔ مگر تم کو بھی تو صبح صبح ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ دھوبی کو کپڑے دھونے کے لیے ایک درہم دیا اور دُرّے مارے۔ وہ بلبلانے لگا اور تمھیں رحم تک نہ آیا۔ اگر کپڑے دھلوانے ہوں تو میرے خادم حسن کو دے دیا کرو تا کہ ہر کوئی مسلمان تیرے آزار سے محفوظ رہے اور تو گناہ سے" محتسب نے سُنا تو بہت شرمندہ ہوا اور شیخ کے قدموں پر گر پڑا۔

۱۵۵۔ انتقام کا بدلہ

قاضی سیفی سرخس کے قاضی القضاۃ اور عالمِ دین تھے مگر بزرگانِ دین اور صوفیاء کے منکر تھے۔ کئی بار لوگوں کو تیار کیا کہ حضرت شیخ ابوسعید کو قتل کر دیا جائے مگر کوئی نہ مانا۔ بالآخر ایک شخص تیار ہو گیا۔ آپ وعظ فرما رہے تھے، دوسری طرف مساجد اور بازاروں میں اعلان کیا جا رہا تھا کہ فلاں جگہ قاضی سیفی خطاب کریں گے۔ آپ نے سنا تو مریدین سے فرمایا وضو کرلو آج قاضی سیفی کی نماز جنازہ پڑھنے جانا ہے۔ لوگ حیران تھے کہ قاضی زندہ سلامت ہے۔ ادھر قاضی خطبے کی تیاری کے سلسلہ میں غسل کے لیے حمام میں گیا۔ اس سے چند روز پہلے ایک شخص جیل سے رہا ہو کر آیا تھا جسے قاضی سیفی نے اس بنا پر قید میں ڈالا تھا کہ اس نے طلاق کی قسم کھائی تھی، عورت جدا ہو گئی تھی اور اسے مہر اور دیگر اخراجات برداشت کرنا پڑے اور قید خانہ میں رہنا پڑا تھا۔ اس نے لوہار سے خنجر خریدا اور گاؤں کی طرف چل پڑا۔ قاضی کو تنہا دیکھا تو آتشِ انتقام بھڑک اٹھی۔ خنجر مار کر اس کا پیٹ پھاڑ دیا۔ شہر میں شور مچ گیا۔ حضرت نے فرمایا کہ قاضی نے ہمارے قتل کا حکم دیا تھا۔ وہ ہمارا کیا ہوتا تھا۔ ہم نے اس کے قتل کا اعلان کیا۔ وہ خدا کا کیا ہوتا ہے۔

۱۵۶۔ رُوحانیت کا اصل راز لفظ اللہ ہے

سرخس کے قیام کے دوران حضرت ابوسعید ابوالخیر کی ملاقات شیخ طریقت حضرت پیر ابوالفضل سے ہوئی۔ ایک دن آپ نہر کے کنارے تشریف لے جا رہے تھے کہ حضرت پیر ابوالفضل بھی ادھر آ گئے انھوں نے جھکی سی نظر آپ پر ڈالی کہ دل وارفتہ ہو گیا اور پھر آپ ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ اس دوران آپ حصولِ علم بھی کرتے رہے۔ جب فارغ ہوئے تو ایک دن مرشد نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور خانقاہ میں لے گئے اور فرمایا، ابا سعید! جتنے انبیاء و مرسلین دنیا میں تشریف لائے ہیں سب نے ایک ہی لفظ اللہ کو مقصود ٹھہرایا ہے۔ تم بھی اس کے ہو جاؤ۔ وہ لوگ جو اللہ کے ہو گئے وہ پاک ہو گئے۔ یہ سننے کی دیر تھی کہ آپ کو یوں محسوس ہوا جیسے سینہ شق ہو گیا ہو اور آپ کی ذات کو آپ سے چھین لیا گیا ہو۔ مست ہو گئے۔ پس و پیش کا ہوش نہ رہا۔ ایک مدت تک مرشد کی خدمت میں گفتار حق کے ساتھ کلمہ کا حق

ادا کرتے رہے۔ ایک روز مرشد نے فرمایا:۔

اے ابا سعید! اس پاک کلمہ کے حروف کے دروازے تم پر کھول دیے گئے۔ اب معرفتِ الٰہیہ کے لشکر تیرے سینے پہ اتریں گے اور عجیب و غریب مشاہدات و مکاشفات ہوں گے اس لیے خلوت اختیار کرو تاکہ تکمیل ہو سکے۔ آپ کو تصنیف و تالیف کا ابتداء سے ہی شوق تھا لیکن جب آپ پر یہ مقام آیا تو علوم و فنون کو ایک طرف رکھنا پڑا۔ آپ نے تمام قلمی مسودات کو زمین میں دفن کر دیا۔ اور ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ وصول الی اللہ کے بعد تم میں مشغول رہنا امر محال ہے۔ چنانچہ آپ مرشد کے فرمان کے مطابق میہنہ تشریف لے گئے۔ اور گھر کے ایک کونے میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنے لگے۔ جب کبھی اونگھ غالب آنے لگتی تو محراب میں سے ایک شخص آتشیں ہتھیار لیے نمودار ہوتا اور نہایت ہیبتناک آواز میں کہتا ابا سعید! اللہ اللہ کہو۔ نتیجتاً آپ اس خوف سے دن اور رات کے کسی حصے میں ایک پل کے لیے بھی سو نہ سکتے تھے۔ اس طرح سات سال بیت گئے۔ حتیٰ کہ آپ کے وجود سے اللہ اللہ کی آواز بلند ہونے لگی۔ آپ پھر مرشد تا بپیر ابو الفضل حسن کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو گئے۔ انھوں نے آپ کو خانقاہ میں ایک جگہ عطا فرما دی اور آپ کے افعال و تہذیب و اخلاق پر نظر رکھنے لگے۔ ایک مدت گزرنے کے بعد مرشد کامل نے فرمایا کہ خلوت گاہ میں آجائیں وہاں پھر آپ نے اپنے مرید خاص کے ریاضات و مجاہدات کی نگرانی فرمائی اور پھر میہنہ میں واپس بھیج دیا کہ والدہ کی خدمت میں لگ جاؤ۔ حسب ارشاد آپ واپس اپنے شہر چلے گئے۔

۱۵۷۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر کا روحانی مرتبہ

حضرت ابوالحسن خرقانی کے بیٹے احمد کو کسی نے قتل کر دیا جب آپ اسے نہلا دھلا کر کفن پہنا چکے تو حضرت ابوسعید ابوالخیر مع جماعت تشریف لے آئے۔ بیٹے کی لاش کو ایک طرف رکھ دیا اور خود آپ کا استقبال کیا۔ دیر سے قدم رنجہ فرمانے کے متعلق پوچھا تو آپ نے جواب دیا "راستہ بھول گئے تھے ورنہ رات کو پہنچ جاتے۔" حضرت ابوالحسن نے اپنے مریدین کو بتایا کہ شیخ راستہ نہیں بھول سکتے اس راستہ کی بدنصیب زمین مدت سے ان بزرگوں کے لیے چشم براہ تھی۔ اس پر آہستہ آہستہ چلنا اس کی پیاس بجھانا تھی۔ اس کے سینہ کو ان بزرگوں کے قدموں نے روشن کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

اپنے فرشتوں کو بھیجا تھا کہ اس ولی اللہ کی عنانِ سفر پکڑ کر اس علاقہ کی زمین پہ لے آئیں۔

خرقان میں آپ کے لیے ایک علیحدہ کمرہ مخصوص کر دیا گیا۔ حضرت ابوالحسن خرقانی نے اپنے مریدین سے کہا کہ حضرت ابوسعید معشوقِ مملکت ہیں۔ دلوں کے حالات جانتے ہیں، کوئی بدگمانی اور بے لطفی کا اظہار نہ کرے۔ حضرت ابوسعید تیس دن خرقان میں مقیم رہے۔ حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی بار بار عرض کرتے تاکہ آپ گفتگو فرمائیں۔ لیکن آپ صرف اتنا کہتے کہ ہم سنانے نہیں سننے آئے ہیں۔ حضرت خرقانی نے کہا کہ آپ ہماری ضرورت ہیں۔ ہم نے اللہ تعالیٰ سے اپنی ضرورت کی درخواست کی تھی۔ وہ چل کر ہمارے گھر آگئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں میں سے ایک دوست بھیجا تاکہ میں رازِ دل کا اظہار کرسکوں۔ میں بوڑھا تھا، خود حاضر نہیں ہو سکتا تھا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے قوت دی ہے، عزت دی ہے لہٰذا خود تشریف لے آئے۔

اس سفر میں آپ کی زوجہ محترمہ بھی ساتھ تھیں۔ حضرت شیخ خرقانی ہر صبح دروازے کے پاس آتے سلام عرض کرتے اور فرماتے۔ آپ ایک برگزیدہ شخص کی رفیقہ حیات ہیں۔ یہاں صرف حق ہی حق ہوتا ہے پھر حضرت ابوسعید کے دروازے پر حاضری دیتے۔ پردہ ہٹا کر اندر آنے کی اجازت طلب کرتے، پھر اندر تشریف لے جاتے۔ ایک دن شہر کا قاضی القضاۃ سلام کے لیے آیا۔ وہ بھی حضرت خرقانی کا مرید تھا اس نے جب حضرت ابوسعید کو بادشاہوں کی طرح چوکڑی مار کر بیٹھے اور ایک درویش سے پاؤں دبواتے دیکھا تو دل میں خیال آیا کہ یہ کیسی درویشی ہے۔ یہ ناز و نعم میں آرام کرنے والے فقر اور درویشی کو کیا جانیں۔ حضرت ابوسعید نے سرِ مبارک اٹھا کر قاضی کی طرف دیکھا اور فرمایا۔ "جو مشاہدہ حق میں ہو گیا اس پر فقر کا نام درست نہیں آتا"۔ یہ سننا تھا کہ قاضی نے نعرہ مارا اور بے ہوش ہو گیا۔ درویش اسے اٹھا کر باہر لے گئے۔ حضرت ابوالحسن خرقانی تشریف لائے اور کہا، حضرت! آپ نے قاضی پر نظرِ ہیبت ڈالی ہے نظرِ رحمت بھی ڈالیں کیونکہ وہ حال سے بے حال ہو گیا ہے۔ چنانچہ آپ نے اسے معاف فرما دیا اور وہ اصل حالت میں آگیا۔

۱۵۸۔ الہام اور وسوسے میں فرق

حضرت شیخ ابوسعید کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ نیشاپور سے طوس تشریف لے جا رہے تھے۔ شیخ

ابومسلم فارسی آپ کے ہمراہ تھے۔ سردی شباب پر تھی۔ ابومسلم کے دل میں خیال آیا کہ اپنی کمر کی پیٹی کے دو ٹکڑے کر کے حضرت کے پائے مبارک پر لپیٹ دوں۔ مگر دل نے دوسرے لمحے مخالفت کی اور جواز پیش کیا کہ یہ بڑی قیمتی ہے۔ ایک روز طوس میں محفل برپا تھی۔ شیخ ابومسلم فارسی نے عرض کیا یا شیخ! وساوس شیطانی اور الہام میں کیا فرق ہے؟ اس کے جواب میں فرمایا کہ الہام وہ ہے جس میں تجھے کہا گیا کہ کمر کی پیٹی کاٹ کر میرے پیروں کو سردی سے محفوظ کر اور شیطانی وسوسہ وہ تھا جس نے تجھے اس کام سے روکا۔

۱۵۹۔ خودسری کا بہترین علاج

حضرت شیخ ابوسعید کے مرید خاص خواجہ حسن مؤدب کا واقعہ ہے کہ وہ بڑا صاحبِ ثروت تھا۔ جب حضرت ابوسعید ابوالخیر کا مرید ہوا تو سارا مال آپ کی نذر کر دیا۔ آپ نے مال کو حاجت مندوں میں تقسیم فرما دیا اور حسن کو عبادت و ریاضت میں لگا دیا لیکن ان مجاہدات کے باوجود اس کے اندر خواجگی کی بُو موجود تھی۔ ایک دن اسے آواز دی اور فرمایا کہ قصابوں کے چوک سے جانوروں کی کھال اوجھڑیاں وغیرہ خرید لاؤ۔ حسن نے خرید کر انھیں پشت پر لاد لیا۔ خون اور نجاست اس کے کپڑوں پر بہہ رہا تھا، اسے یہ کام بڑا گراں گزرا اور لوگوں سے منہ چھپائے شرمندگی سے چلا آرہا تھا کیونکہ وہ ہمیشہ خوش پوش رہتا تھا۔ اسے خواجگی اور امارت کے احساس سے دستبرداری بڑی مشکل تھی۔ آپ نے فرمایا کہ محبوبِ کبریاؐ کا ارشاد عالیہ ہے کہ صدیقین کے دماغوں سے جو چیز سب سے آخر میں نکلتی ہے وہ حکمرانی کی محبت اور خودسری کی بُو ہے۔ حضرت شیخ کی بھی یہی تمنا تھی کہ حسن کے دماغ سے یہ باتیں نکل جائیں، اور ایسا ہی ہوا۔

۱۶۰۔ ظریف کا نیا مطلب

ایک مرتبہ سرخس کے لوگوں نے حضرت شیخ ابوسعید سے پوچھا کہ یا حضرت! ظریف کا مطلب کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ میرے خیال کے مطابق تمھارے شہر میں لقمان کو ظریف کہتے ہیں۔ لوگوں نے پھر عرض کیا کہ یا حضرت! ہمارے شہر میں تو اس سے زیادہ سخت گفتار اور سنجیدہ انسان نہیں ملتا۔

آپ نے فرمایا تمھیں بھول ہوتی ہے۔ ظریف تو پاکیزہ چیز کو کہتے ہیں جو کسی دوسری سے ملی ہوئی نہ ہو۔ اور کسی دوسری چیز سے اس کی پیوندکاری نہ ہو۔

۱۶۱۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا واقعہ

حضرت سید عبد القادر جیلانیؒ کا کہنا ہے کہ ایک مرتبہ آپ پر بھوک کا شدید غلبہ ہوا۔ چلنے کی طاقت نہ رہی تو بغداد کی ایک مسجد میں بیٹھ گئے۔ اتنے میں ایک ایرانی نوجوان گرم گرم روٹیاں اور بُھنا ہوا گوشت لے کر مسجد میں آیا اور کھانے بیٹھا۔ اچانک آپ کی نگاہ اس جانب اٹھی لیکن شانِ غیرت غالب آئی اور استغفار پڑھ کر آپ نے منہ پھیر لیا۔ ایرانی نوجوان نے آپ کو کھانے میں شریک کرنا چاہا لیکن آپ نے انکار کر دیا مگر جب اس نے بہت اصرار کیا اور قسمیں دیں تو حضرت غوث الاعظم نے مجبور ہو کر اس کی دعوت قبول فرمائی لیکن لقمہ اٹھاتے ہی انھیں کچھ خیال آیا۔ آپ نے اس طالب علم سے پوچھا کہ آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ "روزگار کی تلاش میں جیلان سے آیا ہوں"۔ طالب علم نے جواب دیا۔ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں جیلان کا رہنے والا ہوں۔ نوجوان نے پھر سوال کیا۔ آپ جیلان کے ایک نوجوان طالب علم عبد القادر سے واقف ہیں؟ آپ نے فرمایا میرا ہی نام عبد القادر ہے۔ یہ سن کر ایرانی نوجوان کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور شرمندگی کے لہجے میں بولا۔

"معاف کیجئے گا میں نے آپ کی امانت میں خیانت کی ہے۔" اس پر حضرت نے متحیر ہو کر پوچھا کہ واقعہ کیا ہے؟ طالب علم نے عرض کیا کہ میں تلاش روزگار میں جب جیلان سے بغداد روانہ ہوا تو آپ کی والدہ ماجدہ نے مجھے آپ کے لیے آٹھ دینار دیے تھے۔ بغداد پہنچ کر آپ کو کئی دن تلاش کیا اس اثنا میں میرے پاس جو تھوڑی بہت رقم تھی وہ خرچ ہو گئی اور کہیں روزگار نہ ملا۔ جب فاقہ کشی پر نوبت آئی تو میں نے آپ کی امانت میں سے ایک دینار خرچ کر کے اپنے کھانے پینے کا انتظام کیا۔ اصل میں یہ کھانا آپ کے روپیہ سے خریدا گیا ہے۔ حضرت غوث الاعظم محبوب سبحانی نے آبدیدہ ہو کر پروردگار کا شکر یہ ادا کیا کہ اس نے شدید آزمائش کے طور پر آپ کو غیر کا شرمندۂ احسان نہیں کیا اس کے بعد آپ نے ایرانی طالب علم کو دلاسا دیا اور اس نے سات دینار جو آپ کی خدمت میں پیش کیے تھے ان میں سے صرف چند قلیل اپنے لیے رکھ کر باقی رقم اس کو مرحمت فرما دی۔

۱۶۲۔ صرف ایک خُدا کا خیال

حضرت سید عبدالقادر جیلانی کا قول ہے کہ میں کئی سال کرخ کے ویران میدانوں میں رہا۔ وہاں میری خوراک صحرائی کھجور تھی اور لباس صُوف کا ایک جُبّہ تھا جو کوئی نیک خیال شخص مجھ کو لاکر اُڑھا دیتا تھا میں ننگے پاؤں کانٹوں کے جنگل میں پھرتا تھا۔ میرے تلوے چھلنی ہو گئے تھے۔ وہ میری امنگوں اور ولولوں کا وقت تھا جو شباب کا زمانہ مشہور ہے اور جس میں بہت سے لوگ خواہشاتِ نفسانی سے مغلوب ہو جاتے ہیں مگر میں اپنی ہر خواہش پر غالب تھا۔ میرے دل میں نہ اچھا کھانے کی آرزو ہوتی تھی نہ اچھا پہننے کی، نہ اچھے مکانوں میں رہنے کی، نہ دنیا کے عیش و آرام کی، نہ عزت و جاہ کی۔ میرے جسم کا ہر جذبہ ایک ہی رُخ مصروف تھا۔ میرے وجود کی ہر خواہش ایک ہی سمت متوجہ تھی۔ میرے تصور اور خیال میں سوائے ایک چیز کے کسی دوسری شے کا گذر نہ ہوتا تھا اور وہ "خدا" تھا اور اس کی جانب چلنے کا سلوک تھا اور اس کی یاد سے کیف و ذوق میسر آنے کی طلب تھی جو مجھے ملا۔

۱۶۳۔ صاحبِ معرفت کے وعظ کا اثر

ایک دفعہ حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کے صاحبزادے حضرت ابو عبداللہ عبدالوہاب سیاحتِ ممالک اور حصولِ علوم و فنون کے بعد حاضرِ خدمت ہوئے تو منبر سرکار پر وعظ کہنے کی اجازت طلب کی آپ نے فرمایا اجازت ہے۔ صاحبزادے صاحب کا بیان ہے کہ میں نے فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیے اور کوئی دقیقہ مؤثر طرزِ نصائح کا باقی نہ رکھا۔ خود سرکار باطن مدار بھی بزم میں جلوہ فرما تھے مگر میں دیکھتا تھا کہ حاضرین پر میری تقریر کا ذرا اثر نہ ہوا بلکہ اہل مجلس کے غل اور شور اور بے توجہی سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ میرے بیان پر کچھ بھی متوجہ نہیں ہیں۔ محفل کا یہ رنگ دیکھ کر میں منبر سے اتر آیا تو سرکار اقدس منبر پر تشریف لے گئے اور آپ نے یہ جملے فرمائے "کل میں روزہ سے تھا۔ ام یحییٰ نے کچھ انڈے بھون کر ایک کورے سکورے میں طاق پر رکھ دیے تھے۔ ایک بلی نے اس سکورے کو طاق سے نیچے پھینک دیا۔ سکورا ٹوٹ گیا اور انڈے خاک میں مل گئے"۔

حضور اتنی ہی تقریر کرنے پائے تھے کہ مجلس میں ہر طرف سے ہُو حق کے نعرے بلند ہونے لگے

اور آن کی آن میں محفل پر کیف طاری ہوگیا۔ خلوت میں حضور نے ارشاد فرمایا۔ "میاں! تم کو معلوم بھی ہے کہ تمھارے عالمانہ وعاقلانہ وعظ کا اثر کیوں نہ ہوا اور میرے معمولی الفاظ نے یہ ہنگامہ کس وجہ سے پیدا کر دیا۔ سنو! تم کو اپنے سفر ظاہر پر ناز ہے مگر تم نے عالم باطن کا سفر نہیں کیا۔ میں جب کلام کرتا ہوں خدا تعالیٰ کی یہ تجلیاں اثر کے نمودار ہو جاتی ہیں کیونکہ میری نظر حقیقت پر رہتی ہے۔ میں خودی گم کر کے کلام کرتا ہوں اور تم خودی میں قائم ہو کر بولتے ہو۔" بیشک حضور نے سچ فرمایا: ظاہر میں انڈے، خاکی سکورے اور بلی کا بیان تھا۔ ظرف گلی اور انڈے کی شکست وخرابی کا ذکر تھا مگر حقیقت میں وجود اور نفس وشیطان کے اشارات تھے۔ سمجھنے والے سمجھ گئے اور اثر ڈالنے والے نے اپنا کام دکھا دیا۔

۱۶۴۔ حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کی دعا کا اثر

شیخ محمد صادق شیبانی سے روایت ہے کہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے والد لا ولد تھے ان کی بیوی حضرت غوث اعظم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ سے اولاد کے لیے دعا کرنے کی درخواست کی۔ شیخ نے ان کے حق میں دعا کرنے کے بعد فرمایا اللہ تعالیٰ بہت جلد تمھیں بیٹا عطا کرے گا۔ قدرت خدا کی دیکھیے کہ وہ اسی شب حاملہ ہوگئیں مگر مقررہ مدت کے بعد لڑکے کی جگہ لڑکی پیدا ہوئی۔ حضرت عبدالقادر جیلانی کو جب اس بات کی اطلاع پہنچائی گئی تو آپ نے اطلاع لانے والے سے فرمایا۔ اچھی طرح جا کر دیکھو وہ لڑکا ہے لڑکی نہیں ہے۔ گھر جا کر دیکھا گیا تو واقعی لڑکا تھا پھر آپ نے اس لڑکے کا نام شہاب الدین تجویز فرمایا اور کہا کہ خدا کے فضل سے یہ طویل عمر پائے گا۔ اور اپنے وقت کا بزرگ کامل ہوگا۔ شیخ عبدالقادرؒ کے فرمان کے مطابق شہاب الدین عمر اپنے وقت کے ولی کامل ثابت ہوئے اور انھوں نے طویل عمر پائی۔

۱۶۵۔ مُفلس کی تلاش

ایک دفعہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی حج پر روانہ ہوئے۔ راستے میں حلہ نامی ایک قصبے میں قیام فرمایا جہاں مفلسی کے اعتبار سے ایک بوڑھا شخص کچھ زیادہ ہی ابتر حالت میں تھا آپ سیدھے اس کے مکان پر تشریف لے گئے جو کہ ایک خستہ حال کٹیا تھی جس کی دیواریں گر چکی تھیں اور پردے کے لیے

بوسیدہ چادریں لٹکی ہوئی تھیں۔ اس جھونپڑی میں تین افراد پر مشتمل کنبہ رہتا تھا یعنی ایک بوڑھا خود تھا دوسری اس کی بیوی اور تیسری ان کی بیٹی تھی۔ آپ نے صاحب خانہ سے مکان میں رہنے کی اجازت طلب فرمائی جیسا کہ روایت ہے کہ عرب لوگ انتہائی کس مپرسی کی حالت میں بھی مہمانوں کا خندہ پیشانی سے استقبال کرتے ہیں، بوڑھے نے بھی اھلاً و سہلاً کہا اور یوں شیخ ان کے کٹیا نما مکان میں ٹھہر گئے۔ ادھر اسی دوران تمام علاقے میں آپ کی آمد کی خبر پھیل گئی اور تمام اہل علاقہ تحائف وغیرہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے کئی امیر لوگوں نے آپ کو اپنے ہاں چلنے کی دعوت دی لیکن آپ نے معذرت ظاہر کی، لیکن انھوں نے سونا چاندی، مویشی اور غلہ وغیرہ کی صورت میں جو نذرانے آپ کو پیش کیے آپ نے وہ سب اپنے میزبان کی نذر کر دیے۔ پھر اس سے اگلی رات آپ مکہ معظمہ روانہ ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ چند ہی برسوں میں وہ بوڑھا شخص اپنے علاقے کا امیر کبیر اور اہلِ ثروت شخص بن کر سامنے آیا۔ اس واقعہ سے ہمیں درس ملتا ہے کہ آپ نے امیر کے گھر کو چھوڑ کر غریب کے گھر کو پسند فرمایا تا کہ رب راضی ہو۔

۱۶۶۔ ایک بوڑھے کی توبہ کا قصّہ

حضرت عبدالقادر جیلانیؒ ایک روز صبر و استقامت اور ایثار کے موضوع پر حاضرین مجلس کو درس دے رہے تھے کہ اچانک خاموشی اختیار کر لی۔ حاضرین حیرت میں پڑ گئے کہ الٰہی ماجرا کیا ہے۔ پھر اگلے ہی لمحے آپ نے آسمان کی جانب انگلی اٹھائی اور حاضرین سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا کہ صرف سو دینار درکار ہیں۔ آپ کا ارشاد سنتا تھا کہ بیشمار لوگ سو سو دیناروں کی تھیلیاں لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ مگر آپ نے صرف ایک شخص سے سو دینار قبول کیے اور ایک خادم کو حکم دیا کہ یہ رقم لے کر متبو سونیز پر جاؤ وہاں تمہیں ایک بوڑھا شخص بربط بجاتا ہوا نظر آئے گا اسے یہ دینار دے کر واپس چلے آنا۔ خادم آپ کا حکم بجا لایا اور فوراً مقبرہ سونیزہ پہ پہنچ گیا جہاں سچ مچ ایک بوڑھا بربط بجا رہا تھا۔ خادم نے سو دینار اس کی ہتھیلی پر رکھ دیے مگر بوڑھا ایک فلک شگاف چیخ مار کر بیہوش ہو گیا۔ جب دوبارہ ہوش میں آیا، تو خادم نے اسے بتایا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی نے تجھے یاد فرمایا ہے۔ بوڑھا فوراً اس کے ساتھ ہو لیا۔ جب دونوں حضرت عبدالقادر جیلانی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے بوڑھے سے فرمایا کہ وہ اپنا قصہ بیان کرے۔ بوڑھا بولا اے حضرت! میں عالم شباب میں نہایت عمدہ گایا بجایا کرتا تھا۔ مجھے بربط نوازی پر

کمال حاصل تھا۔ لوگ میری آواز کے شیدائی تھے مگر جب میں بڑھاپے کی دہلیز میں داخل ہوا تو میری مقبولیت میں کمی آگئی۔ میں نے دل شکستہ ہو کر فیصلہ کیا کہ اب صرف مُردہ لوگوں کو اپنا گانا سنایا کروں گا اسی لیے میں نے شہر خموشاں میں سکونت اختیار کرلی اور وہیں پر گانے بجانے لگا۔ ایک روز میں حسبِ معمول وہاں پر گانے میں مصروف تھا کہ اچانک ایک قبر سے آواز آئی اے شخص! تو کب تک مرے ہوئے لوگوں کو اپنا نغمہ سناتا رہے گا اب تو اپنے اللہ کی جانب رجوع کر۔ یہ سن کر میرے اوپر سخت خوف اور لرزہ طاری ہوگیا اور میں عالم بیخودی میں کچھ اس قسم کے اشعار پڑھنے لگا "اے میرے رب میرے پاس یوم حشر کے لیے کوئی سرمایہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ میرے دل میں تیری رحمت و بخشش کی امید ہو میرا بڑھاپا روزِ محشر تیری بارگاہ میں میری شفاعت کرے گا۔ میں امید کرتا ہوں کہ تو اس پر نظر کر کے مجھے اپنے دامنِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے گا"۔ یہ واقعہ سنانے کے بعد بوڑھا حضرت عبدالقادر جیلانی سے دوبارہ مخاطب ہوا "حضور! یہ اشعار میری زبان پر تھے کہ آپ کے خادم نے آکر میری ہتھیلی پر سو دینار رکھ دیے۔ اب میں گانے بجانے سے توبہ کرتا ہوں اور اپنے خدا کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر بوڑھے نے اپنا بربط اسی وقت توڑ پھوڑ دیا۔

۱۶۷۔ حضرت سیّد عبدالقادر جیلانی کی کرامت

حضرت ابوسعد کا بیان ہے کہ ان کی کنواری بیٹی فاطمہ ایک روز اچانک مکان کی چھت پر سے غائب ہوگئی، کافی کھوج لگایا مگر اس کی بابت کوئی اتہ پتہ نہ چل سکا۔ چنانچہ میں ہر طرف سے مایوس ہو کر شیخ عبدالقادر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھوں نے فرمایا کہ کچھ دور کرخ کا جنگل واقع ہے آج رات تم وہاں چلے جانا اور پانچویں ٹیلے کے قریب زمین پر اپنے گرد ایک دائرہ کھینچ کر وہاں بیٹھ جانا جس وقت تم دائرہ کھینچو تو یہ الفاظ پڑھنا "باسم اللہ فیہ عبدالقادر رضی اللہ عنہ"، جب کافی رات گزر جائے گی تب جنوں کی ایک جماعت تمھارے پاس آئے گی جن کی صورتیں بہت خوفناک اور ڈراؤنی ہوں گی۔ مگر تمھیں ہمت سے کام لینا ہوگا پھر اگلی صبح جنوں کا سردار ایک لشکر کے ہمراہ تمھارے پاس آئے گا اور وہ تم سے وہاں آنے کا مقصد پوچھے گا۔ تم جنوں کے سردار سے کہہ دینا کہ مجھے عبدالقادر نے بھیجا ہے اور اور اس کے ساتھ ہی تم اس کے سامنے اپنی بیٹی کا واقعہ بیان کر دینا۔ ابوسعید کا بیان ہے کہ جب

یشیخ صاحب کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے پانچویں ٹیلے کے پاس دائرے میں بیٹھ گیا تو خوفناک قسم کے چہرے چاروں اطراف سے میری جانب بڑھنے لگے مگر ان میں سے کسی نے بھی دائرے میں داخل ہونے کی جرأت نہ کی۔ تمام رات مہیب قسم کے چہرے جماعتوں کی صورت میں دائرے کے قریب آتے رہے اور مختلف طریقوں سے مجھے خوفزدہ کرتے رہے مگر شیخ کی ہدایت کے مطابق میں ہمت کر کے ڈٹا رہا۔ پھر اگلی صبح جنوں کا سردار خچر پر سوار ہو کر میرے پاس آیا اور مجھ سے میرے آنے کی وجہ دریافت کی۔ میں نے اسے بتا دیا کہ مجھے شیخ عبدالقادر نے اس کے پاس بھیجا ہے۔ میں نے سردار کو اپنی لڑکی کے غائب ہونے کا واقعہ من وعن بتا دیا اس پر سردار نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا، بولو یہ کام کس کا ہے مگر سب نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ جس پر سردار نے انھیں چھان بین کے لیے روانہ کر دیا۔ چند ہی لمحوں بعد وہ ایک جنّ کو پکڑ لائے ان کے ساتھ میری گمشدہ لڑکی فاطمہ بھی تھی۔ مجھے ان جنوں کی زبانی معلوم ہوا کہ میری بچی کو اٹھانے والے جنّ کا تعلق ختن کے علاقے سے ہے۔ سردار نے اس سے کہا ارے بدبخت! تو نے قطب کی رکابی کے نیچے سے چوری کر کے ہم سب کو نادم کر دیا ہے۔ جس پر جنّ نے جواب دیا۔ سردار مجھے یہ لڑکی اتنی اچھی لگی کہ میں اسے اٹھانے پر مجبور ہو گیا۔ مزید اپنی صفائی میں میرے پاس کہنے کو اور کچھ نہیں ہے۔ ابوسعد کا بیان ہے کہ سردار نے میری بیٹی کو میرے حوالے کر دیا اور مذکورہ جنّ کی گردن اڑا دینے کا حکم دیا۔ پھر سردار مجھ سے مخاطب ہوا۔ شیخ سے میری طرف سے معافی مانگ کر عرض کرنا کہ میں اس واقعہ کے بارے میں بے خبر تھا۔ جنوں کے سردار نے شیخ کے بارے میں بتایا کہ وہ ان کے انتہائی فرمانبردار ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں جنّ وانس پر غلبہ دیا ہے کیونکہ وہ سب کے شیخ اور دستگیر ہیں۔

۱۶۸۔ مستی اور بے خودی

حضرت شیخ ابو علی دقاق کا واقعہ ہے کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جب آپ کے پاس پہننے کے لیے کوئی لباس نہ تھا۔ روایت ہے کہ آپ برہنگی کی حالت میں حضرت عبداللہ کی خانقاہ پر تشریف لے گئے۔ وہاں ایک شخص نے آپ کو پہچان لیا اور آپ کی بہت زیادہ عزت وتکریم کی۔ اسی دوران وہاں پر موجود دوسرے لوگوں نے بھی آپ کو پہچان لیا اور وہ سب پروانوں کی طرح آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ پھر انھوں نے اصرار کیا کہ حضرت آپ یہاں پر کچھ درس دیں۔ مگر جب آپ نے انکار کر دیا تو لوگوں نے آپ سے

وعظ کی فرمائش کر دی۔ آپ نے وعظ سے بھی انکار کی کوشش کی مگر جب لوگوں کا اصرار زیادہ بڑھا تو شیخ ابو علی دقاق منبر پر تشریف لے گئے۔ پہلے انھوں نے داہنی طرف اشارہ کر کے اللہ اکبر، اور پھر بائیں جانب اشارہ کر کے واللہ خیر والبقی فرمایا۔ اس کے بعد قبلہ رو ہو کر من اللہ اکبر فرمایا۔ اس وقت لوگوں پر بیخودی اور مستی کا ایسا عالم طاری ہوا کہ مجلس میں ہر سمت شور و غوغا بلند ہوا اور بہت سے حاضرین بے ہوش ہو گئے۔ آپ اسی کیفیت میں منبر سے اتر کر نامعلوم منزل کی طرف چل دیے۔ پھر جب لوگوں کی حالت درست ہوئی تو وہ آپ کو تلاش کرنے لگے مگر اس وقت آپ مرو پہنچ چکے تھے۔ حالانکہ چند لمحے پہلے آپ مجلس میں موجود تھے مگر اب یہاں سے سینکڑوں میل دور تشریف فرما تھے۔ (خزینۃ الاصفیاء)

۱۶۹۔ شیخ ابو علی کے کلام میں گہرائی

زندگی کے آخری ایام میں آپ کی یہ کیفیت ہوگئی تھی کہ شام کے وقت اپنے بالا خانے پر جو آپ کے مزار کے نزدیک اور اس وقت بیت المفتوح کے نام سے مشہور ہے۔ آفتاب کی جانب منہ پھیر کر فرمایا کرتے تھے کہ اے مملکتوں میں گردش کرنے والے آج تیری کیا حالت ہوتی جا رہی ہے اور ملک الموت کے کہ تو نے کس طرح گردش کی اور یہ بتا دے کیا تو نے کسی جگہ مجھ جیسا شیدائی اور اشتیاقِ دید رکھنے والا بھی دیکھا ہے۔ غرض کہ آپ غروب آفتاب کے وقت تک اسی قسم کی باتیں کرتے رہتے تھے۔ آخری دور میں آپ کا کلام اس قدر ذو معنی اور دقیق ہونے لگا تھا کہ لوگ اس کا مفہوم سمجھنے سے قاصر رہ جاتے تھے۔ اس کے باعث آپ کی مجلس میں آخری دنوں میں شرکت کرنے والوں کی تعداد چودہ پندرہ افراد سے زیادہ نہ ہوتی تھی۔ حضرت انصاری کا قول ہے کہ جب آپ کا کلام بہت گہرا اور بلند ہو گیا تھا تو آپ کی محفل مخلوق سے خالی نظر آنے لگی تھی۔ (خزینۃ الاصفیاء)

۱۷۰۔ دُعا کی عدمِ قبولیت کی وجہ

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ لوگوں نے آپ سے دعاؤں کی عدم قبولیت کا شکوہ کیا تو حضرت نے ان سے کہا کہ تم لوگ اللہ کو پہچاننے کے باوجود بھی اس کی اطاعت سے گریزاں ہو اور اس کے قرآن و رسولؐ سے واقف ہونے کے باوجود تم اس کے احکام پر عمل نہیں کرتے اور اس کا رزق کھا کر بھی

ناشکرے رہتے ہو۔ بہشت میں جانے اور دوزخ سے بچاؤ کے لیے کچھ نہیں کرتے۔ تم لوگ اپنے والدین
کو سپردِ خاک کرنے کے باوجود بھی عبرت نہیں پکڑتے۔ شیطان کو اپنا دشمن جاننے کے باوجود اس کو لعنت
ملامت نہیں کرتے بلکہ اس کو اپنا دوست رکھتے ہو۔ آپ نے لوگوں سے مزید کہا کہ تم موت پر یقین رکھنے
کے باوجود اس سے بے خبر اور لاپروا ہو اور اپنے عیوب سے واقف ہونے کے باوجود دوسروں کی
عیب جوئی میں مصروف رہتے ہو۔ لہٰذا اس منافقانہ فضا میں تمھاری دعائیں خدا کے دربار میں بھلا
کس طرح شرفِ قبولیت حاصل کر سکتی ہیں۔

۱۷۱۔ ابو علی دقاق کا عمل

حضرت ابی علی دقاق سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ بشر حافی ایک طرف سے گزرے
جہاں کچھ لوگ بیٹھے تھے۔ وہ لوگ آپس میں کہہ رہے تھے کہ یہ شخص رات کو تمام رات جاگتا ہے۔ اور
تین دن میں ایک مرتبہ افطار کرتا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابی علی دقاق رونے لگے اور کہنے لگے کہ مجھے
یاد نہیں کہ میں کبھی ساری رات جاگا ہوں اور جب کبھی روزہ رکھتا ہوں تو اسی دن شام کو افطار کر لیتا
ہوں۔ اس کے بعد انھوں نے بھی شب بیداری اختیار کی اور کئی کئی دن بعد روزہ افطار کرنے لگے۔

۱۷۲۔ توکّل کی تعریف

حضرت ابو علی دقاق کا واقعہ ہے کہ ایک بوڑھے آدمی نے بیان کیا کہ وہ ایک دن آپ کی
مجلس میں اس خیال سے گیا کہ متوکلوں کی کیفیت سے متعلق کچھ دریافت کرے۔ آپ نے طبرستان کا بنا
ہوا خوبصورت عمامہ زیبِ سر کیا ہوا تھا۔ بوڑھے نے سوال کیا کہ توکل علی الحق کیا چیز ہے؛ فرمایا لوگوں
کی پگڑیوں کو لالچ کی نظر سے نہ دیکھنے کو توکل کہتے ہیں۔ یہ کہا اور پگڑی اتار کر بوڑھے آدمی کے
سامنے رکھ دی۔ (کشف المحجوب، ص ۲۶۴)

۱۷۳۔ صاحبِ باطن شخص

حضرت ابو علی دقاق فرماتے ہیں کہ ایک دکاندار اکثر آپ کی خانقاہ میں حاضر ہو کر اکثر فقراء کے

ہمراہ کھانے میں شریک ہوتا اور خود بھی اپنے ساتھ کھانے کی کچھ چیزیں لے کر آتا. اسی طرح برسوں اپنے مال سے فقراء کی خدمت کرتا رہا۔ اس کے متعلق ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ یہ شخص صاحب باطن ہے اسی رات آپ نے خواب میں دیکھا کہ ایک عظیم الشان محل کی چھت پر بہت سے بزرگانِ دین کا اجتماع ہے لیکن آپ بعد کوشش کے باوجود اوپر نہیں پہنچ سکے۔ دریں اثنا وہی شخص آکر کہنے لگا کہ ان راہوں میں شیر لومڑیوں سے پیچھے رہ جاتا ہے۔ یہ کہہ کر آپ کو اوپر پہنچا دیا۔ دوسرے دن جب آپ منبر پر تشریف فرما تھے اور وہی شخص حاضر ہوا تو آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ اس کو راستہ دے دو کیونکہ اگر کل یہ ہماری اعانت نہ کرتا تو ہم شکستہ پائی کا شکار ہو جاتے۔ یہ سن کر اس شخص نے عرض کیا کہ میں تو ہر شب وہیں ہوتا ہوں لیکن آج تک کسی سے تذکرہ نہیں کیا اور آپ صرف ایک ہی شب پہنچے تو لوگوں کے سامنے اظہار کر کے مجھ کو بھی ذلیل کیا (تذکرۃ الاولیاء)

۱۷۴۔ اللہ کے بندے کی موت

حضرت ابوعلی دقاق نے فرمایا کہ ایک دن کسی درویش نے میری خانقاہ میں حاضر ہو کر استدعا کی کہ خانقاہ کا ایک گوشہ میرے لیے بھی خالی کر دیں تاکہ میں اس میں اپنی جان دیدوں۔ چنانچہ میں نے اس کے لیے ایک جگہ متعین کر دی اور اس نے وہاں پہنچ کر اللہ اللہ کہنا شروع کر دیا اور میں اس کو چھپ کر دیکھتا رہا لیکن اس نے کہا کہ اے ابوعلی مجھے پریشان نہ کرو۔ یہ سن کر میں وہاں سے واپس آگیا اور وہ درویش کچھ دیر اللہ اللہ کر کے وہیں فوت ہو گیا اور جب میں اس شخص کو اس کی تجہیز و تکفین کا سامان لینے کے لیے بھیج کر مکان کے اندر واپس آیا تو وہ مردہ درویش وہاں سے غائب تھا اس واقعہ سے میں حیرت زدہ رہ گیا اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ یا اللہ تو نے میری ملاقات ایک ایسے اجنبی سے کروائی جو مرنے کے بعد غائب ہو گیا آخر اس میں تیرا کیا راز ہے اس سے مجھ کو بھی مطلع فرما دے غیبی آواز آئی کہ جو ملک الموت کو تلاش کرنے پر نہ مل سکا تو آخر اس کی جستجو کیوں کرنا چاہتا ہے؟ اور جو ملائکہ اور حوروں کو نہ مل سکا تجھے اس کی تلاش کیوں ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ! وہ آخر ہے کس جگہ؟ جواب ملا کہ فِی مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ (یعنی وہ مجلس صدق میں مقتدر بادشاہ کے پاس ہے)

۱۷۵۔ اللہ کی رضا کی خواہش

حضرت ابوعلی دقاق نے فرمایا کہ میں نے ایک ویران مسجد میں ایسے ضعیف العمر شخص کو بیقراری کے ساتھ گریہ وزاری کرتے دیکھا کہ اس کی آنکھوں سے اشکوں کی بجائے لہو جاری تھا جس سے مسجد کا فرش بھی خون آلود ہو چکا تھا۔ میں نے اس کے نزدیک پہنچ کر درخواست کی کہ اپنے حال پر رحم کھاتے ہوئے اس قدر گریہ وزاری نہ کرو۔ اس نے میری جانب دیکھتے ہوئے کہا کہ جوان میں بتا نہیں سکتا کہ میری قوت اس کی خواہش دید میں ختم ہو چکی ہے۔ یہ کہنے کے بعد اس نے ایک واقعہ بیان کیا کہ کسی غلام سے اس کا آقا ناراض ہو گیا اور اسے اپنے پاس سے نکال دیا لیکن لوگوں کی سفارش پر اس کا قصور معاف کر دیا اس کے باوجود بھی وہ غلام ہر وقت گریہ وزاری کرتا رہتا اور جب لوگوں نے اس سے پوچھا کہ اب تو آقا نے تیرا قصور معاف کر دیا ہے پھر کیوں روتا رہتا ہے لیکن غلام نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر آقا نے کہا کہ اب اس کو میری رضا کی خواہش ہے۔ کیونکہ یہ اچھی طرح سمجھ چکا ہے کہ میرے بغیر اس کے لیے کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔ (تذکرۃ الاولیاء)

۱۷۶۔ اللہ اپنے بندوں کے لیے کافی ہے

حضرت ابوعلی دقاق نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میری آنکھوں میں ایسا شدید درد اٹھا کہ میں اس کی اذیت سے مضطرب و بے چین ہو گیا اور اسی حالت میں مجھے نیند آ گئی اور خواب میں میں نے کسی کہنے والے کی یہ آواز سنی اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ (یعنی کیا اللہ اپنے بندوں کے لیے کافی نہیں ہے) اور جب میری آنکھ کھلی تو درد ختم ہو چکا تھا جس کے بعد سے پھر کبھی میری آنکھ میں کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ (تذکرۃ الاولیاء)

۱۷۷۔ حضرت ابوعلی دقاقؒ سے ایک سوال

ایک مرتبہ کسی نے خانقاہ میں آ کر حضرت ابوعلی دقاق سے یہ سوال کیا کہ اگر کسی شخص کے قلب میں تصور گناہ پیدا ہو گیا تو کیا اس سے جسمانی پاکیزگی ختم ہو جاتی ہے۔ یہ سن کر آپ نے مریدین سے روتے ہوئے

فرمایا کہ اس کو جواب دو۔ چنانچہ حضرت زین الاسلام کہتے ہیں کہ میں نے یہ جواب دینا چاہا کہ تصورِ گناہ ظاہری پاکی کے لیے مضرت رساں نہیں ہوتا البتہ باطنی پاکیزگی ختم ہو جاتی ہے۔ مگر ادبِ مرشد کی وجہ سے بغیر جواب دیے خاموش ہو گیا۔ (تذکرۃ الاولیاء)

۱۷۸۔ اللہ جانے کون کیا ہے؟

حضرت ابوعلی دقاق فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن ایک جنازہ دیکھا جسے تین مرد اور ایک عورت اٹھائے لیے جا رہے تھے۔ جس طرف سے اس عورت نے اٹھایا ہوا تھا میں نے اٹھا لیا یہاں تک کہ ہم قبرستان میں پہنچ گئے اور نمازِ جنازہ ادا کرنے کے بعد اس کو دفن کر دیا۔ پھر میں نے ان سے پوچھا کہ کیا تمھارے ہمسایہ نہ تھے جو تمھاری مدد کرتے انھوں نے کہا کہ یہ میت مخنث کی تھی اور وہ اس کو حقیر جانتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں مجھے ان کی حالت دیکھ کر رحم آگیا میں نے کچھ گندم اور چند درہم ان کو دیے اسی شب میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا جس کا چہرہ منور اور نہایت قیمتی لباس پہنا ہوا تھا۔ اس نے تبسم فرمایا اور کہا کہ میں وہی ہوں

۱۷۹۔ دعائے حزب البحر کی برکت کا واقعہ

حضرت ابوالحسن شاذلی مصر کے شہر قاہرہ میں قیام پذیر تھے کہ حج کے دن قریب آ گئے اپنے دوستوں سے شیخ ابوالحسن نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس سال حج کرنے کا حکم دیا ہے اس لیے جہاز کا کوئی انتظام کیا جائے تاکہ ہم سب باجماعت حج کے لیے روانہ ہو سکیں۔ کافی کوشش کے باوجود جہاز کا انتظام نہ ہو سکا مگر شیخ ابوالحسن کا حج پر جانے کا پروگرام بدستور رہا۔ ایک روز ان کے دوستوں نے آ کر کہا کہ ایک بوڑھے عیسائی کے جہاز کے سوا اور کوئی جہاز ملنا ممکن نہیں۔ حضرت نے اسی جہاز میں روانہ ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ ابھی جہاز قاہرہ کی آبادی سے باہر نکلا ہی تھا کہ مخالف ہوائیں چلنا شروع ہو گئیں جن کی بدولت کئی روز تک جہاز قاہرہ کے قرب و جوار میں ہی ٹھہرا رہا۔ جہاز میں سوار عیسائی لوگوں نے

حضرت ابوالحسن شاذلی کا مذاق اڑانا شروع کر دیا کہ حضرت کو تو اللہ نے حج کا حکم دیا تھا تو پھر اس نے یہ رکاوٹیں کیوں کھڑی کر دیں جبکہ حج کے ایام قریب آنے والے ہیں اور جہاز جہاں سے چلا ہے وہیں پر کھڑا ہے۔ حضرت ابوالحسن ایسی طنزیہ گفتگو سن کر بہت رنجیدہ خاطر ہوئے مگر ضبط سے کام لیا۔ اسی کشمکش اور بے چینی میں ایک روز حضرت ابوالحسن کی آنکھ دوپہر کے وقت لگ گئی۔ حالت خواب میں آپ کو دعائے حزب البحر پڑھائی گئی اور اس کا بکثرت ورد کرنے کا حکم دیا گیا۔ جب آپ بیدار ہوئے تو آپ نے جہاز کے افسر کو بلایا اور فرمایا کہ خدا کا نام لے کر بادبان اٹھادے۔ اس نے جواب دیا کہ بادبان اٹھانے کو تو میں تیار ہوں مگر مخالف ہوا ہمارا منہ پھیر دے گی اور ہم دوبارہ قاہرہ پہنچ جائیں گے۔

شیخ نے فرمایا کہ تو دل میں پکڑ دھکڑ مت کر اور جو کچھ ہم کہتے ہیں اس پر عمل کر اور خدا کی عجیب مہربانی دیکھ۔ چنانچہ جونہی بادبان اٹھایا گیا وہیں موافق ہوا زور شور سے چلنے لگی۔ یہاں تک کہ جس رسی کے ساتھ جہاز کو میخ سے باندھ رکھا تھا وہ بھی کھول نہ سکے۔ ناچار اس کو کاٹنا پڑا اور بڑی جلدی امن و سلامتی کے ساتھ جہاز اپنی مبارک منزل تک پہنچ گیا۔ عیسائی جہاز والے کے دونوں بیٹے حضرت ابوالحسن شاذلی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ فوراً ایمان لے آئے۔ اس بات کا جہاز ران کو بڑا دکھ ہوا۔ اسی رات خواب میں اس نے دیکھا کہ حضرت ابوالحسن ایک بڑی جماعت کے ساتھ بہشت میں تشریف فرما ہیں۔ اور اس کے بیٹے بھی حضرت کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ عیسائی بوڑھے نے اپنے بیٹوں سے ملنا چاہا تو فرشتوں نے اسے جھڑکا کہ تو ان لوگوں کے دین والوں میں سے نہیں ہے لہٰذا تو ان کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ اگلی صبح وہ جاگا تو خدا کی ہدایت اس کی مددگار ہوئی اور اس نے کلمۂ توحید پڑھ لیا اور رفتہ رفتہ اس کا مرتبہ یہاں تک پہنچا کہ وہ بڑے بڑے باطنی مقامات والا ہو گیا۔ اس طرف کے لوگ اس کی نزدیکی اور صحبت کے طالب ہونے لگے۔

۱۸۰۔ تسلیم و رضا کی حقیقت

حضرت ابوالحسن شاذلی کا بیان ہے کہ ابتدائے حال میں مجھے تردد تھا کہ لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہوں یا ان سے الگ تھلگ، شہر میں رہوں یا جنگل میں چلا جاؤں۔ مجھے خبر ملی کہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر ایک خدا رسیدہ بزرگ رہتے ہیں۔ میں ان کی ملاقات کے لیے گیا اور رات کو وہاں پہنچا۔ خیال آیا کہ رات کے

وقت ان کے پاس جانا ٹھیک نہیں، دن نکلنے پر جاؤں گا۔ چنانچہ میں غار کے دروازے پر ہی سو رہا۔ اندر سے میں نے آواز سنی کہ کوئی دعا مانگ رہا ہے۔ "خدایا تیرے بعض بندے ایسے بھی ہیں جو تجھ سے چاہتے ہیں کہ خلق ان سے مسخر ہو جائے اور تو نے خلق کو ان کے لیے مسخر کر بھی دیا اور وہ لوگ تجھ سے راضی ہو گئے مگر میں چاہتا ہوں کہ لوگوں کو میرے لیے بدخو کر دے تاکہ تیری بارگاہ کے سوا میرے لیے اور کوئی جائے پناہ نہ رہے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میں نے اپنے آپ سے کہا کہ ذرا سن یہ شیخ کس سے کیا کہہ رہا ہے۔ جب صبح ہوئی تو میں ان کی خدمت میں گیا اور سلام عرض کیا۔ ان کی ہیبت و جلال سے میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میں نے ان کا مزاج پوچھا۔ فرمانے لگے جس طرح تو خدائے عزوجل کی گرمی تدبیر و اختیار کی شکایت کرتا ہے میں اس کی خنکی تسلیم و رضا کی شکایت کرتا ہوں۔ اس وقت میرا یہی حال ہے۔ میں نے دریافت کیا کہ تسلیم و رضا کی خنکی کیا ہوتی ہے اور آپ اس کی شکایت کیوں کرتے ہیں؟ فرمایا میں ڈرتا ہوں کہ مجھے اس کی حلاوت کہیں خدائے عزوجل سے ہٹا کر اپنی طرف مشغول نہ کرے۔ میں نے عرض کیا، رات میں نے آپ کو یہ کہتے سنا ہے کہ خدایا بعض ایسے بندے ہیں جو تجھ سے چاہتے ہیں کہ خلق ان کی مسخر ہو جائے، تو نے خلق کو ان کی مسخر کر بھی دیا اور وہ تجھ سے راضی ہو گئے۔ شیخ یہ سن کر مسکرا دیے فرمایا اے فرزند! "اَللّٰھُمَّ سَخِّرْلِیْ" کی بجائے "اَللّٰھُمَّ کُنْ لِیْ" کہا کرو۔ کیا تم خیال کرتے ہو کہ جس کے لیے خود خدائے تعالیٰ ہو جائے وہ کسی اور شے کا محتاج رہ سکتا ہے؟ کیوں اپنا دل برا کرتے ہو۔ (انوار الاصفیاء، ص ۲۲۷)

۱۸۱۔ پانچ خلعتوں کا انعام

ایک رات ابوالحسن نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپؐ نے پوچھا اے ابوالحسن! کیا بات ہے تو پریشان سا کیوں نظر آتا ہے؟ عرض کی یا رسول اللہ! میں حتی المقدور کوشش کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ بن سکوں مگر کامیابی نہیں ہوتی۔ آپؐ نے حکم دیا، تم اپنے کپڑوں کا میل دور کرو اور ہر لحظہ پاک رہو۔ عرض کی یا رسول اللہ! میں آپؐ کا مطلب نہیں سمجھا۔ آپ نے فرمایا میں تمہیں پانچ خلعتیں عطا کرتا ہوں۔ خلعتِ محبت، خلعتِ معرفت، خلعتِ توحید، خلعتِ ایمان اور خلعتِ اسلام۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتا ہے اس پر ہر چیز آسان ہے اور جو اللہ کو پہچانتا ہے

اس کی نظر میں تمام چیزیں معمولی اور ہیچ ہیں اور جو شخص خدا کو ایک جانتا ہے وہ کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہراتا اور جو شخص خدا پر ایمان لاتا ہے وہ ہر چیز سے بے خوف ہو جاتا ہے اور جو شخص اسلام کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے وہ کبھی گناہ کا مرتکب نہیں ہوتا۔ ابوالحسن شاذلی نے ان پانچ خلعتوں کو ہمیشہ پاک و صاف رکھا اور ان کو گرد آلود نہیں ہونے دیا۔ آپ کے پاس رفتہ رفتہ بہت سے لوگ آنا شروع ہو گئے اور ہر کوئی آپ سے ایمان کی دولت اور خزانے لے کر جاتا تھا۔ آپ بخشش کا بے بہا خزانہ تھے۔
(اخبار الصالحین ص ۱۲۹)

۱۸۲۔ ہر کسی کے فعل کو اللہ بہتر جانتا ہے

شیخ سعدی اپنی تحریروں میں بیان فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد صاحب کے ساتھ ایک سفر پر تھا۔ ہمیں دوران سفر ایک سرائے میں ٹھہرنا پڑا۔ رات کے وقت میرے والد صاحب نے مجھے تہجد کی نماز کے لیے اٹھایا۔ میں نے اٹھ کر وضو کیا اور اس کے بعد تہجد کی نماز ادا کی۔ اب بعد نماز میرے والد تو اپنے ورد و وظائف میں مشغول ہو گئے اور میں فارغ تھا۔ میرے دل میں سرائے میں سوتے ہوئے دوسرے مسافروں کے متعلق خیال پیدا ہوا کہ یہ سارے لوگ کس قدر بے خبری کی نیند سوتے ہوئے ہیں ان کی حالت مردوں جیسی ہے اور اگر یہ اٹھ کر تہجد ادا کر لیتے تو کیا حرج تھا۔ میں نے اپنا یہ خیال والد صاحب پر ظاہر کر دیا۔ انھوں نے خشمگین نگاہوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم بھی ان مسافروں کی طرح سوئے رہتے تو کتنا بہتر ہوتا۔ کیونکہ یہ سوئے ہوئے مسافر تم سے کئی گنا زیادہ بہتر ہیں تم جاگ کر تہجد پڑھتے ہو مگر غیبت کر کے ان کا ثواب ضائع کر دیا۔ جبکہ جن مسافروں کی تم نے غیبت کی ہے وہ تمھارے تہجدوں کا ثواب بھی لے گئے۔

۱۸۳۔ اشرف المخلوق بننے کا راز اطاعتِ الٰہی ہے۔

ایک مرتبہ شیخ سعدی کسی جنگل سے گزر رہے تھے انھوں نے دیکھا کہ ایک بزرگ نورانی چہرے والے ایک بھاری بھرکم چیتے پر سوار ہو کر آ رہے ہیں۔ میں اس بزرگ کو یوں چیتے پر سوار دیکھ کر لرزہ براندام ہو گیا اور ایک طرف درخت کے پیچھے چھپنے لگا۔ مجھے اس بزرگ نے آواز دے کر بلایا اور کہا

اے چیتے سے ڈرنے والے تُو اس جانور سے مت ڈر بلکہ خدا سے ڈر۔ کیونکہ اگر انسان خدا کے احکام کی پابندی کرے تو یہ چیتا بھی اس شخص کے حکم کی بجا آوری کرے گا۔ اور مجھے یہ مقام صرف خدا کے احکام کی بجا آوری سے حاصل ہوا کہ یہ چیتا اپنے آپ میرے سامنے سرنگوں کر کے چل رہا ہے اور میں اس پہ سدھائے ہوئے گھوڑے کی مانند سواری کر رہا ہوں۔

شیخ سعدی فرماتے ہیں یہ بات واقعی سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور جب یہ مخلوقات میں اشرف خدا کا کامل بندہ بن جائے اور اس کے تمام احکام پر مکمل طور پر عمل کرنے لگ جائے تو پھر خداوند عالم اس کے سامنے کائنات عالم کے ہر جاندار کو مسخر کر دے گا اور اس کو انسانوں میں بھی قابلِ قدر نگاہوں سے دیکھا جائے گا اور حیوان بھی اس کے سامنے اپنی گردنیں جھکا لیں گے لیکن حقِ بندگی اس طرح ادا ہو جس طرح ادا کرنے کا حکم ہے پھر یہ خوبیاں اللہ پیدا کرتا ہے۔

۱۸۴۔ علم کی قدر و قیمت

شیخ سعدی ایک مرتبہ شام یا عراق کے کسی شہر میں سے گزر رہے تھے کہ آپ نے دیکھا کہ قاضی شہر اپنی مجلس لگائے بیٹھا ہے۔ شیخ سعدی بھی اس مجلس میں امراء کے ساتھ بیٹھ گئے۔ آپ کے کپڑے اس وقت پھٹے پرانے تھے اور آپ کی حالت بڑی دگرگوں تھی۔ مجلس میں بیٹھے ہوئے امراء اور شرفاء نے شیخ سعدی کو کم حیثیت جانتے ہوئے ان کو محفل سے نکال دیا۔ آپ اٹھ کر پائیں مجلس میں جا بیٹھے۔ آپ نے سنا کہ اہل مجلس کسی نقطہ پر بحث کر رہے ہیں مگر کوئی حل تلاش کرنے میں ناکام ہیں۔ آپ نے دور سے صدا لگائی اور کہا کہ قاضی شہر اگر پسند فرمائیں تو آپ کا یہ حل طلب مسئلہ میں حل کر سکتا ہوں۔ قاضی نے آپ کو اجازت دے دی۔ آپ نے نہایت سہل اور قابلِ فہم طریقے سے یہ مسئلہ حل کر دیا۔ ہر طرف سے آپ کو دادِ تحسین ملنے لگی۔ آفرین و شاباش کے ڈونگرے آنے لگے۔ جب قاضی شہر نے آپ کو بلند مرتبے پر جاتا ہوا دیکھا تو دہ اپنا عمامہ اتار کر سعدی کو دینے لگے مگر شیخ سعدی نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ اگر میں نے عمامہ پہن لیا تو پھر میری آنکھوں پر بھی چربی چڑھ جائے گی اور غریب لوگ مجھے حقیر و ذلیل معلوم ہوں گے اور یوں مجھے لوگوں سے مختلف لعنت ملامت کے الفاظ سننا پڑیں گے۔

۱۸۵۔ قربِ الٰہی، اللہ کی دوستی میں ہے

شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں بعلبک کی ایک جامع مسجد میں تقریر کر رہا تھا۔ اہل مجلس بڑے مردہ دل تھے، کسی پر میری تقریر کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ میں نے اپنا موضوع بیان اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے متعلق شروع کیا ہوا تھا "ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہیں"۔ میں اپنی ترنگ میں وعظ کیے جا رہا تھا مگر مجھے سامعین کی بے حسی پر افسوس ضرور تھا۔ پھر میں نے ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ تھا "میرا دوست میرے زیادہ قریب ہے جبکہ میں اس سے دور ہوں اور کس قدر بدنصیب ہوں میں کہ دوست پہلو میں ہے اور میں اس سے جدا ہوں" اسی اثناء میں وہاں سے ایک مرد قلندر گزرا جب اس نے یہ شعر سنا تو وہ بے اختیار نعرے لگانے لگ گیا اس کی بے خودی اور نعرہ بازی کو دیکھ کر حاضرین مجلس بھی کیف و مستی میں آ کر نعرے لگانے لگے اس وقت میری زبان سے بے اختیار یہ الفاظ نکلے۔ "اے پاک پروردگار کریم! اہل دل اگرچہ دور رہتے ہوئے بھی دل کے قریب رہتے ہیں مگر عقل کے اندھے دل کے نزدیک ہو کر بھی دور رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ خدا کو تلاش کرتے ہیں کبھی جنگلوں میں کبھی پہاڑوں میں مگر ان کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ تو دل کے اندر ہے۔ اسے جب بھی دیکھنا ہو ذرا سی گرد ختم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے وہ ہر وقت دیکھا جا سکتا ہے۔

۱۸۶۔ حضرت شمس تبریزی کی مولانا روم پر شفقت

حضرت شمس تبریزی بڑے ضعیف و نحیف شخص تھے مگر ان کے بیان میں کشش اور ان کی شخصیت میں جاذبیت تھی۔ آپ کو درویشوں کی ملاقاتوں کا بڑا شوق تھا۔ اس کے لیے آپ شہر بہ شہر گھومتے پھرتے رہے۔ اسی شوق کی تکمیل کے لیے آپ نے خدا سے دعا مانگی تھی کہ الٰہی مجھے کوئی ایسا بندہ مل جائے، جو میری صحبت کا متحمل ہو سکے۔ اور رب جلیل نے آپ کو روم کے شہر قونیہ میں بھیجا اور یہاں ان کی ملاقات مولانا رومی سے ہوئی۔ آپ نے مولانا کو بیعت کر کے حلقہ ارادت میں داخل کیا۔ آپ کی ملاقات کے بعد مولانا روم میں ایک انقلاب برپا ہو گیا۔ پہلے مولانا ہر وقت درس و تدریس، وعظ و ہدایت اور فتویٰ نویسی کیا کرتے تھے پھر انھوں نے اپنے یہ سارے معمولات ترک کر دیے اور نغمہ و ساز کی طرف متوجہ ہو گئے تاہم مولانا روم

ایک لمحہ کے لیے بھی شمس تبریزی سے جدا نہ ہوتے تھے۔ مولانا نے جب اپنے اشغال ترک کیے تو قونیہ کے لوگوں کو سخت گلہ ہوا۔ انھوں نے مولانا کے وعظ و نصیحت سے محرومی کا محرک حضرت شمس کی آمد کو قرار دیا۔ بعض لوگ تو اس قدر مشتعل اور جذباتی ہو گئے کہ وہ شمس تبریزی کے درپے آزار ہو گئے۔ بعض حضرت تبریزی کے ساتھ سخت گستاخیاں بھی کرنے لگے۔ ان باتوں کا حضرت تبریزی کو بہت رنج پہنچا اور انھوں نے قونیہ کو چھوڑ دینے کا ارادہ کر لیا اور اچانک ایک دن قونیہ سے دمشق جا پہنچے۔

مولانا روم کو حضرت تبریزی کی جدائی اور فراق کا بڑا صدمہ ہوا۔ وہ جب اپنے پرانے اشغال یعنی درس و تدریس کی طرف لوٹتے تو ان کی حالت مرغ بسمل کی طرح ہو جاتی تھی۔ مولانا، حضرت تبریزیؒ کے فراق کی شدت میں رقت آمیز شعر پڑھا کرتے تھے۔ انھوں نے کھانا پینا چھوڑ دیا اور اپنے مریدوں اور خادموں سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ انھی فراق و بیدلی کے جاں گسل لمحات میں مولانا کو حضرت تبریزی کا خط ملا۔ جس سے ان کی آتشِ عشق اور بھڑک اٹھی۔ مولانا کی بیقراری دیدنی تھی۔ آپ کی تڑپ دیکھی نہ جاتی تھی جب آپ کی جان کے لالے پڑ گئے تو مولانا روم کے صاحبزادے سلطان کی سرکردگی میں ایک وفد دمشق روانہ ہو گیا اور حضرت شمس تبریزی سے معافی مانگی۔ مولانا نے وفد کو ایک منظوم خط اور ایک ہزار دینار سُرخ بھی حضرت تبریزی کے آستانے پر نچھاور کرنے کے لیے بھیجے۔ مولانا کی حالت پر حضرت تبریزی کا دل پسیج گیا۔ اور انھوں نے قونیہ واپس آنے کی حامی بھر لی۔ اور جب آپ قونیہ پہنچ گئے تو مولانا روم بہت خوش ہوئے ذوقِ سماع کی محافل پھر سے بپا ہونے لگیں۔ اہل قونیہ کو حضرت شمس تبریزی کا قونیہ میں رہنا ناگوار گزرتا تھا لیکن وہ خاموش رہتے تھے۔ (اولیائے کرام)

۱۸۷۔ اطاعتِ مُرید کی آزمائش

ایک مرتبہ حضرت شمس تبریزی چند مہینوں کے لیے ایک کمرے میں بند ہو گئے اور چلہ کشی شروع کر دی۔ ان کی یہ جدائی بھی مولانا روم سے برداشت نہ ہوئی اور جب شمس تبریزی نے اپنی چلہ کشی تمام کی تو مولانا بہت خوش ہوئے۔ ان کی ساری بیقراری اور پژمردگی کافور ہو گئی۔ اس انتہائی خوشی کے عالم میں دیکھ کر حضرت شمس تبریزی نے مولانا کو آزمانا چاہا اور فرمایا اے مولانا! مجھے اس وقت ایک خوبصورت عورت کی طلب ہے۔ میں تم سے اس وقت خوش ہوں گا جب تم مجھے ایک خوبصورت عورت لا دو گے۔ مولانا

روم نے کوئی سوال جواب کیے بغیر اپنی بیوی جو شاہ خوارزم کی بیٹی تھی اور حسن و جمال میں یکتا تھی، کو اپنے مرشد کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضرت شمس تبریزی نے جب مولانا روم کی بیوی کو دیکھا تو فرمایا "میں نے تمھیں اس عورت کے لیے تو نہیں کہا تھا یہ تو میری بہن اور بیٹی ہے۔" مولانا عرض گزار ہوئے، حضرت! میری نظر میں اس سے خوبصورت اور کوئی عورت نہ تھی، دوسرے میں اپنی پیاری سے پیاری چیز آپ پر قربان کرنے کا متمنی ہوں۔ اس پر حضرت شمس تبریزی نے جواب دیا: "مجھے اب عورت کی خواہش نہیں اگر تم لاسکو تو ایک نوخیز اور خوبصورت لڑکا لادو" مولانا روم شینی انداز میں اپنے مرشد کے حجرے سے نکلے اور بغیر کسی سوال و جواب کے اپنے گھر روانہ ہوئے اور اپنے چھوٹے بیٹے کو ساتھ لیا اور حضرت شمس تبریزی کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضرت شمس تبریزی نے اس مرتبہ بھی مولانا کی سرزنش کی کہ میں نے تمھیں یہ لڑکا لانے کو تو نہیں کہا یہ تو میرا بیٹا ہے۔ مولانا نے عرض کی" مرشدی مولائی! میں آپ پر قربان ہونا چاہتا ہوں میں کیوں اور کیا کی زبان نہیں جانتا۔ میں تو حکم کا بندہ ہوں، میرا کام آپ کی فرمانبرداری کرنا اور آپ پر نثار ہو جانا ہے: یہ باتیں سننے کے بعد مولانا کے بیٹے کو بھی حضرت تبریزی نے واپس کر دیا۔ پھر مولانا روم سے کہا اب جاؤ اور میرے لیے شراب کا بندوبست کرو۔ ایسی نشہ آور شراب لاؤ جو مجھے کیف و مستی میں مبتلا کر دے۔ مولانا روم جو اپنے زہد و ورع میں جریدۂ عصر تھے، ان کے علم و حکمت اور عظمت و بزرگی کے چرچے ہر کہیں تھے مگر انھوں نے اپنی شہرت کی پروانہ کی۔ قونیہ میں ایک یہودیوں کا محلہ تھا وہاں تشریف لے گئے اور وہاں سے شراب حاصل کی اور حضرت تبریزی کی خدمت میں پیش کر دی حضرت شمس تبریزی نے جب شراب کی بھری ہوئی صراحی دیکھی تو کافی دیر مولانا روم کی طرف دیکھتے رہے پھر شراب کی صراحی کو دیوار کے ساتھ دے مارا اور ساری کی ساری شراب گرادی۔ مولانا چپ کھڑے ہیں نہ کچھ پوچھ رہے ہیں نہ بول رہے ہیں۔ کافی دیر کے بعد حضرت شمس تبریزی نے مولانا سے فرمایا "اے جلال الدین رومی! آج سے تمھاری عرفان و معرفت، سلوک و صحو اور جذب و سکر کی تمام منازل طے ہو گئی ہیں۔ یہ عورت، لڑکے اور شراب کی جو میں نے خواہش تمھارے سامنے کی تھی یہ ایک آزمائش تھی مگر تم آزمائش میں جس طرح پورے اترے ہو اس کی مثال نہیں ملتی۔ آج سے تمھیں وہ مقام حاصل ہو گیا ہے جس سے تمھارا نام رہتی دنیا تک یادگار رہے گا اور لوگ تمھاری تصانیف و تالیفات کو قیامت تک پڑھتے رہیں گے اور ان سے اسرار و رموز کی باتیں سیکھتے رہیں گے بلکہ میں شمس تبریزی جو تمھارا

مرشد ہوں میں دنیا میں گمنام ہو جاؤں گا اور میں تمہاری نسبت سے جانا اور پہچانا جاؤں گا۔ لوگ مجھے شمس تبریزی کی بجائے مولانا روم کے مرشد کی حیثیت سے جانیں گے۔ ان باتوں سے مولانا روم کی خوشی اس قدر بڑھ گئی اور آپ حضرت شمس تبریزی کی محبت میں اس قدر آگے بڑھ گئے کہ آپ نے اپنے ایک شعر میں فرمایا کہ "میں کبھی بھی مولانا روم نہ ہوتا اگر مجھے شمس تبریزی کی غلامی میسر نہ آتی"۔ (اولیائے کرام)

۱۸۸۔ حضرت شمس تبریزیؒ اور مولانا رومؒ کی ملاقات

مولانا رومی کے جاہ و جلال کی ہیبت سارے قلمرو ہی پر تھی، بادشاہ خود آپ کا احترام کرتے تھے عالیشان مکان، دروازے پہ پہریدار، راحت و آسائش کا ہر سامان میسر تھا۔ مولانا رومی کے شایانِ شان آپ کی ایک عظیم الشان لائبریری تھی جس میں نادر و نایاب کتب کا ایک بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ حضرت شمس تبریزی مکان پہ پہنچے تو مولانا لائبریری میں موجود تھے۔ آپ نے ان کو وہیں بلوایا۔ مولانا فلسفے کی ایک ایسی کتاب ملاحظہ فرما رہے تھے جس کا نسخہ صرف ان ہی کی لائبریری میں موجود تھا۔ مطالعہ کی محویت و دلچسپی اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ آنے والے مہمان کو رسمی طور پہ خوش آمدید کہنے کے بعد حضرت مولانا پھر مطالعے میں محو ہو گئے۔ حضرت شمس تبریزی نے مولانا سے پوچھا "ایں چیست؟" تو مولانا رومی کا پندار علم برجستہ بول اٹھا "ایں علمے است کہ تو نمی دانی"۔

بادۂ روحانیت سے اکتسابِ فیض کا وقت آ ہی گیا تھا۔ حضرت شمس تبریزی نے معنی خیز تبسم کے ساتھ خاموشی اختیار کر لی اور جب مولانا رومی کسی ضرورت کی وجہ سے کمرے سے باہر گئے تو حضرت تبریزی نے فلسفے کی وہی کتاب اٹھائی اور مکان کے حوض میں ڈال دی۔ مولانا واپس تشریف لائے تو اسی کتاب کا خیال تھا، دیکھا تو کتاب موجود نہیں تھی۔ ادھر اُدھر تلاش کیا لیکن جتنا وقت گزرتا جاتا تھا مولانا کی پریشانی بڑھتی ہی جاتی تھی۔ آخر حضرت شمس تبریزی نے پوچھا اور مولانا نے اپنی پریشانی کا سبب بتایا تو حضرت نے بہت اطمینان و سکون سے فرمایا وہ کتاب تو میں نے حوض میں ڈال دی ہے۔ مولانا برافروختہ ہوئے اور اس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر سخت باتیں کیں۔ حضرت نے فرمایا اس میں خفا ہونے اور افسوس کرنے کی کونسی بات ہے اگر وہ کتاب تمہیں بہت پسند ہے تو ہم منگوا دیتے ہیں حضرت مولانا رومی بہت ہنسے کہ پانی سے بھرے ہوئے حوض میں نایاب قلمی کتاب کا یوں پھینک دینا ہی کتنی بڑی

خلافِ عقل و ہوش بات تھی اور اب دوسری یہ بات اس سے بھی خلافِ دانش یہ کہہ رہے ہیں کہ آؤ کتاب لے آئیں۔ حضرت شمس تبریزی نے فرمایا تم اپنے علم کے مطابق تو ٹھیک ہی کہتے ہو لیکن تمہارا اس میں نقصان بھی کیا ہے۔ تمہارے نزدیک تو کتاب ضائع ہو ہی چکی ہے۔ تلاش کر لینے میں ہرج کیا ہے۔ مولانا رومی راضی ہو گئے اور حضرت ان کو لے کر حوض پر پہنچے اور آپ نے حوض کی مچھلیوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ آؤ ہمارے مولوی کی کتاب لادو۔ چند ہی لمحوں کے بعد کچھ مچھلیاں تو یونہی تیرتی ہوئی سامنے آ کر رک گئیں لیکن ان میں سے ایک مچھلی آئی جس کے منہ میں وہی نایاب کتاب تھی اور اس نے حوض کے کنارے پر وہ کتاب چھوڑ دی۔ حضرت تبریزی مسکرا رہے تھے اور حضرت مولانا حیرت سے خاموشی کا مجسمہ بن گئے تھے۔ حضرت تبریزی نے کتاب اٹھا کر مولانا کے حوالے کی۔ جب انھوں نے دیکھا کہ پانی کی تہ میں پڑی ہوئی کتاب جب حوض سے باہر آئی تو اس پر پانی کا ایک قطرہ بھی نہ تھا۔ مولانا رومی اس واقعہ سے بیحد متاثر ہوئے اور آخر اس ایک منظر نے ان کے دل کی دنیا ہی بدل ڈالی۔

۱۸۹۔ مجلسِ وعظ

ایک دفعہ قلعہ کی مسجد میں جمعہ کے دن وعظ کی مجلس تھی۔ تمام امراء و صلحاء حاضر تھے۔ مولانا روم نے قرآن مجید کے دقائق اور نکات بیان کرنا شروع کیے۔ ہر طرف سے بے اختیار واہ واہ اور سبحان اللہ کی صدائیں بلند ہوئیں۔ اس زمانے میں وعظ کا یہ طریقہ تھا کہ قاری قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھتا تھا اور واعظ میں ان ہی آیتوں کی تفسیر بیان کرتا تھا۔ مجمع میں ایک فقیہ صاحب بھی تشریف رکھتے تھے۔ ان کو حسد پیدا ہوا بولے کہ آیتیں پہلے سے مقرر کر لی جاتی ہیں ان کے متعلق بیان کرنا کونسی کمال کی بات ہے۔ مولانا نے ان کی طرف خطاب کر کے کہا کہ آپ کوئی سورت پڑھیے میں اس کی تفسیر بیان کرتا ہوں۔ انھوں نے والضحیٰ پڑھی۔ مولانا نے اس سورت کے دقائق اور لطائف بیان کرنے شروع کیے تو صرف والضحیٰ کے واؤ کے متعلق اس قدر شرح و بسط سے بیان کیا کہ شام ہو گئی۔ تمام مجلس پر ایک وجد کی حالت طاری تھی۔ فقیہ صاحب ایسے سرشار ہوئے کہ کپڑے پھاڑ ڈالے اور مولانا کے قدموں پر گر پڑے۔ اس جلسے کے بعد مولانا نے پھر وعظ نہیں کہا۔ فرمایا کرتے تھے کہ جس قدر میری شہرت بڑھتی جاتی ہے میں بلا میں مبتلا ہوتا جاتا ہوں لیکن کیا کروں کچھ نہ کر نہیں بن پڑتی مثنوی

میں بھی اس طرف اشارہ کیا ہے۔

خویش را رنجور سازی زار زار | تا ترا بیروں کنند از اشتہار
اشتہار خلق بند محکم است | در رہ ایں از بند آہن کی کم است

۱۹۰۔ محفلِ سماع

ایک دفعہ سماع کی مجلس تھی، اہلِ محفل اور خود مولانا پر وجد کی حالت تھی۔ ایک شخص بیخودی کی حالت میں تڑپتا تو مولانا سے جاکر ٹکر کھاتا۔ چند دفعہ یہی اتفاق ہوا۔ لوگوں نے بزور اس کو مولانا کے پاس سے ہٹاکر دور بٹھادیا۔ آپ نے ناراض ہوکر فرمایا "شراب اس نے پی ہے اور بدمستی تم کرتے ہو"۔

ایسے ہی ایک اور دفعہ معین الدین پروانہ کے گھر میں سماع کی مجلس تھی۔ کسی خاتون نے شیرینی کے دو طبق بھیجے۔ لوگ سماع میں مشغول تھے۔ اتفاق سے ایک کتے نے آکر طبق میں منہ ڈال دیا۔ لوگوں نے کتے کو مارنا چاہا۔ مولانا نے فرمایا کہ اس کی بھوک تم لوگوں سے زیادہ تیز تھی اس نے کھایا تو اسی کا حق تھا۔ (انوار الاصفیاء)

۱۹۱۔ مروّت واخوّت

قونیہ میں گرم پانی کا ایک چشمہ تھا۔ مولانا روم کبھی کبھی وہاں غسل کے لیے جایا کرتے تھے۔ ایک دن وہاں کا قصد کیا۔ خدام پہلے سے جاکر ایک خاص جگہ متعین کر آئے لیکن قبل اس کے کہ مولانا پہنچیں چند جذامی پہنچ کر نہانے لگے۔ خدام نے ان کو ہٹانا چاہا۔ مولانا نے خدام کو ڈانٹا اور چشمے میں اسی جگہ سے پانی لے کر اپنے بدن پر ڈالنا شروع کیا جہاں جذامی نہا رہے تھے۔ (انوار اصفیاء)

۱۹۲۔ بچّوں کی حوصلہ افزائی

حضرت مولانا روم ایک دفعہ بازار میں جارہے تھے۔ لڑکوں نے دیکھا تو ہاتھ چومنے کے لیے بڑھے۔ آپ کھڑے ہوگئے۔ لڑکے ہر طرف سے آتے اور ہاتھ چومنے جاتے۔ مولانا بھی ان کی دلداری کے لیے ان کے ہاتھ چومتے۔ ایک لڑکا کسی کام میں مشغول تھا اس نے کہا مولانا ذرا ٹھہریے۔ میں

کام سے فارغ ہولوں۔ مولانا اس وقت تک وہیں کھڑے رہے کہ لڑکا فارغ ہو کر آیا اور دست بوسی کی عزت حاصل کی۔ (انوار اصفیاء)

۱۹۳۔ تواضع اور انکساری

حضرت مولانا روم باوجود عظمت و شان کے نہایت درجہ بے تکلف، متواضع اور خاکسار تھے ایک دفعہ جاڑوں کے دنوں میں حسام الدین چلپی کے پاس گئے۔ چونکہ نا وقت ہو چکا تھا، دروازے سب بند تھے وہیں ٹھہر گئے۔ برف گر کر سر پر جمتی جاتی تھی لیکن اس خیال سے کہ ان لوگوں کو زحمت نہ ہو۔ نہ آواز دی نہ دروازہ کھٹکھٹایا۔ صبح کو نوّاب نے دروازہ کھولا تو یہ حالت دیکھی۔ حسام الدین کو خبر ہوئی۔ وہ آکر پاؤں پر گر پڑے اور رونے لگے۔ مولانا نے گلے سے لگالیا اور ان کی تسکین کی۔
(انوار اصفیاء)

۱۹۴۔ کُتّے کے آرام کا خیال

حضرت مولانا روم ایک دفعہ مریدوں کے ساتھ جا رہے تھے ایک تنگ گلی میں ایک کُتا سر راہ سو رہا تھا جس سے راستہ رک گیا تھا۔ مولانا وہیں رک گئے اور دیر تک کھڑے رہے۔ ادھر سے ایک شخص آرہا تھا اس نے کتے کو ہٹا دیا۔ مولانا نہایت آزردہ ہوئے اور فرمایا ناحق اس کو تکلیف دی۔ (انوار اصفیاء)

۱۹۵۔ دو اشخاص کی صلح کا واقعہ

ایک دفعہ دو آدمی سر راہ لڑ رہے تھے اور ایک دوسرے کو گالیاں دے رہے تھے ان میں سے ایک نے کہا کہ او لعین! تو ایک کہے گا تو دس سنے گا۔ اتفاق سے مولانا کا گزر ادھر سے ہوا۔ آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ بھائی جو کچھ کہنا ہے مجھ کو کہہ لو، مجھ کو اگر ہزار کہو گے تو ایک بھی نہ سنو گے، دونوں مولانا کے پاؤں پر گر پڑے اور آپس میں صلح کر لی۔ (انوار اصفیاء)

۱۹۶۔ کرامت کے مقابلے میں کرامت

ابوالحسن خرقانی کے عہد میں ایک بزرگ ابوالعمر ابوعباس ایک مرتبہ خرقان آئے۔ ابوالحسن اس وقت تنور پر کھانا پکا رہے تھے اور پانی کا کٹورا سامنے رکھا تھا۔ ابوعباس آپ کے پاس آکر بیٹھ گئے اور پانی کے کٹورے میں ہاتھ ڈال کر ایک مچھلی نکال کر حضرت ابوالحسن کے سامنے رکھ دی اور کہا "یہ میں نے اپنی کرامت سے آپ کو ایک تحفہ پیش کیا ہے۔ اسی وقت حضرت ابوالحسن نے تنور میں ہاتھ ڈالا اور اس کے اندر سے ایک مچھلی نکال دی اور فرمایا ابوعباس! پانی سے مچھلیاں نکالنا کوئی کمال نہیں۔ کمال تو یہ ہے کہ آدمی آگ سے مچھلی نکال کر دکھائے۔ ابوعباس بہت شرمندہ ہوئے۔ ابوعباس بھی حضرت ابوالحسن کی طرح ہر رات بایزید بسطامی کے مزار پر گزارا کرتے تھے۔ ان کی روزانہ یہ کوشش ہوتی تھی کہ کسی طرح ابوالحسن سے پہلے مزار اقدس پر پہنچ جائیں مگر باوجود پوری کوشش کے وہ ایک مرتبہ بھی اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہوئے۔

۱۹۷۔ حضرت ابوالحسن کی کرامت

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت بوعلی سینا آپ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور عرض کی کہ میں بادشاہِ وقت کا خاص غلام ہوں۔ بادشاہ اس وقت شدید پیٹ درد میں مبتلا ہے۔ کوئی عمل ایسا کر دیں جس سے بادشاہ ٹھیک ہو جائے۔ آپ نے فرمایا حاذقِ وقت موجود ہے اس کو لے جاؤ۔ یہ سن کر بوعلی سینا بہت شرمندہ ہوئے اور عرض کی "حضرت! آپ کے ہوتے ہوئے میری طبابت کس کام کی لہذا علاج آپ فرمائیں گے میں نہیں کروں گا۔" آپ نے فرمایا ٹھیک ہے اگر مجھے علاج کرنا ہے تو میں ضرور کروں گا۔ آپ نے اپنا جوتا اس شخص کو دیا اور کہا اسے بادشاہ کے پیٹ پر پھیر دو۔ درد انشاء اللہ ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ شخص جوتا لے گیا اور بادشاہ کے پیٹ پر پھیر دیا۔ پھر بفضلِ تعالیٰ بادشاہ بالکل ٹھیک ہو گیا۔

بوعلی سینا نے عرض کی حضرت اس دنیا میں کچھ باتیں سمجھ میں نہ آنے کے باوجود حقیقت ہوتی ہیں ان کو کیسے سمجھا جائے؟ آپ نے فرمایا ان باتوں کی توجیہ کو جاننے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

۱۹۸۔ شیخ ابوالحسن خرقانیؒ اور سلطان محمود غزنوی

حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی سلطان محمود غزنوی کے ہم عصر تھے ان کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیلی تو سلطان محمود غزنوی کو ان کی زیارت کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ وہ خدم و حشم کے ساتھ غزنی سے خرقان پہنچا اور ایک قاصد کے ہاتھ شیخ کو پیغام بھیجا کہ میں آپ کی زیارت کے لیے غزنی سے یہاں آیا ہوں۔ آپ خانقاہ سے میرے خیمہ تک قدم رنجہ فرمائیں۔ اس کے ساتھ ہی سلطان نے قاصد کو ہدایت کی کہ اگر شیخ یہاں آنے سے انکار کریں تو ان کو قرآن حکیم کی یہ آیت پڑھ کر سنا دینا:۔

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (یعنی اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی اور حاکم کی جو تم میں سے ہو۔)

قاصد نے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلطان کا پیغام دیا تو آپ نے فرمایا مجھے معذور رکھو اس نے آیت مذکور پڑھی تو فرمایا "در اطیعوا اللہ چناں مستغرق ام کہ اطیعوا الرسول خجالت ہا دارم تا بہ اولو الامر چہ رسد (یعنی ابھی میں اطیعوا اللہ میں ایسا مستغرق ہوں کہ اطیعوا الرسول کے معاملہ میں نادم اور شرمسار ہوں۔ پھر اولی الامر منکم کی جانب کیونکر متوجہ ہو سکتا ہوں۔ قاصد نے واپس جا کر سلطان کو شیخ کا جواب سنایا تو اس پر رقت طاری ہو گئی اور وہ شیخ ابوالحسن کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے درخواست کی کہ حضرت بایزید بسطامی کے حالات و اقوال سنائیے۔ شیخ نے فرمایا، بایزید فرماتے تھے کہ جس نے مجھے دیکھا بدبختی اس سے دور ہو گئی (یعنی وہ کفر و شرک سے محفوظ ہو گیا)

سلطان محمود نے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابولہب، ابوجہل اور کتنے ہی دوسرے منکروں نے دیکھا لیکن یہ بدبخت کے بدبخت (یعنی کافر) ہی رہے۔ کیا بایزید کا درجہ (نعوذ باللہ) حضورؐ سے بھی بلند ہے؟ یہ سن کر شیخ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور آپ نے جلال کے عالم میں فرمایا محمود! حد ادب سے قدم باہر نہ رکھ۔ ابولہب، ابوجہل اور دوسرے کفار نے فی الحقیقت حضورؐ کو دیکھا ہی نہیں، کیا تو نے قرآن کریم میں یہ آیت نہیں پڑھی:۔

وَتَرٰىهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ وَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ۔ (اے رسول تو ان کو دیکھتا ہے جو تیری

طرف نظر کرتے ہیں حالانکہ وہ تجھ کو نہیں دیکھتے۔)

سلطان، شیخ کے ارشادات سے بہت متاثر ہوا اور اس نے عرض کی کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔ شیخ نے فرمایا کہ چار باتوں کا ہمیشہ خیال رکھو (۱) ایسی چیزوں سے پرہیز جن سے منع کیا گیا ہے (۲) نماز باجماعت (۳) سخاوت (۴) خدا کے بندوں پر شفقت۔ سلطان نے کہا کہ میرے لیے دعائے خیر کیجئے۔ شیخ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور کہا "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ" (اے اللہ! سب مومنین اور مومنات کو بخش دے) سلطان نے عرض کی کہ میرے لیے خاص دعا فرمائیے۔ شیخ نے فرمایا اللہ تجھ پر رحمت کرے اور تیری عاقبت محمود ہو۔

اس کے بعد سلطان محمود نے اشرفیوں کی ایک تھیلی شیخ کے سامنے رکھ دی اور کہا کہ یہ نذر قبول فرمائیے۔ شیخ نے تعجب سے سلطان کی طرف دیکھا اور پھر اس کے سامنے جَو کی ایک روٹی رکھ دی اور فرمایا کہ یہ تمھاری دعوت ہے اس کو تناول کرو۔ سلطان نے بسم اللہ پڑھ کر جَو کی روٹی کھانا شروع کی لیکن پہلا نوالہ ہی حلق میں اٹک گیا۔ شیخ نے فرمایا شاید نوالہ حلق میں اٹکتا ہے، سلطان نے اثبات میں جواب دیا تو شیخ نے گھمبیر لہجہ میں فرمایا، تو یہ اشرفیوں کی تھیلی بھی میرے حلق میں اٹک جائے گی اس کو فوراً اٹھالو۔ یہ اشرفیاں بادشاہوں کی خوراک ہیں، فقیر کے لیے جَو کی روٹی ہی نعمتِ عظمٰی ہے۔ سلطان محمود نے عرض کی کہ حضرت! سب نہیں تو ان میں کچھ اشرفیاں ہی قبول فرمالیں۔

شیخ جلال میں آگئے اور فرمایا کہ میں دنیا کو طلاق دے چکا ہوں۔ میرے لیے یہ اشرفیاں حرام ہیں اس لیے اپنی بات پر اصرار نہ کرو۔ یاد رکھ کہ ان اشرفیوں پر نہ تیرا حق ہے نہ میرا۔ ان کو قوم کی امانت سمجھو۔ اگر یہ قوم کی مرضی کے بغیر تقسیم کرے گا تو قوم کے مال میں خیانت کرے گا اور اللہ تعالیٰ کا گنہگار بھی ہوگا۔ اگر تو ان اشرفیوں کو خیرات ہی کرنا چاہتا ہے تو تیرے ملک میں بہتیرے مساکین ہیں۔ جب تو سوجاتا ہے تو وہ اس لیے جاگتے ہیں کہ ان کے پیٹ خالی ہیں اور تیرے ملک میں ایسے شریف اور سفید پوش لوگ بھی موجود ہیں جو بظاہر آسودہ حال نظر آتے ہیں لیکن عسرت، اور خودداری قائم رکھنے کے لیے کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے۔ جب قیامت کا دن آئے گا تو تیری قوم کے یہ لوگ تیرا گریبان پکڑ لیں گے کہ تو غیر مستحق لوگوں میں مال بانٹتا رہا اور ہم تیری نظروں سے اوجھل رہے۔ اس وقت تجھ کو ہر بات کا جواب دینا پڑے گا۔

شیخ کی باتیں سن کر سلطان لرزہ براندام ہوگیا اور اس کی آنکھوں سے سیلِ اشک رواں ہوگیا
پھر اس نے عرض کی کہ آپ مجھ سے کچھ قبول نہیں فرماتے تو مجھے ہی کوئی تبرک عنایت فرمائیے۔ شیخ نے
فوراً اپنا پیراہن اتار کر سلطان کو عطا فرمایا۔ جب سلطان نے رخصت کی اجازت مانگی تو شیخ اس کی
تعظیم کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ سلطان کو شیخ کے رویہ پر بڑی حیرت ہوئی اور اس نے عرض کی کہ حضرت
جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا تو آپ نے میری طرف التفات فرمانا بھی مناسب نہ سمجھا تھا۔
لیکن اب جو آپ میری اس طرح عزت افزائی کر رہے ہیں اس کا کیا سبب ہے؟ شیخ نے فرمایا جب
تم فقیر کے حجرے میں داخل ہوئے تھے تو تمہارے دل و دماغ میں بادشاہت کی بو تھی۔ اور تم اپنے
شاہانہ جاہ و جلال کا مظاہرہ کرنا چاہتے تھے اسی لیے میں نے بادشاہ محمود کی پروانہ کی تھی۔ اب تم
جا رہے ہو تو تمہارا رنگ اور ہے۔ اب تم ایک درویش اور منکسر المزاج انسان کی حیثیت سے رخصت
ہو رہے ہو۔ اسی لیے میں نے اپنا فرض سمجھا ہے کہ تمہاری تعظیم کروں۔ ایسے انسانوں کی تعظیم نہ کرنا
مسلمانوں کا شیوہ نہیں ہے۔ (تذکرۃ الاولیاء)

۱۹۹۔ حدیث کی سند کا روحانی معیار

مشہور بزرگ حضرت ابوالحسن خرقانی کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے ایک مرید کو حدیث اور
فقہ کی تعلیم حاصل کرنے کا بیحد شوق تھا اس نے آپ سے اجازت طلب کی اور عرض کی کہ میں حدیث و
فقہ کی تعلیم کے حصول کے لیے کسی دوسری جگہ جانا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا" باہر جانے کی ضرورت
نہیں تم یہ تعلیم مجھ سے بھی حاصل کر سکتے ہو" وہ شخص حیران ہو کر بولا آپ تو بنیادی تعلیم سے بھی نا آشنا
ہیں تو حدیث کیسے پڑھائیں گے؟ آپ نے فرمایا یہ کیسے کا تفظ مت استعمال کرو اور حدیث کی کتاب لے
کر میرے پاس آجاؤ۔ جب آپ نے حدیث پڑھانا شروع کی تو وہ شخص حیران رہ گیا کہ اس طرح جامع طریقے
سے کوئی شخص بھی نہیں پڑھا سکتا تھا جس طرح آپ نے پڑھایا۔ آپ حدیث پڑھاتے ہوئے جس حدیث کو
وضعی خیال کرتے فوراً بتلا دیتے۔ آپ کے شاگرد مرید نے آپ سے دریافت کیا کہ یہ وضعی حدیث کا آپ کو
کیسے پتہ چل جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا جب میں حدیث پڑھا رہا ہوتا ہوں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا
روئے مبارک میرے سامنے ہوتا ہے اگر حدیث سچی ہو تو آپ کا چہرہ بڑا شگفتہ ہو جاتا ہے اور اگر حدیث

وضعی ہو تو آپ کا چہرہ شکن آلود ہو جاتا ہے اور اس طرح مجھے پتہ چل جاتا ہے کہ اس حدیث کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مرید نے آپ سے معذرت کی کہ میں نے آپ کو تعلیم یافتہ نہ سمجھنے کی گستاخی کی ہے۔ آپ نے اس کو معاف کر دیا۔ (تذکرۃ الاولیاء)

۲۰۰۔ وقت کا قطب کون؟

ایک مرتبہ حضرت ابوالحسن خرقانی کے ایک مرید نے آپ سے دریافت کیا اس دنیا کا قطب کون ہے۔ آپ نے فرمایا "قطب دوراں کی زیارت کے لیے تمھیں کوہ لبنان جانا ہوگا" اس نے پوچھا حضرت! کوہ لبنان پہنچ کر میں کس طرح جان پاؤں گا کہ قطب فلاں شخص ہے؟ آپ نے فرمایا جب تم کوہ لبنان پہنچو گے تو وہاں پر ایک جنازہ رکھا ہوگا اس جنازے کو جو شخص پڑھائے گا وہی قطب دوراں ہوگا۔ وہ شخص اسی وقت روانہ ہو گیا اور بڑی مشکلات اور صعوبات سفر کے بعد کوہ لبنان پہنچا۔ وہاں پر اس نے دیکھا کہ واقعی ایک جنازہ پڑا ہوا ہے مگر اسے پڑھانے والا ابھی نہیں پہنچا۔ اسے لوگوں نے بتایا کہ جنازہ پڑھانے والا ابھی آنے والا ہے تھوڑی دیر بعد اس شخص نے دیکھا کہ ایک صاحب کپڑوں میں منہ چھپائے آئے ہیں اور جنازہ پڑھانے کے بعد واپس جا رہے ہیں۔ اس نے جنازہ پڑھانے والے صاحب کا راستہ روکا اور عرض کی کہ حضرت! میں انتہائی دور سے آیا ہوں اور حضرت ابوالحسن کا مرید ہوں اور ان کی اجازت اور راہنمائی سے آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہوا ہوں، آپ اپنے چہرے سے کپڑا ہٹائیے تاکہ آپ کا دیدار کر سکوں۔ ان صاحب نے اپنے چہرے سے کپڑا ہٹایا تو وہ شخص حیران و پریشان ہو گیا کہ جنازہ پڑھانے والے امام صاحب حضرت ابوالحسن خرقانی خود تھے۔ وہ شخص اسی وقت بیہوش ہو گیا۔ جب سلوک میں آیا تو اسے پتہ چلا کہ حضرت جا چکے ہیں۔ اس نے آپ کی بابت لوگوں سے پوچھا کہ آپ کہاں سے آئے اور کہاں گئے ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ امام صاحب خرقان سے آتے ہیں اور یہاں نماز پڑھا کر واپس چلے جاتے ہیں۔ اس وقت ظہر کا وقت تھا اب وہ شخص عصر کی نماز کا انتظار کرنے لگا تاکہ حضرت جب نماز پڑھانے آئیں تو ان سے گفتگو ہو سکے۔ جب واپس جانے لگے تو اس شخص نے لپک کر آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور عرض کی کہ جب میں حضرت آپ کا مرید ہوں تو آپ نے مجھے اتنی دور کیوں بھیجا۔ مجھے اپنا دیدار خرقان میں ہی کروا دیتے۔ آپ نے فرمایا دیکھو! جو کچھ تم نے دیکھا ہے اس کا کسی سے ذکر نہ کرنا۔

یہ خدا کا فضل ہوتا ہے جس پر ہو جائے۔

۲۰۱۔ عقیدت کی وضاحت

ایک دفعہ شیخ ابو سعید حضرت ابوالحسن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ حضرت! میں نے جب تک آپ سے ملاقات نہ کی تھی میری حالت ایک پتھر کی سی تھی مگر آپ نے مجھے گوہر آبدار بنا دیا ہے اور آپ کا یہ فیضان ہے کہ میں نے اپنی روحانیت میں بڑی شاندار تبدیلی محسوس کی ہے۔ حضرت ابوالحسن نے خوش ہو کر جواب دیا، "ابو سعید میں سوچتا تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایک بیٹا دے دیتا تو جو حقیقت میں میرا ہمراز ہوتا آج اللہ نے میری یہ دعا بھی قبول کر لی اور آپ کی شکل میں مجھے ایک فرزند معنوی عطا فرما دیا۔ جب شیخ ابو سعید نے یہ بات سنی تو ان کی خوشی بے ٹھکانہ ہو گئی۔ اور اسی خوشی میں انھوں نے حضرت کی خانقاہ کا ایک پتھر اٹھایا اور اپنی خانقاہ کی محراب میں لگوا دیا مگر اگلے روز دیکھا تو حیران رہ گئے کہ وہ پتھر محراب سے غائب تھا اور دوبارہ حضرت ابوالحسن کی خانقاہ میں جا کر لگ گیا تھا۔ آپ نے دو تین مرتبہ پتھر حضرت کی خانقاہ سے اٹھایا اور اپنی خانقاہ کی محراب میں لگوایا مگر پتھر ہر مرتبہ اپنی جگہ سے ہٹ کر حضرت ابوالحسن کی خانقاہ میں پہنچ جاتا تھا۔ آخر کار شیخ ابو سعید نے یہ پتھر لگوانے کی کوشش ترک کر دی۔ جب یہ بات انھوں نے حضرت ابوالحسن سے عرض کی تو انھوں نے جواب دیا۔ "تم نے پتھر کو عقیدت سے میری خانقاہ سے اٹھایا اور اپنی خانقاہ میں لگوایا تھا۔ ایسی عقیدت جو پتھر کے ساتھ تم نے کی یہ بت پرستی کے زمرے میں آتی تھی میں نے اس کو ختم کرنے کے لیے پتھر کو وہاں لگنے کی اجازت نہیں دی"۔ شیخ ابو سعید نے یہ بات سنی تو خاموش ہو گئے۔ (تذکرۃ الاولیاء)

۲۰۲۔ رُوحانی بیعت کا جواز

ایک دن حضرت ابوالحسن خرقانی حسبِ معمول کھیتی باڑی کر کے رات کو بایزید بسطامی کے مزار پر گئے۔ اس روز آپ نے صبح سے رات تک کچھ نہ کھایا۔ آپ کی بھوک عنقا ہو گئی تھی۔ جب بایزید کے مزار پر پہنچے تو وہاں آپ کئی گھنٹے تک گریہ زاری کرتے رہے۔ آپ نے صاحبِ مزار کو مخاطب کر کے عرض کی "پیر و مُرشد! میں بیس سال سے آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہوں اور میں نے صرف

ایک دعا مانگی ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ وہ مرتبہ عطا فرمادے جو آپ کو عطا کیا ہے۔ اگر میری دعا لائق قبولیت نہیں تو مجھے بتلا دیا جائے تاکہ میں خاموش ہو جاؤں مگر ایک بات ہے دعا میری یہی رہے گی کہ مرتبہ حاصل کروں گا تو بایزید آپ جیسا ورنہ خاموش ہو کر بیٹھا رہوں گا۔

ابھی گریہ زاری جاری تھی کہ ابو الحسن خرقانی کو یوں محسوس ہوا جیسے مزار کے اندر کوئی اور بھی ہے پہلے انھوں نے اس کو وہم جانا جب یہ یقین کر لیا کہ کسی اور کی آہٹ ہے مگر دکھائی نہیں دے رہا تو آپ نے کہا تم جو شخص بھی ہو میرے سامنے آجاؤ حجاب کی کیا ضرورت ہے؟ جواب ملا، تیری دعا خدا نے قبول کر لی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تو ہے کون میرے سامنے کیوں نہیں آتا؟ جواب ملا، میں بایزید بسطامی ہوں اور اے ابو الحسن! تو خوش ہو جا کہ تیرے دور کا آغاز ہو رہا ہے۔ ابو الحسن نے عرض کی اے پیر و مرشد میں بالکل ان پڑھ ہوں، علوم شریعہ تو درکنار میں تو قرآن مجید بھی نہیں پڑھا ہوا۔ بایزید بسطامی نے جواب دیا کہ تم مت گھبراؤ، تمھاری تعلیم کا مکمل انتظام کیا جائے گا تم آج خرقان جاؤ اور وہاں باقاعدگی سے قرآن مجید پڑھو۔ تم خود بخود پڑھتے جاؤ گے۔ ابو الحسن نے حسب ارشاد خرقان جا کر قرآن مجید کھولا تو غیب کی طرف سے آپ کی مدد ہوئی اور قدرت نے ایسی راہنمائی کی کہ آپ نے چوبیس دن کے اندر قرآن مجید مکمل پڑھ لیا۔ آپ کو ریاضت و مجاہدات کے دوران سارے علوم سکھا دیے گئے آپ کی بیعت بھی غیبی طور پر بایزید بسطامی سے ہوئی تھی۔ آپ نے رزق حلال پر بڑا زور دیا ہے۔ آپ نے ہمیشہ اپنی مزدوری سے اپنا اور اپنے اہل و عیال کا پیٹ پالا اور رفتہ رفتہ آپ کی شہرت اتنی عام ہوئی کہ دور دور سے لوگ آپ کی زیارت کو آتے اور فیض یاب ہوتے تھے۔ (تذکرۃ الاولیاء)

۲۰۳۔ بیوی کی کڑوی باتیں برداشت کرنے کا اجر

ایک مرتبہ شیخ الرئیس بوعلی سینا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ اس وقت گھر پر نہ تھے انھوں نے آپ کی بیوی سے آپ کے متعلق پوچھا۔ حضرت ابو الحسن کی بیوی نے کہا کہ تم لوگ کتنے بیوقوف ہو کہ ایک چھوٹے مکار انسان کو ولی سمجھ کر اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔ جس شخص کو تم ولی سمجھتے ہو وہ اس وقت میرے لیے جنگل سے لکڑیاں لینے گیا ہوا ہے۔

بوعلی سینا جنگل کی طرف چلے گئے، راستے میں انھوں نے دیکھا کہ حضرت ابو الحسن لکڑیوں کا

گٹھا شیر پر لاد کر آرہے ہیں۔ وہ بڑے حیران ہوئے اور ڈر کے مارے ایک درخت کے پیچھے چھپ گئے
قریب آکر حضرت ابوالحسن نے پکارا "بوعلی سینا! سامنے آجاؤ اور شیر سے مت ڈرو" اب تو بوعلی
سینا اور حیران ہوئے اور عرض کی" حضرت میرا نام آپ کو کیسے معلوم ہو گیا" فرمایا اللہ نے میرے دل
کو روشن کر دیا ہے اس لیے وہ سب باتیں دل میں ڈال دیتا ہے۔ پھر بوعلی سینا نے آپ کو آپ کے
گھر کا قصہ اور آپ کی بیوی کے آپ کے متعلق خیالات بتائے اور عرض کی کہ حضرت آپ اتنے بڑے ولی
ہیں اور آپ کی بیوی اتنی گستاخ!

آپ نے فرمایا بوعلی سینا دیکھو! انسان کو اوقات میں رکھنے کے لیے ان کی بیویوں کو ایسی
ہی باتیں کرنی چاہئیں۔ میری بیوی ایک سادہ لوح بکری کی مانند ہے میں اس کی سادہ لوحی کو
برداشت کرتا ہوں اور اسی تحمل اور قوت برداشت کا نتیجہ ہے کہ میں نے اس شیر کو قابو کر رکھا ہے
پھر آپ نے فرمایا کہ ایک دن میری بیوی نے مجھ سے کہا کہ اگر تم مجھے ہوا میں پرندوں کی مانند اڑ کر
دکھاؤ تب میں تمھیں مانوں گی۔ میں نے اسے اڑ کر دکھایا مگر وہ بولی، تم اڑتے تو ہو مگر تمھاری اڑان
پرندوں کی طرح نہ تھی اس لیے میں تمھاری ولایت کو نہیں مانتی۔ (اخبار الصالحین ص ۸۲)

۲۰۴۔ نفس کی اطاعت کی سزا

حضرت ابوالحسن خرقانی کو بینگن بہت زیادہ پسند تھے مگر آپ نے نفس کشی کی وجہ سے چالیس
سال تک بینگن نہ کھائے تاکہ اللہ یہ نہ سمجھے کہ محبت میرے ساتھ کرتا ہے اور ادنیٰ سی چیز بینگن کھانے
پر مجبور ہے۔ ایک روز آپ کی والدہ نے آپ سے کہا ابوالحسن! تمھیں بینگن اتنے پسند ہیں تو ایک مرتبہ
میرے کہنے پر کھالو۔ آپ نے والدہ کے حکم کی تعمیل کی اور بینگن کھالیے۔ اگلے روز آپ کو کشف کے
ذریعہ معلوم ہوا کہ جنگل میں رہزنوں نے ایک قافلے کو لوٹ لیا ہے اور سارے لوگوں کو قتل کر دیا ہے۔
آپ نے یہ بات اپنی بیوی کو بتائی تو اس نے حسب معمول آپ سے کہا کہ آپ کا تو دماغ چل گیا ہے یہاں
گھر میں بیٹھے ہوئے آپ کو قافلہ کیسے نظر آگیا حالانکہ جنگل یہاں سے کوسوں دور ہے۔ آپ اس کی
باتیں سن کر خاموش ہو گئے۔ اگلی رات حضرت عبادت میں مشغول تھے کہ آپ کی بیوی کو کسی نے آکر بتایا
کہ کسی نے آپ کے بیٹے کو قتل کر دیا ہے اور اس کا سر دروازے پر لٹکا رہا ہے۔ آپ کی بیوی نے رونا

پیٹنا شروع کر دیا اور بین کرنے لگی۔" دیکھو اس مکار ولی کو جس کو جنگل میں قافلہ لٹتا نظر آ گیا اور اپنا بیٹا قتل ہوتا ہوا نظر نہ آیا۔ اس چھوٹے شخص کو نہ جانے کیوں زمانہ پیر و مرشد مانتا ہے۔ لوگوں کو اس نے بیوقوف بنایا ہوا ہے"۔ حضرت ابوالحسن نے بیٹے کو خون میں لت پت دیکھا تو انھیں بھی بڑا رنج پہنچا فوراً اپنی والدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی لے والدہ محترمہ! آپ کے حکم پر اپنی خواہش کے خلاف میں نے بینگن کھا کر خدا کی محبت میں گستاخی کر لی ہے جس کی مجھے وہ سزا ملی کہ میرا بیٹا قتل ہو گیا مگر مجھے پتہ تک نہ چلا۔ آپ کی والدہ بھی بڑی رنجیدہ ہوئی اور اللہ کے آگے رونے لگیں۔ اللہ میاں! غلطی میری تھی اور سزا میرے پوتے کو ملی۔ اب تو مجھے معاف کر دے اور میرے ابوالحسن کو جو کشفی قوت تو نے عطا کر رکھی تھی وہ واپس دیدے۔ ابوالحسن خرقانی نے بھی گڑگڑا کر خدا سے معافیاں مانگیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پھر وہی الطافات عطا کر دیے۔ (تذکرۃ الاولیاء)

۲۰۵۔ ولی اللہ کے روکنے کی مصلحت

ایک مرتبہ ایک شخص نے حج پر جانے کا ارادہ کیا اور وہ حضرت ابوالحسن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی کہ حضرت! میں حج پر جانا چاہتا ہوں مجھے اجازت دیجئے۔ آپ نے فرمایا، کیا کرو گے حج کر کے اس نے جواب دیا کہ خدا کی رضا کے لیے حج کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ علم حاصل کرو خواہ تمھیں چین جانا پڑے مگر آپ نے یہ کہیں نہیں فرمایا کہ تم خدا کی تلاش میں مارے مارے ایک جگہ سے دوسری جگہ پھرو۔ پھر فرمایا کہ کسی شخص کو خوش رکھنے کے لیے اس کے لیے ایک سانس بھی لی جائے تو یہ عبادت برسوں کے نماز روزے سے بہتر ہے۔

اس شخص کو آپ کی گفتگو ناگوار گزری اور وہ بولا میں نے جب ارادہ کر لیا ہے تو میں جاؤں گا تو شرع آپ مجھے بالکل نہیں روک سکتے۔ آپ نے فرمایا میری باتیں غور سے سن لے اگر تیرا من چاہے تو ان پر عمل کرنا، نہ چاہے تو نہ کرنا۔ اس طرح میری ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔ ایک ایسا شخص جس کا ایک دن اور ایک رات اس طرح گزرے ہوں کہ اس کی ذات سے کسی کو اذیت نہ پہنچی ہو تو اس کی بابت تو یہ یقین کر لے کہ وہ شخص گویا ایک شب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہا اور اسی طرح ایک وہ شخص جس سے کسی بھی مسلمان کو اذیت پہنچتی ہو وہ اس دن کی اطاعت و عبادت سے محروم رہا۔

اس شخص نے آپ کی باتوں پہ کوئی توجہ نہ دی اور حج کے لیے روانہ ہوگیا۔ دراصل یہ شخص بڑا ظالم انسان تھا۔ اپنے ملازموں اور دیگر متعلقین لوگوں پر بڑی سختی کرتا تھا۔ اس لیے حضرت نے اسے حج کرنے سے زیادہ انسانوں پہ رحم کرنے کے متعلق نصیحت کی کیونکہ اس کا حج ریا پہ مبنی تھا۔ مگر اس شخص نے آپ کی باتیں توجہ سے سننے کی بجائے ان کو ایک کان سے سنا اور دوسرے کان سے اڑا دیا۔ اب اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اس سال جتنے لوگ حج کے لیے روانہ ہوئے تھے ان پہ بہت سی مصیبتیں نازل ہوئیں اور بیشتر لوگ مر گئے۔ جب یہ اطلاعات حضرت ابوالحسن تک پہنچیں تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے پہلے ہی اس شخص کو بتایا تھا کہ اس مرتبہ تم حج پر جانے کی بجائے انسانیت کی خدمت کرو مگر اس نے میری ایک نہ سنی۔
آپ کی اس بات کی خبر مشہور شیخ ابوعباس کو جب ملی تو ان سے بہت سے لوگوں نے پوچھا کہ اگر حضرت ابوالحسن کی بددعا سے یہ لوگ مصائب کا شکار ہو کر موت سے ہمکنار ہوئے ہیں تو ان کی موت کی ذمہ داری حضرت ابوالحسن پر عائد ہوتی ہے۔ حضرت ابوعباس نے جواب دیا کہ یہ فضول اور بے کار سوال ہے۔ جب ہاتھی زمین پر اپنا جسم رگڑتا ہے تو اس کی زد میں آ کے ہلاک ہونے والے کیڑوں مکوڑوں کی ذمہ داری کس پہ عائد ہوتی ہے۔ یہ تو درویش کی جلالیت کا معاملہ ہوتا ہے کہ اس جلالیت میں اس کے منہ سے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کہلوا دیتا ہے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ اس درویش کا سب کیا دھرا ہے۔ درحقیقت یہ سارا پروگرام خدا کا ہوتا ہے جس کو وہ سرانجام کسی اپنے بندے کے ذریعے دیتا ہے۔

حضرت ابوعباس کی بات سن کر لوگ خاموش ہوگئے اور پھر انھوں نے کوئی سوال نہ کیا اور دل میں خوفزدہ ہونے لگے کہ حضرت ابوالحسن جیسی بزرگ ہستی کے ساتھ تُو تکار سے بچنا چاہیے کیونکہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کا فضل موج میں ہوتا ہے۔ بعض اوقات اس کا غضب نازل ہونے والا ہوتا ہے۔ تو اگر فضل کسی بندے پر نازل ہو جائے تو اس کی دنیا اور آخرت دونوں سنور جاتی ہیں اور اگر وہ غضب کا شکار ہو جائے تو نہ دنیا کا رہتا ہے نہ آخرت کا۔ (تذکرۃ الاولیاء، ص ۲۹۶)

۲۰۶۔ مہمان نوازی

ابوالحسن خرقانی کی بیوی کے متعلق بہت سے واقعات تذکرہ نگاروں نے لکھے ہیں۔ ان کی بیوی ان کی عبادت و ریاضت سے سخت نالاں تھی اور اکثر ان کی ولایت کو مکاری اور فریب کاری کہتی تھی۔

ایک مرتبہ اپنے دور کے بڑے بزرگ شیخ ابو سعید اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ابوالحسن خرقانی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت نے اپنی بیوی سے کہا مہمانوں کے لیے کھانا تیار کرو۔ بیوی نے نہایت ناگواری سے کہا گھر میں کچھ ہو تو کھانا تیار کروں، تمہارے جیسے قلاش آدمی کے گھر مہمان آتے ہی کیوں ہیں؟ حضرت ابوالحسن نے کہا اے نادان عورت! آہستہ بول کہیں مہمان تمہاری گفتگو نہ سن لیں مگر آپ کی بیوی نے آپ کی ایک نہ سنی اور بولتی گئی۔ حضرت نے پھر کہا۔ تم اپنی زبان بند کرو۔ کھانے کا انتظام وہ خود کرے گا جس نے مہمان بھیجے ہیں۔

بیوی نے تمسخرانہ انداز میں کہا اچھا آج میں بھی یہ تماشا دیکھتی ہوں کہ تو کس طرح کھانے کے لیے ڈرامہ کرتا ہے؟ حضرت ابوالحسن نے خادم سے پوچھا کہ گھر میں کتنی روٹیاں ہیں؟ اس نے کہا چار روٹیاں ہیں آپ نے فرمایا لے آؤ۔ اور جب وہ روٹیاں لے آیا تو آپ نے روٹیاں ٹوکری میں رکھ کر اوپر کپڑا ڈال دیا۔ اور پھر خادم سے کہا کہ روٹیاں تقسیم کرتے وقت ٹوکری کے اوپر سے کپڑا ہرگز نہ ہٹانا اور جتنے لوگ موجود ہیں ان میں روٹیاں تقسیم کرو اور پھر خدا کی شان دیکھو۔ خادم نے حکم کی تعمیل کی اور حیران رہ گیا کہ اتنے مہمانوں نے روٹیاں کھائیں مگر روٹیاں ختم ہی نہ ہونے میں آرہی تھیں۔ خادم نے ابوالحسن کی بیوی کو جب یہ بات بتائی تو اس نے فوراً ٹوکری سے کپڑا اٹھا دیا اور کہا، کہاں ہیں روٹیاں جو تمہارے جعلی پیر نے بنائی ہیں؟ مگر اندر سے وہی چار روٹیاں نکلیں۔ وہ بولی کہ میں نہ کہتی تھی یہ جھوٹ ہے اتنی روٹیاں کہاں سے آسکتی ہیں۔ حضرت ابوالحسن بولے اے اللہ کی بندی! اگر تو یقین نہیں کرتی تو کر اللہ نے اپنے بندے کا بھرم رکھ لیا ہے اور مہمان شکم سیر ہو چکے ہیں۔ بیوی پیر پٹختی چلی گئی (تذکرۃ الاولیاء ص ۲۷۷)

۲۰۷۔ حضرت فریدالدین نے راہِ فقر کیسے اختیار کیا؟

حضرت خواجہ فریدالدین عطار، عطاری کی دکان کیا کرتے تھے۔ ایک روز آپ اپنی دکان میں تشریف فرما تھے، کاروبار چل رہا تھا۔ لوگ آجا رہے تھے آپ نے ایک فقیر کو دیکھا جو مسلسل کئی گھنٹوں سے ان کی دکان کے سامنے کھڑا دکان کے ساز و سامان اور آرائش کو غور سے دیکھ رہا تھا خواجہ عطار نے کئی مرتبہ اس کو نظر انداز کیا مگر پھر آپ کا خیال اس کی طرف چلا ہی گیا۔ فقیر بھی ٹکٹکی باندھے دکان کی طرف تک رہا تھا۔ آخر خواجہ صاحب سے نہ رہا گیا اور انھوں نے اس فقیر کو مخاطب کر کے کہا، اے خدا کے

بندے! تم مسلسل کئی گھنٹوں سے یہاں کھڑے اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ اگر تمھیں کوئی کام ہے تو بتاؤ، کوئی چیز خریدنی ہے تو خریدو، نہیں تو اپنا راستہ لو۔ فقیر نے مسکرا کر خواجہ عطار کی طرف دیکھا اور بولا تم میری فکر نہ کرو میرا وقت اتنا قیمتی نہیں جتنا تمھارا ہے اس لیے اپنا وقت ضائع ہونے سے بچاؤ۔ رہی بات میرے جانے کی تو وہ کوئی مشکل کام نہیں۔ میں ابھی چلا جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ فقیر خواجہ عطار کی دکان کے سامنے ہی لیٹ گیا۔ کچھ دیر تو خواجہ صاحب انتظار کرتے رہے کہ ابھی اٹھ کھڑا ہو گا۔ مگر جب کافی دیر وہ نہ اٹھا تو آپ کو تشویش ہوئی۔ آپ نے اس کو ہلایا جلایا مگر وہ تو راہی عدم ہو چکا تھا اب خواجہ صاحب کو اس کی باتوں کی سمجھ آئی جن میں معرفت و ولایت کے راز پنہاں تھے آپ اس کی گفتگو سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اسی روز کوچہ تصوف و فقر میں داخل ہو گئے۔ (خزینۃ الاصفیا، ص ۲۴۶)

۲۰۸۔ اللہ کی بخشش کا دروازہ ہر وقت کھُلا ہے

خواجہ عطار فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "در بخشش ہر وقت کھُلا ہے۔ جو چاہے آئے اور اپنے لیے سامانِ آخرت حاصل کرے"۔ اس ضمن میں ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک مست نشہ کے زور میں مسجد میں گھس گیا اور رو رو کر پکارنے لگا کہ اے خداوند! مجھ کو بہشت میں لے جا۔ مؤذن نے جب اسے دیکھا تو اس کا گریبان پکڑ کر کہا۔ او سگِ نجس! مسجد میں تیرا کیا کام، تو نے کونسا اچھا عمل کیا ہے جس کی بنا پر تمھیں بہشت کا دعویٰ ہے؟ مست رو پڑا، اور بولا اے مؤذن! آپ کو خدا کے لطف عمیم سے تعجب معلوم ہوتا ہے کہ ایک گنہگار اس کی مغفرت کا امیدوار ہو۔ میں نے مغفرت کی خواہش آپ سے تو نہیں کی۔ توبہ کا در ہر وقت کھلا ہے اور خدا دستگیر ہے۔ مجھ کو تو شرم آتی ہے کہ خدا کے عفو کے مقابلے میں اپنے گناہ کو زیادہ سمجھوں۔ اس واقعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں کوئی تخصیص نہیں۔ ہر شخص کو وہاں جا کر توبہ استغفار کرنے اور خیر و بخشش مانگنے کی اجازت ہے کیونکہ خدا رحیم و کریم اور غفور رحیم ہے اور واقعی بندے کے گناہوں کے مقابلہ میں اس کی بخشش اور عفو در گزر کہیں زیادہ ہے۔

(اولیائے کرام)

۲۰۹۔ سلوک کی سات وادیوں کی تمثیلی کہانی

حضرت خواجہ فریدالدین عطار نے اشعار میں ایک تمثیلی مثنوی لکھی ہے۔ اس مثنوی کے آخر میں پرندوں کی بادشاہت کے بارے میں ایک خیالی مضمون بیان کیا ہے وہ مضمون یوں ہے کہ ایک مقام پر پرندے جمع ہیں اور وہ مل کر یہ سوچتے ہیں کہ دنیا میں کوئی ملک بادشاہ کے بغیر خوشحال نہیں رہ سکتا اس لیے پرندے بھی اپنے بادشاہوں کے بغیر زندگی نہیں گزار سکتے اور وہ اپنا بادشاہ سیمرغ کو خیال کرتے ہیں اس کو تلاش کرنے کے لیے تمام پرندے ہدہد کی راہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ ہُدہُد یہ وعدہ کرتا ہے وہ پرندوں کو سیمرغ تک پہنچا دے گا مگر راستے کی سب صعوبتیں برداشت کرنے کے لیے اگر وہ قوت برداشت رکھتے ہیں۔ ان پرندوں میں تیس پرندے ایسے ہوتے ہیں جن کی طلب صادق ہوتی ہے ان کو سالک کہا جاتا ہے۔ سالک جو صعوبتیں برداشت کرتے ہیں وہ حقیقت میں عارفوں کی ریاضتیں اور مجاہدے ہیں۔ سالک کی راہِ سلوک میں سات وادیاں ہوتی ہیں۔ پہلی وادی طلب و جستجو ہے جب تک کوئی سالک اپنے اندر طلب پیدا نہ کرے گا وہ کمال کے راستے پر گامزن نہیں ہو سکتا عشق کی منزل سالک کی دوسری منزل ہے اس کے لیے سالک کو منزل مقصود سے اتنی دلبستگی ہو کہ راہِ طریقت میں بلا اندیشہ چل نکلے اور راستے کی تکلیفوں سے نہ ڈرے۔ معرفت سلوک کی تیسری وادی ہے معرفت ہر سالک کے عقل و خرد کے اندازے کے مطابق ہوتی ہے۔ استغنا چوتھی وادی ہے۔ اس وادی میں سالک کو دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہونا پڑتا ہے۔ جو شخص خواہشاتِ دنیا کا اسیر ہو اس وادی تک نہیں پہنچ سکتا۔ سالک بلند نظر ہوتا ہے اس کی نظر میں دنیا اس نقش کی مانند ہے جو کسی تختی پر بنا کر مٹا دیا جاتا ہے۔ سلوک کی پانچویں وادی توحید کی وادی۔ یہاں پہنچ کر سالک اگر اس مقام کو پہچان لیتا ہے تو اسے کثرت میں وحدت نظر آنے لگتی ہے۔ وہ ہر شے میں اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرتا ہے۔ من و تو کا امتیاز بالکل اٹھ جاتا ہے۔ سلوک کی چھٹی وادی میں سالک بے خودگی اور وارفتگی کی حالت میں گھومتا رہتا ہے۔ یہاں جب اس کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ساری معلومات محدود تھیں اور وہ محض لاعلم تھا تو وہ مبہوت ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنی ہستی سے بھی بیگانہ ہو جاتا ہے۔ ساتواں مقام فنا کا ہے۔ یہاں آکر سالک کی جسمانی خواہش تکبر و غرور و خود پرستی سب کچھ

زائل ہو جاتا ہے اس لحاظ سے وہ اپنے آپ کو کھو کر عالم وحدت کا ایک حصہ بن جاتا ہے اور واصل حق ہو جاتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس فنا سے اس کو بقا حاصل ہو جاتی ہے۔

یہی سالک کے راستے کی سات منازل ہیں جنھیں خواجہ عطار نے پرندوں کی سات وادیوں اور منزلوں کی صورت میں ظاہر کیا۔ چنانچہ تیس پرندے بھی راستے کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے بالآخر وادیٔ فنا میں پہنچتے ہیں۔ یہی وادیٔ فنا سیمرغ کی بارگاہ ہے جہاں سیمرغ اور سی مرغ میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا تیس پرندے گویا خود اپنی حقیقت پا لیتے ہیں۔ (اولیاء کرام)

۲۱۰۔ بیوی کے مشورے سے بچنے کی تاکید کا واقعہ

حضرت خواجہ فریدالدین عطار نے ایک مرتبہ حضرت موسیٰؑ کے زمانے کا ایک واقعہ بیان فرماتے ہوئے عورت کی ناقص عقلی کے باعث اس کی مشاورت سے ممانعت کا درس دیا آپ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کے زمانے میں ایک کامل ولی ہوا کرتے تھے ان کی زبان میں خدا نے ایسی تاثیر پنہاں کر رکھی تھی کہ جو دعا بھی مانگتے وہ دربارِ خداوندی میں اسی وقت مستجاب ہو جاتی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت موسیٰؑ کو خدا کی طرف سے کسی علاقے میں کفار سے جنگ کا حکم ملا۔ انھوں نے اپنی افواج کو تیار کیا اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے نکلے۔ اب جس علاقے میں موسیٰؑ کو جنگ کرنا تھی اس میں مذکورہ ولی اللہ کی بیوی کے رشتہ دار رہتے تھے۔ موصوف کی بیوی کو خدشہ ہوا کہ اگر موسیٰؑ کو جنگ میں فتح ہو گئی تو میرے عزیز و اقارب بھی جنگ کی نذر ہو جائیں گے۔ اس خیال سے اس عورت نے اپنے خاوند سے جو کہ ولی کامل تھے عرض کی کہ آپ خدا سے دعا مانگیں کہ حضرت موسیٰؑ کو شکست ہو جائے۔ ولی اللہ نے یہ سوچے بغیر کہ خدا تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری کرنے کے لیے موسیٰ علیہ السلام آ رہے ہیں، خدا کے حضور یہ دعا کر دی کہ میرے مولا تو نے مجھے کبھی مایوس نہیں کیا آج بھی میری دعا قبول فرما لے اور موسیٰ علیہ السلام کے لشکر کو شکست دیدے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے ولی کی اس عجیب و غریب دعا پر بڑا تعجب ہوا لیکن خدا نے ان کی دعا اس وجہ سے منظور کر لی کہ اس نے بڑی امید سے خدا کے آگے دستِ سوال دراز کیا تھا اگر میں اس کو ناامید کر دوں گا تو یہ میری عنایات سے مایوس ہو جائے گا۔ اور مایوسی وہ حد الیسی چیز ہے جو خدا کے ہاں بالکل ناپید ہے ورنہ خدا ہر چیز پہ قادر ہے لیکن وہ کسی

کو مایوس نہیں کرتا چنانچہ خدا نے اس ولی بزرگ کی دعا قبول کر لی ۔ اور یوں موسیٰ علیہ السلام کو شکست ہو گئی ۔

موسیٰ علیہ السلام بھی خدا کے لاڈلے نبی تھے وہ فوراً دربارِ ایزدی میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اے مولا پاک ! مجھے خود ہی جنگ کا حکم دیا اور خود ہی شکست دیدی ۔ اس میں تیری کونسی مصلحت پوشیدہ ہے ، اللہ تعالیٰ نے جواب دیا اے موسیٰ ! بیشک میں نے ہی جنگ کا حکم دیا تھا مگر میرے آگے جب میرے ایک ولی نے دستِ سوال دراز کیا تو میں نہیں چاہتا تھا کہ میں اس کی دعا اور خواہش کو رد کردوں اس لیے میں نے اس کی دعا کو اپنے حکم پہ ترجیح دی ۔ موسیٰ علیہ السلام سخت غصہ میں تھے ۔ انھوں نے خدا سے عرض کی رب العزت ! جو تیرا ولی تیرے احکام کو ہی منسوخ کروانے کا خواہاں رہتا ہے جس کو تیری خوشنودی کی بجائے تیرے دشمنوں کی رضا جوئی منظور ہے تو ایسے ولی سے اپنی ولایت اور بزرگی چھین لے ۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا سنی ۔ ناراض تو خداوند اس ولی سے پہلے ہی تھا کہ اس شخص نے دوستی کا دعویٰ تو میرے ساتھ کر رکھا ہے لیکن اپنی بیوی کی خواہش اور تمنا کو میرے احکام پر فوقیت دے رہا تھا اللہ نے اس ولی کامل سے ولایت چھین لی ۔

اب اس ولی کو بڑا دکھ ہوا اس نے خدا سے بڑی معافیاں مانگیں اور کئی سال ریاضت میں مصروف رہا مگر اس کو چھینی ہوئی ولایت اور مقامِ ریاضت دوبارہ نہ مل سکا ۔ آخر ایک روز خدا کو اس پر ترس آ ہی گیا اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا ۔ دیکھو اب تمھیں ولایت کو واپس نہیں مل سکتی لیکن تم پر اتنی مہربانی ہو سکتی ہے کہ تم مجھ سے تین دعائیں مانگو میں ان کو ضرور پورا کروں گا ۔ اللہ کا وہ بندہ جو ولایت تو کھو ہی چکا تھا یہاں بھی اپنی بیوی کے دام فریب میں پھنس گیا اور غلطی سے اپنی بیوی کو بتا بیٹھا کہ خدا نے میرے ساتھ تین دعائیں قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے ۔ اب بیوی نے فوراً پہلے اپنی خواہش منوانے کی کوشش کی اور اپنے خاوند سے کہا کہ تم اللہ سے پہلی بات یہ کرو کہ وہ مجھے دنیا کی حسین ترین عورت بنا دے ۔ اس شخص نے بیوی کی آرزو اللہ کے حضور میں بیان کر دی اور اللہ نے اس عورت کو دنیا کی حسین ترین عورت بنا دیا ۔ اب اتفاق کی بات کہ وہاں سے ایک بادشاہ کا گزر ہوا اس نے اتنی خوبصورت عورت دیکھی تو اس کے منہ میں پانی بھر آیا ۔ اس نے اس عورت سے کہا کہ تم کیا اس بوڑھے آدمی کے ساتھ رہ رہی ہو تمھیں کسی محل میں رہ کر راج کرنا چاہیے اگر چاہو تو میرے

ساتھ چلو۔

اس عورت نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور اپنے خاوند کو چھوڑ کر اس بادشاہ کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر چلی گئی۔ اس سابق ولی اللہ کو بڑا غصہ آیا کہ اس عورت نے میرے ساتھ کس قدر بیوفائی کی ہے اس کے پاس خدا کی طرف سے دو مزید دعائیں منظور کرانے کی پیشکش موجود تھی اس نے اللہ سے عرض کی اے خداوند کریم! اس بے وفا عورت کو کتیا بنا دے۔ حق تعالیٰ نے اس عورت کو کتیا بنا دیا۔ اب جب بادشاہ نے دیکھا کہ حسینہ قیامت خیز تو کتیا کی شکل میں تبدیل ہو چکی ہے اس نے اس کو مار کر بھگا دیا اب وہ دوبارہ اپنے آدمی کے پاس پہنچ گئی اور سارا دن گھر کے باہر دروازے پر بیٹھی رہتی۔ اب گھر میں بچے ماں کو یاد کر کے روتے تو وہ شخص بڑا پریشان ہوتا اور بچوں کو روتا سن کر وہ کتیا (عورت) زور سے بھونکتی۔ اس صورتحال نے اس شخص کا جینا حرام کر دیا۔ آخر تنگ آ کر خدا سے اس شخص نے اپنی تیسری بات یعنی خواہش کا اظہار کر دیا کہ اے خدا اس عورت کو ویسے ہی عورت بنا دے تاکہ یہ اپنی اولاد کو تو سنبھال سکے۔ اللہ نے وعدہ کے مطابق اس شخص کی دعا قبول کرتے ہوئے اس عورت کو دوبارہ ویسی عورت بنا دیا۔

خواجہ عطار یہاں یہ بات واضح کرنا چاہتے ہیں کہ عورت کی مکاری اور ناقص العقلی بڑے بڑے اولیاء کو آزمائش میں ڈال دیتی ہے۔ اس لیے عورت کے معاملے میں خدا سے ڈرتے رہنا چاہیے اور خدا کی پناہ حاصل کرنی چاہیے۔ مذکورہ واقعہ میں اس خدا کے ولی نے عورت کی ادنیٰ سی خواہش پر پہلے اپنی ولایت برباد کر لی اور اپنی ریاضت کے بدلے خدا کی پیشکش کا عورت کے ہاتھوں بیڑا غرق کر دیا۔ اگر وہ خدا سے لو لگائے رکھتا اور عورت کے معاملے میں خدا سے پناہ مانگتا تو کم از کم پہلی مرتبہ ولایت برباد کرنے کے بعد دوسری مرتبہ اس کو خدا کی درگاہ میں ضرور کامیابی ہوتی لیکن یہ ولایت کے منصب، یہ ریاضت کی مسند اور یہ عبادت کے مقام صرف اس کو ملتے ہیں جس کو خدا کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔

۱۱۲۔ مُرشدِ کامل کی بیعت کا واقعہ

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت نجم الدین کبریٰ نے ایک مسجد میں جمعہ کی نماز کے بعد نمازیوں سے

درخواست کی کہ مجھے کوئی اللہ کا بندہ اپنے گھر میں کچھ روز کے لیے پناہ دے دے کیونکہ میں غریب الوطن مسافر ہوں اور بیمار بھی ہوں۔ سب نمازیوں نے انکار کر دیا کہ ان کے پاس کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں اسے رہائش مہیا کی جائے۔ آپ کے مزید کہنے پر ایک شخص نے آپ کو کہا، ہم تمھیں ایک خانقاہ کا پتہ دیتے ہیں اگر تم وہاں چلے جاؤ تو شاید تمھیں کوئی ٹھکانہ میسر آسکے۔ آپ فوراً تیار ہو گئے اور اس خانقاہ کے دروازے پر پہنچ کر دستک دی۔ اندر سے ایک بزرگ نکلے اور آپ کے آنے کا مقصد پوچھا۔ جب انھیں رہنے کے لیے جگہ کی درخواست کی گئی تو وہ بلا تامل آپ کو اپنی خانقاہ میں لے گئے اور ایک چبوترے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس چبوترے پر تم اپنا قیام کر سکتے ہو۔ آپ نے ان کا شکریہ ادا کیا ان بزرگ کا نام شیخ اسماعیل تھا۔ جس چبوترے پر پردیسی کو رہنے کی جگہ ملی اس کے ساتھ ہی ایک دوسرا چبوترہ تھا وہ ذرا بڑا تھا اور اس پر چند درویش بیٹھے تھے۔ جن بزرگ نے آپ کو رہنے کی جگہ دی تھی وہ تھوڑی دیر کے لیے خانقاہ کے اندرونی حصہ میں گئے اور آپ کے لیے کھانا لائے۔ آپ نے کھانا کھالیا۔

رات کا پہلا پہر تھا کہ دوسرے چبوترے پر بیٹھے درویشوں نے محفل سماع کا آغاز کیا۔ شورِ محفل آپ کو ایک تو بیماری کی وجہ سے ناگوار گزرا۔ دوسرے آپ کو سماع سے بہت چڑ تھی۔ چنانچہ آپ نے دونوں کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں مگر بات پھر بھی نہ بنی۔ آپ کو بڑی اذیت کا سامنا تھا آپ کا جی چاہا کہ یہ جگہ چھوڑ دوں مگر یاؤں تو کہاں جاؤں۔ ناچار برداشت کرتے رہے۔ دوسرے روز پھر وہی سلسلہ سماع کا شروع ہوا۔ آپ کے دل میں آیا کہ وہ بزرگ جو آپ کے میزبان بھی تھے ان سے کہیں کہ یہ سماع نہ کیا جائے مگر آپ کی ہمت نہ پڑی کہ مبادا وہ آپ کو یہاں سے چلتا کر دیں۔ ساری رات محفل سماع رہی اور وجع المفاصل کی تکلیف سے زیادہ سماع کی تکلیف سے تڑپتے رہے اور اسی چکر میں کئی راتیں گزر گئیں

ایک رات آپ کو جوڑوں کے درد کی شدید تکلیف تھی، دوسرے محفل سماع آپ کے لیے دردِ سر بنی تھی آپ نے فوراً اپنے میزبان بزرگ سے شکایت کی کہ یہ محفلِ سماع کیا اسلام میں حرام نہیں؟ آپ نے اس کو کیونکر جائز سمجھ لیا ہے؟ حضرت اسماعیل نے جب یہ بات سنی تو آپ کو اٹھایا اور چکر دینے شروع کیے۔ آپ پریشان ہو گئے اور گڑگڑا کر کہنے لگے کہ اس طرح تو میں مر جاؤں گا۔ چکروں نے تو

میرا جوڑ جوڑ ہلا کر رکھ دیا ہے۔ یہ سنکر ان بزرگ نے آپ کو دیوار کے سہارے بٹھا دیا تو آپ بے ہوش ہوگئے اور اسی بے ہوشی میں سو گئے۔ جب آپ کی نیند تمام ہوئی تو آپ کو بے ہوشی سے پہلے کے تمام واقعات یاد آ گئے اور آپ ایک دم بالکل پُرسکون ہو گئے۔ آپ کے جسم کے تمام درد بالکل ختم ہو گئے۔ اب آپ کو یاد آگیا کہ جوڑوں کا درد دوا سے نہیں کسی کی نظر کے فیضان سے ختم ہوا ہے۔ آپ شیخ اسماعیل کی نظر کے کرشمے اور اعجاز سے اس قدر متاثر ہوئے کہ فوراً درخواست کی کہ مجھے اپنی بیعت میں لے لیں۔ انھوں نے کہا اے بیٹے! تو سماع سے متنفر، جبکہ میں سماع کا محب، تمھارا میرا نظریہ اور سوچ مختلف، پھر بیعت کیونکر لی جائے؟ اب آپ کو بڑی شرمندگی ہوئی اور عرض کی، حضور مرشد عالی! میں صد بار معذرت کرتا ہوں کہ آئندہ کسی قسم کا اختلاف نہیں کروں گا۔ آپ مجھے اسی وقت بیعت کر لیجئے کیونکہ جس مرشد کی تلاش میں میں تبریز سے نکلا تھا اسے میں آپ کی شکل میں پا چکا ہوں۔ لہٰذا آپ کے کہنے پر شیخ اسماعیل نے آپ کو بیعت کر لیا اور آپ کی نگرانی اور سرپرستی کی۔ سلوک کی منازل طے ہونے لگیں اور یوں آپ کا باطن بیدار ہوا اور آپ راہِ حق کے مسافر بن گئے (نفحات الانس ص ۶۵۹)

۲۱۲۔ عالمِ نزع میں ولی اللہ کی توجّہ

حضرت نجم الدین کبریٰ بڑے صاحبِ کرامت ولی ہوئے ہیں آپ کے مریدوں میں حضرت امام رازی ایسی ہستیاں بھی شامل تھیں۔ حضرت امام رازی پر عالمِ نزع میں شیطان نے وسوسوں کی یلغار کر دی اور آپ کو سوال کر کے پریشان کرنے لگا مثلاً "تم نے خدا کو کس طرح جانا اور مانا؟" اس نے قریباً ننانوے سوالات کے جواب امام رازی نے دیے مگر اس کی تشفی کسی طرح نہ ہو سکی۔ ادھر تقریباً ۳۰۰ میل کے فاصلے پر حضرت نجم الدین کبریٰ مسجد میں وضو فرما رہے تھے کہ اچانک آپ نے جلال میں آکر اپنا لوٹا دیوار پر دے مارا اور بولے "تم صاف کیوں نہیں کہتے کہ میں نے خدا کو بے دلیل مانا" یہ بات امام رازی تک روحانی طریقے سے فوراً پہنچ گئی اور یوں ان کی شیطان سے خلاصی ہوئی۔

جب مریدوں نے حضرت نجم الدین کبریٰ سے لوٹا دیوار پر مارنے کا سبب پوچھا تو انھوں نے امام رازی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا اگر اب وہ مزید شیطان کے سوالوں کا جواب دے دیتے تو ان کا ایمان خارج ہو جاتا لہٰذا میں نے ان کو یہاں سے ہی متنبہ کر دیا کہ تم خدا کو بے دلیل مان لینے کا اقرار

کرو۔ یوں اللہ نے ایک جید عالم کے ایمان کا تحفظ کر لیا اور ایک کامل مرشد کا ہی کام ہے کہ وہ باطنی طور پر اپنے مرید کا تحفظ اور نگرانی کرے۔ (اولیائے کرام)

۲۱۴۔ ولی تراش

جب حضرت نجم الدین نے علوم باطنی شیخ اسماعیل قصری کی نگرانی میں کافی کچھ سیکھ لیا تو ان کو خیال ہوا کہ باطنی علم اب مجھے مل گیا ہے، ظاہری پہلے سیکھ چکا ہوں۔ اب مجھے مزید علم کے لیے کہیں اور جانا چاہیے کیونکہ میرا علم اپنے مرشد سے کہیں زیادہ ہوگیا ہے۔ ابھی اسی خیال میں تھے کہ آپ کو شیخ اسماعیل قصری نے طلب کیا اور حکم دیا کہ تم سفر کی تیاری کرو اور عمار یاسر کی خدمت میں روانہ ہو جاؤ۔ اسی وقت نجم الدین نے سفر کی تیاری کی اور عازم سفر ہوئے۔ جب عمار یاسر کی خدمت میں پہنچے تو اس وقت وہ آپ کے ہی منتظر تھے انھوں نے نجم الدین کی سرزنش کی کہ تم اتنی دیر سے یہاں پہنچے ہو۔ یہ سستی کس کام کی جو علم کے حصول میں حارج ہو۔ آپ نے معذرت سے درخواست کی کہ میں جس مقصد کے لیے حاضر ہوا ہوں اس کی ابتدا ابھی سے کر دی جائے تو آپ کی عنایت خصوصی ہوگی۔ چنانچہ اسی روز نجم الدین کو خانقاہ میں تنہا بٹھا دیا گیا اور یہ حکم دیا گیا کہ آپ ہر وقت عبادت میں مشغول رہیں جب آپ کو بلایا جائے تب باہر آئیں ورنہ نہیں۔ ایک دو روز تو نجم الدین کبری خانقاہ میں عبادت میں مشغول رہے مگر پھر ان کے دل میں وہی خیال پیدا ہونے شروع ہو گئے کہ شیخ عمار یاسر ظاہری علوم میں میرا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

ان خیالات کی آمد تھی کہ ان کو خلوت نشینی ناگوار معلوم ہونے لگی انھوں نے خلوت چھوڑ دی اس پر شیخ عمار یاسر نے کہا، نجم الدین! تم بلا اجازت خانقاہ سے باہر کیوں آئے ہو؟ آپ نے جواب دیا حضرت خلوت مجھے راس نہیں آئی اس لیے خلوت نے مجھے دھکا دے کر نکال دیا ہے۔ شیخ عمار یاسر نے فرمایا تم اپنی نیت درست کرو پھر خلوت مزہ دے گی۔ یہ سن کر نجم الدین دوبارہ خلوت نشین ہوئے اس طرح جب آپ کا دل جذب و کیف سے مملو ہو گیا اور باطن نور آگیں ہونے لگا تو آپ کو اپنے سامان میں موجود لباس اور کتابوں کا خیال آگیا کہ جب تک ان کو خیرات نہ کر دوں تخلیے میں یکسوئی سے نہ بیٹھ سکوں گا جب یہ بات عمار یاسر کو معلوم ہوئی تو وہ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ میرے پاس تمام دن کا خزانہ بھی

موجود ہو تب بھی میں ہر طرف سے بے نیاز ہو کر اللہ کی طرف رجوع کر سکتا ہوں۔

نجم الدین کبریٰ کو شیخ عمار یاسر کی یہ باتیں بالکل پسند نہ آئیں اس پر شیخ عمار یاسر نے کہا دیکھو نجم الدین تم میرے پاس میری سرپرستی میں بھیجے گئے ہو لہٰذا جس طرح میں کہتا ہوں اسی طرح کرو، اور بحث و مباحثہ میں وقت ضائع نہ کرو۔ یہ سن کر نجم الدین نے دوبارہ خلوت نشینی اختیار کر لی مگر ان کے دل میں یہ سوالات بار بار اٹھتے کہ میرا ظاہری علم شیخ عمار یاسر سے زیادہ ہے۔ آپ کی یہ روش دیکھ کر آپ کو شیخ عمار یاسر نے فرمایا کہ بلاشبہ تمہارا ظاہری علم زیادہ ہوگا لیکن باطنی علم میں تم طفلِ مکتب ہو۔ لہٰذا تم فوراً سفر کی تیاری کرو۔ اب تمہیں مصر جانا ہوگا وہاں شیخ روزبہان کبیر مصری ہی تمہارا علاج کریں گے پس نجم الدین نے فوراً حکم کی بجا آوری کی اور مصر روانہ ہو گئے۔ جب آپ شیخ بہان کی خانقاہ میں پہنچے تو وہاں موجود سب لوگوں کو مراقبے میں غرق پایا۔ آپ کافی دیر انتظار میں کھڑے رہے کہ کوئی آدمی مراقبے سے فارغ ہو تو شیخ بہان کے متعلق پوچھوں مگر بے سود۔ آخر ایک آدمی باہر سے آیا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ میں شیخ بہان سے ملنے کے لیے آیا ہوں۔ اس نے آپ سے کہا کہ مسجد میں شیخ وضو کر رہے ہیں وہاں چلے جاؤ۔ آپ مسجد میں پہنچے اور دیکھا کہ ایک شخص بہت تھوڑے سے پانی سے وضو کر رہا تھا آپ نے اس سے ہی پوچھا کہ میں شیخ بہان سے ملنا چاہتا ہوں؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں ہی شیخ بہان ہوں۔ نجم الدین نے کہا، مجھے شیخ عمار یاسر نے بھیجا ہے۔ یہ سن کر شیخ بہان خاموش رہے۔

اس دوران نجم الدین کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ مجھے شیخ عمار یاسر نے کس شخص کے پاس بھیج دیا ہے جس کو ٹھکانے سے وضو کرنا بھی نہیں آتا۔ شیخ بہان تو وضو کر کے اپنی خانقاہ میں چلے گئے اور نجم الدین ان کے پیچھے پیچھے گئے مگر شیخ نے ان سے کوئی بات نہ کی اور نماز شروع کر دی۔ اب نجم الدین پاس بیٹھ گئے اور شیخ نماز پڑھتے رہے۔ اسی اثنا میں نجم الدین پر غنودگی طاری ہو گئی اور عالمِ رؤیا میں انھوں نے دیکھا کہ حشر کا میدان ہے اور ایک ٹیلے کے نیچے نجم الدین کھڑے ہیں اور دیکھ رہے ہیں کہ کچھ لوگ جنت میں جا رہے ہیں کچھ دوزخ میں جا رہے ہیں مگر جو شخص ٹیلے کے اوپر جاتا ہے وہ واپس آ کر جنت کا رخ کرتا ہے۔ آپ نے ایک شخص سے جو ٹیلے کے اوپر سے آیا تھا پوچھا کہ ٹیلے کے اوپر کون ہے؟ جواب ملا، ٹیلے کے اوپر حضرت بہان مصری ہیں۔ نجم الدین فوراً ٹیلے پر گئے اور شیخ بہان سے عرض کی کہ میں تو آپ ہی کے پاس آیا تھا مگر آپ نے مجھ پر کوئی توجہ ہی نہیں دی۔ یہ بات سن کر شیخ بہان

مصری نے دونوں ہاتھوں سے نجم الدین کی کمر پہ تھپڑ رسید کیا اور فرمایا کہ تم اپنے مرشدوں کو اپنے سے کم علم سمجھتے ہو۔ اور میرے پاس آئے ہو تو میرے ہی وضو پہ تنقید کرنے کے متعلق سوچ رہے ہو تو میں نے تمہاری کیا مدد کرنی ہے۔ یہ سن کر نجم الدین بہت شرمندہ ہوئے اور اسی پر آپ کی آنکھ کھل گئی۔

شیخ بہان ابھی تک نماز پڑھ رہے تھے۔ جب نماز پڑھ چلے تو نجم الدین ان کے قدموں میں گر گئے۔ شیخ نے اسی طرح دو ہنٹر ان کو مارا اور کہا خبردار! جو آئندہ اہل حق کا انکار کیا۔ تمہاری ظاہری علم جو ہو گا سو ہو گا اس کا بھی کبھی امتحان لے لیا جائے گا۔ فی الحال تم کچھ سیکھنے کی کوشش کرو۔ پھر نجم الدین کو پاس بٹھایا اور کہا اب تمہاری کیا حالت ہے؟ جواب ملا، بہت بہتر ہے۔ حکم ہوا کہ پھر واپس شیخ عمار یاسر کے پاس چلے جاؤ اور جا کر ہماری طرف سے کہو کہ ہم نے تانبے کو سونا بنا دیا ہے۔ لہٰذا آپ تانبا ہمارے پاس بھیج دیا کریں ہم سونا بنا کر واپس بھیج دیا کریں گے۔ عرض کی، یا مرشدی! کچھ عرصہ اور مجھے اپنے پاس رکھ لیں۔ میں اتنی جلدی نہیں جانا چاہتا۔

آپ کو اجازت مل گئی۔ یوں نجم الدین شیخ بہان کے پاس رہنے لگے۔ یہاں انھوں نے چلہ کشی کی، باطنی فتوحات حاصل کیں اور شیخ بہان آپ پہ بہت مہربان ہو گئے یہاں تک کہ اپنی بیٹی کا رشتہ بھی آپ کو دے دیا پھر فرمایا کہ اب تم شیخ عمار یاسر کے پاس چلے جاؤ۔ جب نجم الدین شیخ عمار یاسر کے پاس واپس پہنچ گئے تو آپ کو دیکھ کر عمار یاسر فرمانے لگے۔ کیا تانبا سونا بن گیا ہے؟ عرض کی کہ جیسا ہوں آپ کے سامنے ہوں۔ یہاں رہ کر نجم الدین نے سلوک کی تمام منازل طے کیں۔ پھر ان کو خوارزم جانے کا حکم ملا بہت پس و پیش کی مگر حکم نہ ٹال سکے۔ خوارزم پہنچے تو آپ کی بہت پذیرائی کی گئی۔ آپ کی نظروں میں اللہ نے وہ تاثیر پیدا کر دی تھی کہ آپ جس کو دیکھتے وہ ولی اللہ ہو جاتا۔ اسی وجہ سے آپ ولی تراش کے نام سے بھی مشہور ہو گئے تھے۔ اس طرح آپ کے مریدین میں کافی اضافہ ہو گیا اور مرید بھی تمام کے تمام امام رازی جیسے تھے۔ (اولیائے کرام)

۲۱۴۔ ولی اللہ کی نگاہ اور توجہ کا اثر

آپ کے پاس ایک مرتبہ ہندوستان سے ایک تاجر آیا۔ آپ اس وقت حالت وجد میں تھے آپ نے اس تاجر سے پوچھا کہ تو کہاں سے آیا ہے؟ اس نے کہا میں ہندوستان سے آیا ہوں۔ آپ

نے اسے حکم دیا، جاؤ اپنے وطن واپس چلے جاؤ اور رشد و ہدایت کا کام کرو اور گمراہوں کو درست کرو۔ سوداگر میں یکدم عجیب سی تبدیلی آگئی۔ اس کے اندر سے دنیاوی کاروبار اور دیگر امور کی خواہش آن کی آن میں تمام ہوگئی اور روح میں دین کی ایسی شمع روشن ہوئی کہ وہ خلافت کی سند حاصل کرتے ہی عازم ہندوستان ہوا اور لوگوں کو خدا کی طرف بلانا شروع کر دیا اس طرح توحید و رسالت کا پیغام ہندوستان کے کئی گوشوں میں پہنچ گیا۔ اللہ والوں کا خاصا یہ ہوتا ہے کہ وہ خدا کے دیے ہوئے علم میں بالکل بُخل سے کام نہیں لیتے۔ حضرت نجم الدین کبریٰ نے اپنے علم کے چشموں سے لوگوں کو بہت فیض یاب کیا اور جو آیا اس کو معرفت کے اسرار و رموز سے نوازنے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے مرید بھی بڑے بڑے کامل لوگ ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسی نعمتیں انھی لوگوں کو عطا کرتے ہیں جو اس کے اہل ہوتے ہیں۔

حضرت نجم الدین کو اپنے ظاہری علوم پر بڑا زعم تھا لیکن اہل جذب و نظر نے چند گھڑیوں میں آپ کی دنیا بدل دی۔ آپ بڑے سالموں کے لیے عظیم بلا تھے لیکن آپ کا مغرور ہونا آپ کو زیادہ دیر بلائے بے درماں نہ رکھ سکا۔ صوفیا نے آپ کو زیر کر کے جلوت سے خلوت نشین کر دیا اور آپ کو اپنے عالم امکان میں مقام کا بہت جلد احساس ہوگیا۔ آپ خود سرا در پُرجوش انسان تھے لیکن اہل اللہ نے دلچسپ، اثر انگیز، حیران کن طریقوں سے آپ کی زندگی میں لمحہ بہ لمحہ تغیر پیدا کر کے آپ کو نظر نواز بنا دیا۔ آپ شیخ اسماعیل قصری، عمار یاسر اور شیخ بہان سے فیض یاب ہوئے اور کھرا سونا بن گئے۔ آپ کے علم کا چرچا چہار سُو پھیل چکا تھا۔ اور خوارزم کے اردگرد سے سینکڑوں لوگ ہر وقت آپ کے حلقے میں بیٹھا کرتے تھے۔ خدا کا ذکر اس جذب سے آپ کی محفل میں ہوتا کہ پتہ ہی نہ چلتا کہ اس محفل میں کوئی زندہ وجود بھی موجود ہے۔ ہر کوئی اپنے آپ کو خدا کی یاد میں غرق کر لیتا اور یہ ان صاحب نظر کا کمال تھا جنھوں نے نجم الدین کبریٰ کو صاحب نظر اور نظر نواز بنا دیا تھا۔ (نفحات الانس ص ۶۵۷)

۲۱۵۔ اصحابِ کہف کی وضاحت

ایک مرتبہ آپ کے عقیدت مند آپ کے پاس بیٹھے تھے کہ اصحاب کہف کے متعلق بات چل نکلی اور ساتھ ہی ان کے کتے کا بھی ذکر آگیا اور ان لوگوں کی صحبت کی عظمت بیان کی گئی جس میں رہ کر کتا بھی عالی مقام حاصل کر گیا۔ اب ایک مرید نے دوسرے سے سوال کیا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں بھی

کوئی ایسا جانور ہے جو اصحاب کہف کے کتے جیسا مقام حاصل کرے؟ ابھی دوسرے مرید نے جواب نہیں دیا تھا کہ حضرت نجم الدین نے اپنے اس مرید سے جس نے سوال کیا تھا فرمایا۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہمارے ہاں بھی اصحاب کہف جیسا کتا پیدا ہو جائے؟ مرید نے عرض کی کہ ہم چاہتے تو ہیں مگر اب اصحاب کہف کہاں سے آئیں گے؟ حضرت نجم الدین نے فرمایا اصحاب کہف جیسے لوگ تو اب بھی موجود ہیں مگر بظاہر نظریں ان کو پہچاننے سے قاصر ہوتی ہیں۔ ایک مرید نے خواہش ظاہر کی کہ ان لوگوں سے ملاقات کرنی چاہیئے آپ نے فرمایا چلو ابھی ملاقات کر کے اپنا یقین پختہ کر لو۔ خانقاہ سے باہر آ کر آپ دروازے پر کھڑے ہو گئے اتنے میں وہاں ایک کتا آ گیا۔ آپ نے اس کو چمکارا۔ وہ دم ہلا کر آپ کی طرف دیکھنے لگ گیا اور آن کی آن میں مست و بے خود ہو گیا۔ کچھ دیر بعد آپ نے کتے سے کہا اب تو چلا جا۔ کتا چلا گیا تو آپ نے ان مریدوں سے کہا کہ اب اس کتے کی نگرانی کرو اور دیکھو کہ اس میں کوئی تبدیلی تو رونما نہیں ہوئی۔ لوگوں نے حسب حکم کتے کا مشاہدہ کرنا شروع کیا۔ کتے نے آبادی چھوڑ کر ویرانے میں ڈیرہ جما لیا۔ کئی کئی روز کچھ کھائے پیئے بغیر گزار دیتا اور قابل ذکر بات یہ تھی کہ دوسرے کتوں نے اس کے پاس آنا جانا شروع کر دیا تھا اور وہ اس کتے کا اتنا احترام کرتے کہ اس کے سامنے بھونکتے بھی بالکل نہ تھے۔ (مرآۃ الاسرار، ص ۵۸)

۲۱۶۔ حضرت نجم الدین کبریٰ کی کرامت

حضرت نجم الدین کبریٰ کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ آپ کہیں تشریف لے جا رہے تھے آپ کے بہت سے مرید بھی آپ کے ساتھ تھے۔ راستے میں آپ نے اور آپ کے مریدوں نے دیکھا کہ ایک باز ایک ممولے کو لے کر اڑا جا رہا ہے جبکہ ممولہ اپنی جان چھڑانے کے لیے تڑپ رہا ہے۔ مریدوں نے گزارش کی۔ حضرت! اس غریب ممولے کو ظالم باز سے نجات دلائی جائے۔ حضرت نجم الدین نے ممولے کی طرف دیکھا اور فرمایا۔ بزدل ممولے! ہمت کر کے اس باز کو میرے پاس لے آ۔ بس یک لخت ممولے میں اتنی طاقت آ گئی کہ اس نے باز کو ایسا پٹخا کہ وہ بے دم ہونے لگا۔ پھر ممولہ باز کو حضرت نجم الدین کی خدمت میں لے آیا آپ نے باز کو سرزنش کی، تم ممولے پر کیوں ظلم کر رہے ہو؟ مگر باز نے کوئی جواب نہ دیا۔ غیب سے آواز آئی کہ نجم الدین! جو جس کا رزق ہے وہ اس کو جس طرح بھی حاصل کرے تم اس کو کس طرح روک لو گے؟

یہ سننا تھا کہ آپ نے باز کو حکم دیا، جاؤ اپنا کام کرو میں اب تمھارے معاملے میں دخل اندازی نہیں کرونگا اور مولے کو بھی سمجھا کر رخصت کیا کہ مشیت ایزدی میں دخل دینا میرے بس سے باہر ہے۔ (سفینۃ الاولیاء ص ۱۴۰)

۲۱۷۔ ایک شہزادی کا فقر

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک عورت بڑی عابدہ تھی اور وہ ان کے بادشاہ کی لڑکی تھی۔ ایک شہزادے نے ان سے منگنی کی درخواست کی، اس نے نکاح کرنے سے انکار کیا۔ پھر اپنی ایک لونڈی سے کہا کہ میرے واسطے ایک عابد، زاہد نیک آدمی تلاش کرو جو فقیر ہو۔ لونڈی عابد اور زاہد آدمی کی تلاش میں نکلی اور ایک عابد زاہد کو شہزادی کی خدمت میں لے آئی۔ شہزادی نے اس سے پوچھا کہ اگر تم مجھ سے نکاح کرنا چاہو تو میں تمھارے ساتھ قاضی کے پاس چلی چلوں۔ فقیر نے اس بات میں رضامندی کا اظہار کیا اور یہ دونوں قاضی کے پاس پہنچے اور نکاح ہوگیا۔ شہزادی نے فقیر سے کہا کہ مجھے اپنے گھر لے چلو۔ فقیر نے کہا واللہ! اس کمبل کے سوا کوئی چیز میری ملک نہیں ہے۔ اس کو رات کے وقت اوڑھتا ہوں اور یہی دن میں پہنتا ہوں۔ اس نے کہا میں تیری اس حالت پر راضی ہوں۔ چنانچہ فقیر شہزادی کو اپنے گھر لے گیا۔ وہ دن بھر محنت کرتا تھا اور رات کو آتنا پیدا کر لاتا تھا جس سے افطار ہو جائے۔ شہزادی دن کو روزہ رکھتی تھی اور شام کو افطار کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی تھی اور کہتی تھی اب میں عبادت کے واسطے فارغ ہوئی۔ ایک دن فقیر کو کوئی چیز نہ ملی جو شہزادی کے واسطے لے جاتے۔ اس سے انھیں شاق گزرا اور وہ بہت گھبرائے اور جی میں کہنے لگے کہ میری بی بی روزہ دار گھر میں بیٹھی انتظار کر رہی ہے کہ میں ان کے لیے کچھ لے آؤں گا۔ یہ سوچ کر وضو اور نماز پڑھ کر دعا مانگی اے اللہ! آپ جانتے ہیں کہ میں دنیا کے واسطے کچھ نہیں طلب کرتا۔ صرف اپنی نیک بی بی کی رضامندی کے لیے مانگتا ہوں۔ اے اللہ! تو مجھے اپنے پاس سے رزق عطا فرما، تو ہی سب سے اچھا رازق ہے۔ اسی وقت آسمان سے ایک موتی گر پڑا۔ فقیر موتی لے کر اپنی بی بی کے پاس گئے۔ جب انھوں نے اسے دیکھا تو وہ ڈر گئیں اور کہا یہ موتی تم کہاں سے لائے ہو۔ ایسا قیمتی موتی تو میں نے اپنے باپ کے پاس بھی نہیں دیکھا۔ درویش نے کہا آج میں نے رزق کے واسطے محنت کی لیکن کہیں کچھ نہ ملا تو میں نے سوچا میری نیک بی بی

افطار کے لیے گھر میں میرا انتظار کر رہی ہوگی۔ میں خالی ہاتھ کیسے جاؤں۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو حق تعالیٰ نے یہ موتی عنایت فرمایا اور آسمان سے نازل فرمایا۔ شہزادی نے کہا اسی جگہ جاؤ جہاں تم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی اور اس سے گریہ وزاری کے ساتھ دعا کرو اور کہو اے اللہ! اے میرے مالک! اے میرے مولا! اگر یہ موتی تو نے ہمیں دنیا میں روزی کے طور پر عطا فرمایا ہے تو اس میں ہمیں برکت دے۔ اور اگر ہمارے آخرت کے ذخیرے میں سے عطا فرمایا ہے تو اسے واپس لے لے۔ درویش نے ایسا ہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے موتی واپس لے لیا۔ فقیر نے واپس آ کر اس کے واپس لینے کی حقیقت سے شہزادی کو آگاہ کر دیا تو شہزادی نے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا اور کہا اے اللہ! تو بڑا رحیم اور کریم ہے۔

۲۱۸۔ قربُ و معرفت کا لباس

حضرت مرتعش رحمۃ اللہ علیہ ایک روز بغداد کے کسی محلہ میں سے گزر رہے تھے کہ انھیں پیاس محسوس ہوئی۔ ایک مکان کے دروازے پر دستک دی اور پانی مانگا۔ تھوڑی دیر بعد ایک عورت پانی کا برتن لے کر آئی۔ انھوں نے پانی پیا اور جب پانی پلانے والی کی طرف دیکھا تو اس کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گئے اور دروازے پر دھرنا مار کر بیٹھ گئے۔ چند لمحوں کے بعد مالک مکان باہر نکلا تو حضرت مرتعش نے کہا اے خواجہ! میں پانی کا ایک گھونٹ پینے کے لیے یہاں آیا تھا اور تمھارے گھر سے جو عورت پانی پلانے کے لیے آئی، میرا دل لے گئی ہے۔ مالک مکان نے کہا وہ میری بیٹی ہے اور میں نے اسے تمھارے نکاح میں دے دیا۔

حضرت مرتعش دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر گھر کے اندر گئے اور لڑکی سے نکاح کر لیا۔ لڑکی کا باپ بیحد و حساب امیر تھا وہ انھیں حمام میں لے گیا پھر گدڑی اتروائی اور عمدہ لباس پہنا دیا۔ رات ہوئی اور حضرت مرتعش نماز پڑھنے کے بعد تنہائی میں ورد کرنے لگے تو انھوں نے آواز دی کہ میری گدڑی لائی جائے۔ گھر والوں نے پوچھا کیا بات ہو گئی ہے؟ حضرت مرتعش نے کہا کہ غیب سے ندا آئی ہے کہ اے مرتعش! تم نے ایک نظر ہمارے غیر پر ڈالی ہے اور ہم نے اس کی سزا کے طور پر تم سے صلاحیت کا لباس اور تمھارے ظاہر سے گدڑی اتار لی ہے اب اگر تم دوسری مرتبہ ہمارے غیر پر نظر ڈالو گے تو ہم تمھارے باطن سے اس قرب و معرفت کا لباس بھی اتار لیں گے جس کے پہننے سے اللہ کی رضا اور اس کے

محبوبوں اور اولیائے کرام کی تائید حاصل ہوتی ہے اور اس پر برقرار رہنا مبارک ہوتا ہے۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس میں زندگی بسر کر سکتے ہو تو کرو اور اگر ایسا نہیں کر سکتے تو اولیائے کرام کے لباس میں خیانت نہیں کرنی چاہیئے۔

۲۱۹۔ اللہ کے ولی راہِ حق سے آگاہ کرتے ہیں

حضرت شیخ ابو عبداللہ قریشی سے روایت ہے کہ انھوں نے شیخ ابو یزید قرطبی سے سنا۔ جب ابو عبداللہ قریشی نے شیخ سے ان کی ابتدائی حالت دریافت کی تا کہ ان سے کچھ فیض حاصل کر سکیں۔ شیخ نے فرمایا اے بیٹے! یہ ایک نئی بات ہے۔ مجھے اس طریق میں ایک اضطراب کی چیز نے داخل کیا ہے۔ میں تاجر تھا اور عطاروں میں میری دکان تھی۔ میں وہی چیز فروخت کرتا تھا جو بہت گراں اور نایاب ہوتی تھی۔ میرا لباس ایسا ہی نادر ہوا کرتا تھا۔ ایک دن جامع مسجد میں گیا تاکہ صبح کی قضا نماز ادا کروں۔ جب نماز پوری کر چکا تو میں نے ایک بڑا حلقہ دیکھا۔ میں اس طرف گیا۔ ان دنوں مجھے صالحین کی کوئی خبر نہ تھی۔ میں صرف اسی قدر جانتا تھا کہ صالحین پہاڑوں اور جنگلوں میں رہتے ہیں۔ جب میں اس حلقے کے قریب پہنچا تو ایک بزرگ صلحاء کی حکایتیں اور ان کے مجاہدات پڑھ کر سنا رہے تھے۔ میں نے آہستہ سے کہا ایسی باتوں سے بھی کتابیں لکھی جاتی ہیں۔ ایک بزرگ نے میری طرف دیکھ کر کہا، پھر کن باتوں سے کتابیں لکھی جائیں۔ میں نے کہا جو حکایات پڑھ کر سنائی گئی ہیں مجھے جھوٹ معلوم ہوتی ہیں۔ ایک شخص سال بھر تک پانی نہ پیئے اور پھر بھی زندہ رہے۔ اس بزرگ نے کہا ان حکایات سے انکار نہ کرو۔ میں اس بزرگ سے سوال و جواب میں الجھا ہوا تھا کہ اتنے میں حلقے میں سے ایک شخص اٹھا جو بہت دبلا پتلا تھا، اور کہا تمھیں صالحین کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے شرم نہیں آتی؟ میں نے کہا صالحین کہاں ہیں؟ وہ خاموش رہا اور میں اپنی دکان پر چلا آیا اور لوگوں کی باتوں پر تعجب کرنے لگا۔ ظہر کے وقت میں اپنی دکان پر بیٹھا خرید و فروخت میں مصروف تھا کہ ناگاہ اس لاغر شخص کو دیکھا جو میری دکان کے سامنے سے گزر گیا اور اس نے مجھے نہ دیکھا۔ پھر لوٹ کر آیا اور مجھے دیکھ کر سلام کیا اور پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ میں نے کہا میرا نام عبدالرحمٰن ہے۔ اس شخص نے دریافت کیا، مجھے پہچان لیا؟ میں نے کہا ہاں آپ کو مسجد میں دیکھا تھا اور آپ سے گفتگو کی تھی۔ اس شخص نے دریافت کیا، کیا تم ابھی تک اسی عقیدے پر ہو توبہ نہیں کی؟ میں نے کہا میرا کوئی ایسا عقیدہ تو

نہیں ہے جس سے توبہ کرنا ضروری ہو۔ وہ شخص میری دکان کے آگے پتھر سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے اور کہا ابو یزید! تم صالحین کے عمل کی نسبت کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا وہ صالح کہاں ہیں؟ اس نے کہا یہیں بازار میں پھرتے ہیں، وہ اگر پتھر کی طرف اشارہ کر دیں تو پتھر ان کے ساتھ ہو جائے۔ پھر اس شخص نے ایک پتھر کی طرف اشارہ کیا جو دکان کے اندر تھا اس میں دو سوراخ ہوئے اور اس میں سے لوگوں کی مرہونہ چیزیں نکل کر باہر آگئیں۔ میں نے جلدی سے انھیں پکڑا اور دوبارہ انھیں احتیاط سے رکھ کر پوچھا کیا آدمی کو ایسی قدرت مل جاتی ہے؟ اس شخص نے کہا انسان کی قدرت کے مقابل یہ کیا چیز ہے۔ میں نے کہا اس کے سوائے اور کسی چیز میں آدمی تصرف کر سکتا ہے؟ اس شخص نے کہا اگر دکان سے کہہ دے کہ اپنی جگہ سے اکھڑ جا تو اسی وقت اکھڑ جائے گی۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ دکان نے حرکت کی اور اس کی ہر چیز ہل گئی حتیٰ کہ مجھے خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں دکان مجھ پر نہ آگرے۔ میں حیران تھا کہ وہ شخص مجھے اسی عالم میں چھوڑ کر چلا گیا۔ میں نے دل میں سوچا کہ مجھ جیسا شخص اگر اپنی ساری عمر دکان میں صرف کر دے تو ایسے لوگوں سے ملاقات کیونکر نصیب ہو۔

جب دوسرا دن ہوا تو پھر میں حلقے میں گیا تا کہ صالحین کی باتیں دوبارہ سنوں۔ جب میں نے دوسرے دن صالحین کا وعظ سنا تو مجھ میں اتنی بھی وسعت نہ رہی کہ دکان تک جاؤں۔ میں اپنے ماموں کے پاس گیا اور دکان کی چابیاں ان کے حوالے کیں۔ ماموں نے دریافت کیا کہاں جاتے ہو؟ میں نے کہا کہیں نہیں۔ اپنے ارادے سے انھیں آگاہ کیا اور پھر دکان پر نہیں گیا اور اس راستے پر چل پڑا جو اللہ تعالیٰ نے صالحین کے لیے مقرر کیا ہے۔

۲۲۰۔ کلامِ الٰہی کے اثر سے تقدیر بدل گئی

محمد بن سماک فرماتے ہیں کہ عہد بنی امیہ میں موسیٰ بن محمد بن سلیمان ہاشمی بہت عیاش اور بے فکر انسان تھا۔ دن رات کھانے پینے اور کنیزوں میں گھرے رہنے کے علاوہ اسے اور کوئی کام نہ تھا اللہ تعالیٰ نے اسے حسنِ صورت کے ساتھ ہر طرح کی دنیاوی نعمتوں سے بھی نوازا تھا۔ سال بھر میں تین لاکھ دینار کی آمدنی ہوتی تھی اور وہ اس دولت کو عیش و عشرت میں لٹا دیتا تھا۔ اس نے اپنے رہنے کے لیے ایک شاندار محل بنوایا تھا اس محل کے دونوں طرف کھڑکیاں تھیں۔ ایک طرف کی کھڑکیاں شارع عام کی طرف

کھلتی تھیں اور وہ شام کے وقت ان کھڑکیوں سے شارع عام پر آنے جانے والوں کو دیکھتا اور سیر کرتا رہتا محل کے دوسری طرف جو کھڑکیاں تھیں وہ باغ کی طرف کھلتی تھیں۔ جس وقت سیر گلستان کی خواہش ہوتی وہ ان کھڑکیوں کو کھول کر باغ کی سیر کرتا۔

ہاشمی نوجوان عموماً نہایت قیمتی لباس زیب تن کرتا اور محل کے اندر چاندی سونے سے مرصع ہاتھی دانت کے ایک تخت پر بیٹھتا تھا اور ہر وقت اس کے اطراف دوستوں، نوکروں اور غلاموں کا ہجوم رہتا۔ محل میں جس جگہ پر ہاشمی نوجوان کی محفل منعقد ہوتی تھی اس کے ساتھ ہی گانے ناچنے والیوں کے لیے جگہ بنائی گئی تھی۔ اس نوجوان اور گانے ناچنے والیوں کے درمیان صرف ایک پردہ حائل تھا جب نوجوان کا دل گانا سننے کو چاہتا تو وہ پردہ ہلا دیتا۔ وہ گانا شروع کر دیتیں اور جب دل بھر جاتا تو وہ پردے کی طرف اشارہ کر دیتا۔ وہ گانا بند کر دیتیں۔ غرض اسی طرح رات گزر جاتی۔ رات کو جب اس کے دوست احباب اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے تو وہ بھی خلوت گاہ میں چلا جاتا اور حسینوں میں رات بسر کر دیتا۔ غرض کہ اس نوجوان کی محفل میں کوئی شخص بیماری، موت یا غم وملال کا ذکر نہ کرتا تھا۔ ہر وقت عجیب و غریب حکایات اور کہانیاں سنتا رہتا۔ ہر وقت محفل میں قہقہے گونجتے رہتے۔ اسی طرح اس نوجوان کی زندگی کے ۲۷ برس گزر گئے۔

ایک رات حسبِ معمول وہ نوجوان لہو ولعب میں مشغول تھا کہ ایک نہایت دردناک آواز اس کو سنائی دی جیسے کوئی انتہائی درد میں ڈوبا ہوا کلام پڑھ رہا ہو۔ اس آواز کے سننے سے اس کے دل پر چوٹ لگی اور وہ عیش وعشرت چھوڑ کر اس آواز کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو گیا۔ مطربوں کو حکم دیا کہ گانا بند کر دیا جائے محل کی کھڑکیوں سے اس نے جھانک کر دیکھنے کی کوشش کی کہ کون شخص ہے جو اتنی رات گئے دردناک آواز میں کچھ پڑھ رہا ہے لیکن اسے کوئی شخص نظر نہ آیا۔ اس نے نوکروں کو آواز دی کہ اس شخص کو تلاش کر کے لے آؤ جس کی دردناک آواز نے ہمیں بے چین کر دیا ہے۔ غلام اس شخص کی تلاش میں نکلے اور اس شخص تک پہنچے جو مسجد میں کھڑا ہوا اپنے پروردگار عالم کے سامنے مناجات کر رہا تھا۔ وہ نوجوان نہایت دُبلا پتلا تھا اس کی گردن بالکل سوکھ گئی تھی۔ رنگ زرد پڑ گیا تھا۔ بال پریشان تھے۔ دو پھٹی پرانی چادروں سے اس نے اپنے جسم کو چھپایا ہوا تھا۔ ہاشمی نوجوان کے غلام اس شخص کو لے جا کر اپنے آقا کے سامنے حاضر ہوئے۔ ہاشمی نے پوچھا یہ کون ہے؟ غلاموں نے عرض کیا سرکار! یہی وہ شخص ہے جس کی آواز نے آپ کو

بے چین کر دیا۔ ہاشمی نے پوچھا یہ شخص کہاں تھا اور کیا کر رہا تھا؟ غلاموں نے کہا یہ مسجد میں کھڑا قرآن کریم پڑھ رہا تھا۔ ہاشمی نوجوان نے کہا ذرا ہم کو بھی سناؤ۔ اس نے بسم اللہ پڑھ کر قرآن کریم پڑھنا شروع کیا۔ (ترجمہ: بے شک نیک بندے آرام میں ہوں گے، تختوں پر بیٹھے سیر کر رہے ہوں گے۔ ان کے چہروں پر نعمت کی تازگی ہو گی اور اس میں تسنیم کی حلاوت ہو گی۔ وہ ایک چشمہ ہے جس میں سے مقرب بندے پیتے ہیں) یہ آیت پڑھ کر اور ترجمہ سنا کر اس نے کہا اے ہاشمی نوجوان! تم کس دھوکے میں پڑے ہو۔ وہاں کی نعمتوں کا ان نعمتوں سے کیا مقابلہ؟ تیرا یہ محل یہ مجلس، یہ عیش و عشرت ان نعمتوں کے آگے سب بیکار ہے۔ وہاں مرصع تخت ہوں گے، ان پر پُر تکلف بستر ہونگے۔ اور قیمتی تکیوں کا سہارا لیے جنتی لوگ بیٹھے ہوں گے۔ وہاں ہر طرح کے میوے ہونگے جو کبھی ختم نہ ہونگے۔ حور، غلام ان کی خدمت کریں گے اور وہ لوگ جو دنیا میں عیش و عشرت کے خواہاں ہونگے ان کے لیے آگ کا گھر ہو گا جس میں وہ سدا رہیں گے اور عذاب کبھی ان پر کم نہ ہونگے۔

جب ہاشمی نوجوان نے یہ سنا تو اس نوجوان سے لپٹ کر رونے لگا۔ اور اپنے سب دوست احباب سے کہا کہ تم سب یہاں سے چلے جاؤ اور خود اس جوان کو لے کر محل میں گیا اور اپنی بیتی ہوئی زندگی کا افسوس کرنے لگا۔ اس نوجوان کی تھوڑی دیر کی صحبت نے ہاشمی نوجوان کی کایا پلٹ دی اور اس نے اپنا تمام مال و دولت راہ خدا میں خیرات کر دیا۔ تمام نوکر، غلام آزاد کر دیے اور خود موٹے کپڑے پہن کر اپنے گناہوں کی تلافی کے لیے دن رات عبادت اور ریاضت میں مشغول رہنے لگا۔ بڑے بڑے صلحاء اس ہاشمی نوجوان کی زیارت کو آتے۔ آخر کچھ عرصہ بعد وہ ہاشمی نوجوان پا پیادہ حج کے لیے گیا۔ حج کیا اور اقامت گزین ہوا۔ مکے میں قیام کے دوران اس نوجوان کی حالت یہ تھی کہ رات کو حجر اسود کے پاس جا کر روتا اور گڑ گڑاتا اور افعال یاد کر کے روتا رہتا اور کہتا اے میرے پروردگار! اے میرے مولا! میں کس طرح تجھے منہ دکھاؤں گا، اے میرے مولا! مجھے اپنے فضل و کرم کے صدقے بخش دے۔ کچھ عرصہ بعد ہاشمی نوجوان مکے ہی میں انتقال کر گیا۔

۲۲۱۔ سخاوت کی ترغیب

حمزہ حضرت ابو سعید ابوالخیر کا مرید تھا آپ کی مجالس میں حاضر رہتا۔ ایک دن شیخ کی مجلس میں آ رہا

تھا۔ اس کے پاس سونے کی تھیلی تھی۔ خیال آیا کہ اگر یہ سونا ساتھ لے گیا اور شیخ نے فرمایا کہ یہ سونا فلاں سائل کو دے دو تو انکار نہ کر سکوں گا۔ چنانچہ ایک شکستہ دیوار کے نیچے چھپا دیا۔ حضرت آدھا وعظ فرما چکے تھے کہ حمزہ کو مخاطب کر کے فرمایا، حمزہ اٹھو! جس دیوار کے نیچے سونا چھپا کر آئے تھے اسے چور لیے جا رہا ہے حمزہ دوڑا گیا تو دیکھا کہ ایک چور دیوار کے قریب پہنچ چکا ہے۔ چنانچہ سونا لا کر حضرت کی خدمت میں پیش کر دیا۔

۲۲۲۔ کرامت کی اصلیت

حضرت ابوالحسن نوری نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں نے دریائے دجلہ میں مچھلی پکڑنے کے لیے جال ڈال دیا اور اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ جب تک اس جال میں مچھلی نہیں پھنسے گی میں یونہی کھڑا رہوں گا ابھی میں نے اپنے الفاظ بھی مکمل نہیں کیے تھے کہ مچھلی جال میں پھنس گئی۔ چنانچہ میں نے اس واقعہ کا ذکر جب حضرت جنید سے کیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم مچھلی کی بجائے سانپ کا شکار کرتے تو یقیناً کرامت ہوتی لیکن ابھی چونکہ تم درمیانی منزل میں ہو اس لیے تمہارے اس واقعہ کو تمہاری کرامت سے نہیں بلکہ فریب سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

۲۲۳۔ غلط نظر سے کسی کو دیکھنے کی ممانعت

حضرت ابوعلی دقاق کا واقعہ ہے کہ حضرت شیخ ابوالقاسم قشیری نے آپ کے انتقال کے بعد آپ کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ میرے تمام گناہ معاف کر کے اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت فرما دی ہے البتہ مجھ سے ایک گناہ ایسا سرزد ہوا تھا کہ اس کا اقرار کرتے ہوئے مجھے خاصی ندامت محسوس ہوئی جس کی وجہ سے میں پسینے میں شرابور ہو گیا۔ اور چہرے پر زردی پھیل گئی۔ میرا وہ گناہ یہ تھا کہ میں نے اپنی نوعمری میں ایک لڑکے کو غلط نگاہ سے دیکھا تھا۔

۲۲۴۔ ضد کا انجام

حضرت شیخ ابو سعید فرماتے ہیں کہ ہمارے گاؤں میں ایک شخص رہتا تھا۔ ایک شخص نے اس کا گھوڑا مار دیا۔ اس نے کہا آپ مجھ سے گھوڑے کا ہرجانہ اور تاوان لے لیں۔ اس نے کہا مجھے تاوان کی ضرورت نہیں اپنا گھوڑا ہی لینا ہے۔ چنانچہ لڑائی جھگڑا شروع ہو گیا۔ یہ جھگڑا دونوں کے قبیلوں میں لڑائی کی شکل اختیار کر گیا۔ کئی آدمی قتل ہو گئے۔ عورتیں بیوہ ہو گئیں، بچے یتیم ہو گئے، گھر ویران ہو گئے اور یہ سارا معاملہ ایک شخص کی ضد سے ہوا۔

۲۲۵۔ اللہ کی رحمت کا واقعہ

حضرت شیخ ابوالعباس بن غریف سے روایت ہے کہ میں ایک دن صبح اٹھا تو طبیعت نہایت نڈھال تھی۔ اپنے ایک مصاحب ابو محمد طرابلسی سے میں نے کہا اے ابو محمد! آج میرا دل پریشان ہے۔ تم کوئی ایسی حکایت سناؤ جس سے قلب مضطرب کی اصلاح ہو سکے۔ انھوں نے کہا ایک دن میں افریقہ میں تھا۔ ذی الحجہ کا مہینا تھا۔ میں نے دیکھا کہ تین اشخاص میرے سر پر کھڑے ہیں۔ انھوں نے کہا اے ابو محمد! حج کو چلتے ہو؟ میں نے کہا جیسے آپ حضرات کی مرضی۔ چنانچہ ان میں سے ایک شخص میرے آگے ہو گئے اور دوسرے پیچھے چلنے لگے۔ جب رات ہوتی تو ان میں سے ایک شخص ایک طرف جاتے اور کیلے لے آتے اور فرماتے کہ اس مقام پر ایک بڑھیا نے مجھے دیے ہیں۔ تین دن کے بعد ناگاہ ان میں سے ایک نے مجھ سے آ کر کہا اے ابو محمد! خوش ہو جاؤ یہ تہامہ کے پہاڑ ہیں۔ میں نے ان کے ساتھ حج کیا اور ان کی صحبت میں رہا۔ جب لوٹنے کا وقت آیا تو مجھ سے کہا تم اللہ کی امان میں رہو ہم چلتے ہیں۔ میں نے کہا آپ لوگ اپنی جدائی کا رنج دینا چاہتے ہیں۔ انھوں نے کہا یہ مجبوری ہے۔ پھر وہ لوگ چلے گئے میں نے جنگل کا راستہ لیا۔ جب مجھے جنگل میں وضو یا پینے کے پانی کی ضرورت ہوتی تو کہتا قسم ہے رب العزت کی، میں جب تک پانی نہ پی لوں اور وضو نہ کر لوں یہاں سے آگے نہ بڑھوں گا۔ اسی وقت ایک ابر آتا اور اتنا برستا کہ اس کا پانی جمع ہو کر ایک تالاب بن جاتا اور میں وضو کر لیتا، پانی پیتا اور پھر آگے بڑھتا۔ ابوالعباس نے یہ حکایت سنی تو فرمایا اس حکایت کو میں مرتے دم تک نہیں بھولوں گا۔

۲۲۶۔ گرجے کی تصویریں گر گئیں

ایک روز حضرت خیر نساج کے چند مرید ایک گرجا گھر دیکھنے کے لیے گئے۔ جب وہاں سے لوٹے تو حضرت نے پوچھا کہ گرجا میں کیا دیکھا؟ وہ بولے حضرت! وہاں کیا دیکھا جا سکتا تھا۔ فرمایا آؤ میرے ساتھ آؤ۔ حضرت انھیں لے کر گرجا پہنچے۔ دیکھا کہ حضرت عیسیٰؑ و حضرت مریمؑ کی تصویریں دیواروں سے لٹک رہی ہیں اور ان کی پرستش کرتے ہیں۔ حضرت نے ایک تصویر سے کہا کیا تو ہی ہے جس نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو سوائے اللہ تعالیٰ کے دو خدا سمجھو۔ اتنا کہنا تھا کہ دونوں تصویریں نیچے گر پڑیں اور گرجا میں یہ آواز گونج گئی۔ "بخدا نہیں! بخدا نہیں!"

۲۲۷۔ توکّل سے متأثر ہو کر قبولِ اسلام کا واقعہ

حضرت محمد یعقوب خراسانی سے روایت ہے کہ میں اپنے شہر سے سیاحت کے ارادے سے نکلا اور بیت المقدس جا پہنچا اور بنی اسرائیل کے ایک غار میں بہت دنوں تک عبادت میں مشغول رہا۔ اس عرصہ میں نہ کچھ کھایا نہ پیا یہاں تک کہ موت کے قریب پہنچ گیا۔ اسی حالت میں میں نے دو راہبوں کو سیر کرتے دیکھا۔ ان کے بال پریشاں اور گرد آلود تھے۔ میں ان کے پاس گیا انھیں سلام کیا اور پوچھا کہ تم کہاں جا رہے ہو؟ انھوں نے کہا ہمیں معلوم نہیں۔ میں نے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ تم کہاں ہو؟ انھوں نے کہا ہاں ہم اللہ کے ملک میں اس کے سامنے ہیں۔ میں اپنے نفس کی طرف متوجہ ہوا اور اسے ملامت کرنے لگا۔ اور کہا کہ یہ دونوں راہب باوجود غیر مسلم ہونے کے توکل پر قائم ہیں اور تو مسلمان ہوتے ہوئے توکل پر قائم نہیں رہ سکتا۔ پھر میں نے ان سے کہا کیا تم مجھے اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دے سکتے ہو؟ انھوں نے کہا بہتر ہے۔ چنانچہ ہم تینوں چلے۔ جب شام ہوئی تو وہ دونوں راہب اپنے معبود کی عبادت کرنے لگے اور میں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے تیمم کیا۔ وہ مجھے مٹی سے تیمم کرتے دیکھ کر مسکرائے جب اپنی نماز پڑھ چکے تو ان میں سے ایک نے اپنے ہاتھ سے زمین کھودی اور موتی کی طرح چمکتا ہوا صاف شفاف پانی وہاں سے نکلا۔ میں حیران رہ گیا۔ اور پھر دیکھا تو ان کے دائیں جانب کھانا تیار رکھا ہوا تھا۔ اس سے اور تعجب ہوا۔ انھوں نے مجھ سے کہا تجھے کیا ہوا ہے جو حیران ہے آگے بڑھو

اور اسے کھاؤ جو حلال روزی ہے اور یہ ٹھنڈا پانی پی او اللہ کریم کی عبادت کر۔ میں آگے بڑھا اور سب نے مل کر کھانا کھایا اور پانی پیا۔ پھر نماز کے واسطے میں نے وضو کیا اور نماز ادا کی۔

صبح ہوئی اور ہم تینوں سفر کے لیے تیار ہوئے اور شام تک چلتے رہے۔ جب شام ہوئی تو ایک جگہ ٹھہرے۔ ایک راہب نے ہم سے فرادور نماز پڑھ کے چپکے سے دعا کی اور پھر اپنے ہاتھ سے زمین کھودی تو پانی کا چشمہ ویسا ہی نکل آیا جیسے کل اس کے ساتھی نے کھودا تھا اور اس کے پہلو میں کھانا بھی رکھا تھا۔ اس راہب نے مجھ سے کہا آگے بڑھ کر کچھ کھاؤ پیو اور اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔ چنانچہ ہم نے کھا پی کے نماز کے واسطے وضو کیا اور بعد ازاں دیکھا تو پانی زمین میں اس طرح چلا گیا تھا جیسے یہاں تھا ہی نہیں۔ جب تیسری شب آئی تو انھوں نے کہا اے محمدی! یہ رات تیری ہے اور آج تیری باری ہے۔

حضرت فرماتے ہیں کہ مجھے ان کے اس سوال سے بہت شرم آئی اور دل پہ ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔ میں نے ان سے کہا انشاء اللہ اچھا ہی ہوگا۔ پھر ان سے ہٹ کر ایک طرف گیا اور دو رکعت نماز پڑھی اور کہا اے میرے مولا، اے میرے مالک! تو جانتا ہے کہ میرے گناہ بہت ہیں جس کی وجہ سے تیرے نزدیک میرا رتبہ اور مرتبہ کچھ بھی نہیں ہے۔ نہ میرا منہ اس قابل ہے لیکن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے مانگتا ہوں کہ مجھے ان لوگوں کے سامنے شرمندہ نہ کیا جائے۔ جب میں دعا سے فارغ ہوا تو میں نے دیکھا کہ ایک چشمہ جاری ہے اور میرے پہلو میں کھانا رکھا ہوا ہے۔ میں نے ان سے کہا آگے بڑھو اور کھانا کھاؤ۔ چنانچہ وہ آگے بڑھے اور ہم تینوں نے کھانا کھایا، پانی پیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اسی حالت میں جب میری دوسری باری آئی، پھر میں نے پہلے ہی کی طرح اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے چشمہ جاری ہوا اور کھانا بھی مہیا ہوا۔ جب تیسری باری آئی اور میں نے اسی طرح دعا کی تو دو آدمیوں کا کھانا میسر ہوا۔ میرا دل ٹوٹ گیا۔ انھوں نے کہا اے محمدی! یہ حادثہ کیونکر ہوا۔ تم اپنے کھانے اور پانی میں کمی نہیں دیکھتے ہو؟ میں نے کہا مجھے معلوم نہیں یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور ہم اس کے حکم اور ارادے کے آگے سر تسلیم خم کرنے پہ مجبور ہیں۔ ہمارا دین یہ چاہتا ہے کہ کبھی تکلیف ہو، کبھی راحت، کبھی سختی ہو کبھی آرام۔ تاکہ ہمارے صبر کی آزمائش ہو جائے۔ انھوں نے کہا اے محمدی تم نے سچ کہا۔ وہ بڑا رب ہے اور تمھارا دین اچھا ہے۔ اپنا ہاتھ بڑھاؤ تاکہ کلمہ شہادت پڑھیں۔ ان دونوں راہبوں نے کلمہ شہادت پڑھا اور کہا دین اسلام حق ہے اور اس کے سوائے سب باطل ہے۔

میں نے ان سے کہا اے بھائیو! کیا تم کسی شہر میں چلو گے تاکہ جمعہ کے اجتماع میں شریک ہوں کیونکہ جمعہ حج مساکین ہے۔ انھوں نے مجھ سے کہا یہ اچھی رائے ہے اور اچھا فعل ہے۔ جب ہم اس ارادے سے چلے تو سامنے ایک عمارت نظر آئی، اندھیری رات تھی، غور سے دیکھا تو ہم بیت المقدس میں تھے۔ ہم اس میں داخل ہوگئے اور ایک عرصہ تک اس میں رہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہے۔ ہمارا رزق ایسی جگہ سے ہمیں ملتا تھا جس کا گمان بھی نہ ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ میرے دونوں ساتھی رحلت کر گئے۔

۲۲۸۔ بحالی کرامت کے لیے ترکِ دُنیا

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ہم چند فقراء کی ایک جماعت تھی ہم جس وقت چاہتے تھے چلتے تھے اور جہاں چاہتے تھے پہنچ جاتے تھے۔ ایک دن میں نے اپنی اولاد کے واسطے ایک مکان خریدا اور اس کا بیع نامہ میں نے حاصل کیا۔ میرے دوستوں نے مجھے پیغام بھیجا کہ ہم فلاں مقام پر ہیں ہم سے آملو میں اپنے اس حال کی طرف رجوع ہوا جس کے سبب دور دور کی مسافت تھوڑے عرصہ میں طے کرتا تھا لیکن وہ کیفیت مجھ میں نہ رہی۔ میں نے اپنے ساتھیوں کے پاس آدمی کے ذریعہ کہلا بھیجا کہ وہ پر جن پر میں اڑتا تھا میرے پاس نہ رہے وہ کٹ گئے ہیں۔ ساتھیوں نے کہلا بھیجا کہ دنیا داری کی وجہ سے یہ نقصان تمھیں پہنچا ہے تم دنیا داری کو چھوڑ دو۔ چنانچہ میں نے اسی وقت بیع نامہ پھاڑ کر پھینک دیا اور میری حالت بھی پہلی جیسی ہوگئی اور پل جھپکتے میں اپنے ساتھیوں سے جا ملا۔

۲۲۹۔ دُنیا کے تاج و تخت کی قیمت

ایک بادشاہ کو ریاح خارج نہ ہونے کے باعث سخت تکلیف رہتی تھی اور شکم میں ہمیشہ اپھارہ رہتا تھا ہر چند شاہی طبیبوں نے علاج معالجہ میں بہت کوشش کی لیکن بجائے تخفیف کے مرض تقویت ہی پکڑتا گیا۔ آخر کار اطبائے دربار سے مایوس ہو کر ایک گرانقدر انعام اس مرض کے دفعیہ کے واسطے عوام میں مشتہر کر دیا۔ رعیت کے طبیبوں نے بہت کچھ اپنی اپنی حکمت آزمائی کی، لیکن سب بے سُود۔ جوں جوں مرض بڑھتا جاتا تھا موعودہ و مشتہرہ رقمِ انعام بھی بڑھتی جاتی تھی، انعام کی یہ مقدار نصف سلطنت تک مقرر کر دی گئی لیکن پھر بھی اس انعام کے حاصل کرنے میں

کوئی شخص کامیاب نہ ہو سکا۔ ایک خدا رسیدہ فقیر کو بھی یہ حال معلوم ہوا تو اس نے بادشاہ کو کہلا بھیجا کہ اگر پوری سلطنت دے دے تو میں علاج کرنے کو تیار ہوں۔ بادشاہ نے ایسے تکلیف دہ مرض کی موجودگی میں بادشاہت کے مقابلہ میں بحالتِ صحت محنت مزدوری کرنے کو بدرجہا ترجیح دی اور پوری سلطنت دینے پر رضامند ہو گیا۔ فقیر نے دعا کی اور بظاہر کوئی دوا بھی دے دی۔ بادشاہ کو ریاح خارج ہونے سے شفائے مطلق حاصل ہو گئی اور اس موذی مرض سے کلّی طور پر نجات پالی تو حسبِ وعدہ فقیر کو تاج و تخت سنبھالنے کے واسطے بلایا۔ فقیر نے جواب میں کہلا بھیجا کہ اے بادشاہ تاج و تخت تجھی کو مبارک ہو۔ میں ایسی بے حقیقت اور ناکارآمد چیز کو لینا نہیں چاہتا کہ جس کی قیمت صرف ہوائے شکم کا خارج ہونا ہے۔ (افضل الاخلاق)

۲۳۰۔ اللہ کی عطا سے دولتمندی آتی ہے

حضرت سلیمان علیہ السلام ایک شہر میں پہنچے۔ دیکھا کہ ایک بڈھا ضعیف لکڑیوں کا گٹھا سر پہ رکھے چلا آتا ہے۔ اس کے حال پر رحم آیا اور نام دریافت فرمایا، کہا سلیمان۔ حضرت کو خیال آیا کہ سبحان اللہ ایک میں سلیمانؑ ہوں کہ تمام ملک زیرنگیں ہے اور ایک یہ سلیمان ہے کہ پیری میں ایسی سخت مصیبت جھیلتا ہے۔ فوراً اپنے تاج سے ایک لعل اس کے حوالے کیا اور کہا کہ یہ تجھے بلکہ تیری اولاد کو بھی کفایت کرے گا۔ مناسب ہے کہ آئندہ اس محنت کو چھوڑ دے اور آرام سے بسر کر۔ بڈھے نے لکڑیوں کا بار سر سے پھینک دیا اور لعل لے کر شاد و خرم گھر کو چلا۔ بار بار لعل کو دیکھتا اور حیران ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے کیا قدر و قیمت اس سنگریزہ کو عطا کی ہے۔ یکایک ایک چیل نے اس کو گوشت سمجھ کر جھپٹا مارا اور صاف لے اڑی۔ بڈھا بیچارہ ہاتھ ملتا رہ گیا۔ اب یہ فکر پڑی کہ آج زن و فرزند کو کیا کھلاؤں گا۔ چلو پھر اپنا گٹھا لاؤ اور بیچ کھوچ کر پیٹ پالو۔ وہاں جا کر دیکھا تو گٹھا بھی کوئی اٹھا لے گیا تھا۔ ناچار شرم کے مارے رات جنگل ہی میں کاٹی۔ صبحدم پھر لکڑیاں چننے لگا کہ اتنے میں حضرت سلیمانؑ کی سواری آئی۔ سوچے کہ یہ حریص بڈھا اب بھی اپنی معمولی مشقت میں مصروف ہے۔ دریافت کیا تو اس نے قصہ سنایا۔ حضرت کو پھر رحم آیا اور دوسرا لعل عنایت کیا۔

آج بڈھے نے نہایت احتیاط سے مٹھی بند کر کے گھر کی راہ لی۔ راستہ میں ایک ندی تھی۔

جب منجدھار میں پہنچا تو پاؤں اکھڑ گئے۔ دوچار ایسی ڈبکیاں کھائیں کہ ڈوبتے بچا اور لعل ہاتھ سے نکل گیا۔ پھر حسرت و افسوس کے ساتھ واپس گیا اور لکڑیاں چننے لگا۔ حضرت سلیمانؑ کے لشکر کا گزر ہوا تو پھر دیکھا کہ وہی بدقسمت بڈھا لکڑیوں کا پشتارہ باندھے چلا جاتا ہے۔ پھر طلب فرمایا، اور حال پوچھا۔ اس نے کیفیتِ واقعہ عرض کی اور کہا کہ آج تیسرا دن ہے نہ جانے زن و فرزند پر کیا گزری ہو گی۔ حضرت کو بہت ہی رحم آیا اور تیسرا لعل جو نہایت ہی گراں تھا اس کو دے دیا۔ اب کی دفعہ خوب کس کر پگڑی میں باندھا۔ تھوڑی دور چلا تھا کہ ایک سوار نمودار ہوا۔ اس نے تاڑ لیا کہ اس بڈھے کی پگڑی میں لعل چمکتا ہے گھوڑا دوڑا کر قریب آیا اور پگڑی اُچک کر، یہ جا وہ جا جھٹ نظروں سے غائب ہو گیا۔ بڈھا روتا پیٹتا حضرت سلیمانؑ کے پاس حاضر ہوا اور کہا اے پیغمبر خدا! آپ نے خوب میری راہ کھوٹی کی۔ خدا نے جو کچھ میرے نصیب میں لکھا تھا میں اسی پر راضی تھا آپ نے چاہا کہ مجھے فقر سے نجات ہو۔ سو یہ بات خدا کو منظور نہ تھی۔ آپ کے چاہنے سے میں امیر تو نہ بنا البتہ اس کے عوض میں مجھے اور میرے بال بچوں کو تین دن فاقہ کشی کرنی پڑی۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ سلیمان کیا کرے جب خدا ہی نہ کرے۔ غرض بڈھا بدستور لکڑیاں لاتا اور کنبے کو پالتا۔ قضارا حضرت سلیمان کی انگشتری گم ہو گئی۔ ماہی گیر کے گھر جا کر رہے۔ جب دوبارہ تختِ سلطنت ملا اور لشکر کا گزر اس لکڑہارے کی بستی میں ہوا تو آدمی بھیج کر اس کو طلب فرمایا۔ اس نے جواب دیا کہ اب تو بغیر سواری کے ایک قدم بھی نہیں چل سکتا۔ حضرت کو تعجب ہوا، سواری بھیج کر بلایا اور حال دریافت کیا۔ اس نے عرض کیا کہ جب آپ کے دیئے ہوئے لعل گم ہو گئے اور میری آس ٹوٹ گئی تو میں نے بے اختیار خداوند کریم کی جناب میں گریہ وزاری شروع کی کہ خدایا تیرے نبیؑ نے بہت کوشش کی مگر تو نے نہ چاہا تو کچھ بھی فائدہ نہ ہوا اب سوائے تیرے کسی کا آسرا نہیں، تو ہی اپنے خزانۂ غیب سے وہ کھوئے ہوئے لعل عنایت فرما۔ اتفاقاً ایک دن حسبِ معمول لکڑیاں توڑنے درخت پر چڑھا۔ وہاں چیل کا گھونسلا تھا اور دیکھا تو وہی تینوں لعل رکھے ہیں ان کو پاکر اب میں امیر کبیر بن گیا۔ جب تک سلیمان علیہ السلام پر بھروسا تھا تو محروم رہا۔ جب خداوند کریم کی طرف خلوصِ دل سے متوجہ ہوا تو مالا مال ہو گیا (افضل الاخلاق)

ہر اک چیز سے پیدا خدا کی قدرت ہے
کوئی بڑا کوئی چھوٹا یہ اس کی حکمت ہے
(اقبال)

۲۳۱۔ عجب سوال اور عجب جواب

امیر المؤمنین خلیفہ مامون نہایت حاضر جواب شخص تھا۔ ایک روز اس نے کہا کہ میری تمام عمر میں تین شخصوں نے گفتگو میں مجھ پر غلبہ حاصل کیا۔ اول مادرِ فضل سہیل جو کہ اس کے ماتم میں نہایت گریہ و زاری کرتی تھی۔ میں نے اس کو کہا کہ اس کی بجائے میں تیرا بیٹا ہوں گا اور تجھ کو اس سے زیادہ عزت و آرام کے ساتھ رکھوں گا اس نے کہا کہ ایسے فرزند کی موت پر جس کے باعث مجھ کو تیرے جیسا فرزند ہاتھ آئے کیوں گریہ وزاری نہ کروں۔ دوسرے ایک سیاح نے مصر میں پیغمبری کا دعویٰ کیا اور کہا کہ میں موسیٰ عمران ہوں۔ اس کو میرے پاس لایا گیا۔ میں نے کہا کہ موسیٰ عمران کے پاس تو معجزات تھے۔ بیضا اور عصا وغیرہ، تو بھی کوئی معجزہ دکھلا، کہا کہ موسیٰؑ نے معجزات اس وقت دکھلائے تھے جبکہ فرعون نے دعویٰ خدائی کیا اور کہا ”انا ربکم الاعلیٰ“ تو بھی یہ دعویٰ کر۔ تاکہ میں معجزات دکھلاؤں۔ تیسرے ایک علاقے کے دہقان میرے پاس اس علاقہ کے حاکم کی شکایت لائے۔ میں نے کہا وہ شخص تو عالم و عادل اور پارسا و امین ہے۔ انھوں نے کہا واجب ہے کہ اس کے عدل کا فائدہ تمام خلق کو پہنچایا جائے نہ کہ صرف ہم ہی اس کے فائدہ کے ساتھ مخصوص رکھے جائیں اور دوسرے لوگ اس کے عدل کے فائدہ سے محروم رہیں۔ (افضل الاخلاق)

۲۳۲۔ ابن ساباط کی توبہ کا قصّہ

ابن ساباط بغداد کا نامی چور تھا۔ کوئی شریف آدمی اس کا نام سن کر انتہائی نفرت کا اظہار کیے بغیر نہ رہتا تھا۔ وہ اپنے پیشہ میں ایسا ماہر تھا کہ بیسیوں چوریاں کرنے کے باوجود قانون کی گرفت میں نہیں آیا تھا لیکن آخر تابکے۔ ایک دن حکام نے اسے گرفتار کر ہی لیا۔ قانونِ وقت کے مطابق اس کا ایک ہاتھ کاٹ ڈالا گیا۔ اور پھر اس کو ایک ناقابلِ اصلاح مجرم قرار دے کر مدت العمر کے لیے قید خانے میں بھیج دیا گیا۔ اہلِ بغداد اب اس کا ذکر ”ہتھ کٹے شیطان“ یا ”ایک ہاتھ کے شیطان“ کے نام سے کرتے تھے۔ دس برس کی طویل زندگی قید خانہ میں بسر کر کے ایک دن ابن ساباط کسی طرح بھاگ نکلا اور قید خانے سے باہر آتے ہی اپنے قدیم پیشہ کو از سر نو شروع کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ایک ہاتھ کے

نقصان اور قید و بند کی طویل پُرصعوبت زندگی نے اس کے مزاج اور کردار پر ذرہ برابر اثر نہیں ڈالا تھا۔ آزادی کی فضا میں سانس لیتے ہی چوری کی خواہش نے اسے بیتاب کر دیا اور رات کا اندھیرا پھیلتے ہی وہ اپنی مہم پر چل کھڑا ہوا۔ اِدھر اُدھر پھرتے تین پہر رات گزر گئی لیکن اس کو کسی مکان میں داخل ہونے کا موقع نہ مل سکا۔ آخر اسے ایک وسیع حویلی نظر آئی جس کے چاروں طرف دور دور تک سناٹا تھا۔ اس حویلی کے وسط میں ایک بہت بڑا پھاٹک تھا۔ ابن ساباط پھاٹک کے پاس پہنچ کر رک گیا اور سوچنے لگا کہ اندر جانے کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ اسی سوچ بچار میں اس کا ہاتھ پھاٹک پر جا پڑا۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا اس نے آہستگی سے دروازہ پیچھے کی طرف دھکیلا اور اندر داخل ہو گیا۔ یہ ایک وسیع احاطہ تھا جس کے اندر چاروں طرف کمرے بنے ہوئے تھے اور وسط میں ایک بڑا کمرہ تھا۔ ابن ساباط اس بڑے کمرے کے دروازے کی طرف بڑھا اسے یقین تھا کہ یہ کسی بڑے امیر یا سوداگر کا مکان ہے۔ جونہی اس نے دروازے کو ہاتھ لگایا وہ بھی پھاٹک کی طرح فوراً کھل گیا۔ کمرے میں داخل ہو کر اس نے ادھر اُدھر نظر دوڑائی تو اس کو قیمتی ساز و سامان سے بالکل خالی پایا۔ ایک طرف کھجور کے پتوں کی ایک پرانی چٹائی بچھی تھی۔ اس کے قریب چمڑے کا ایک تکیہ اور بھیڑ کی کھال کی چند ٹوپیاں پڑی تھیں۔ ایک گوشے میں پشمینہ کے موٹے کپڑے کے چند تھان بکھرے پڑے تھے۔ ابن ساباط ایسے معمولی سامان کو دیکھ کر جھلّا اٹھا اور مکان کے مالک کو بے تحاشا گالیاں دینے لگا کہ اس احمق نے اتنے بڑے مکان میں کیسا گھٹیا کپڑا اور سامان رکھا ہوا ہے۔ بہرحال مکان سے خالی ہاتھ جانا اسے منظور نہ تھا۔ اس نے پشمینہ کے تھانوں کی ایک گٹھڑی بنائی اور اس کو باندھنے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن ہزار جتن کے باوجود ایک ہاتھ سے صوف کے موٹے کپڑے کو گرہ نہ لگا سکا اور ہانپتا ہوا بیٹھ گیا۔ عین اس وقت دروازہ کھلا اور ایک شخص ہاتھ میں چراغ لیے کمرے میں داخل ہوا۔ خوف اور دہشت سے ابن ساباط کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا اس نے داخل ہونے والے آدمی کو دیکھا۔ اس کا قد دراز، کمر خمیدہ، اور جسم انتہائی نحیف تھا جس پر ملگجے رنگ کی ایک لمبی قبا تھی اور سر پر بھیڑ کی کھال کی ایک کشادہ سی ٹوپی تھی۔ اس قدر نحیف و نزار ہونے کے باوجود اس شخص کے چہرے پر عجیب طرح کا اطمینان اور نور تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایسی چمک تھی جس سے کوئی دوسرا شخص اثر پذیر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

اس نے کمرے میں داخل ہو کر چراغ ایک طرف رکھ دیا اور انتہائی شیریں آواز میں ابن سا باط سے مخاطب ہو کر کہا:۔

"میرے بھائی! خدا تم پر رحمت کرے یہ کام روشنی اور کسی ساتھی کی مدد کے بغیر انجام نہیں پا سکتا دیکھو یہ چراغ روشن ہے اور تمہاری مدد کے لیے میں حاضر ہوں۔ اب ہم دونوں یہ کام اطمینان کے ساتھ کر لیں گے۔"

ابن سا باط حیرت سے اجنبی کے منہ کی طرف تک رہا تھا اور اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ اتنے میں اجنبی نے تھانوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور پھر ان کی الگ الگ دو گٹھڑیاں باندھ لیں۔ پھر اچانک سے اسے خیال آیا اور اس نے ابن سا باط سے مخاطب ہو کر کہا، میرے بھائی معاف کرنا مجھے خیال ہی نہیں رہا کہ ایسا تھکا دینے والا کام کر کے تمہیں بھوک لگ رہی ہو گی۔ میں ابھی تمہارے لیے گرم گرم دودھ لاتا ہوں۔ اسے پی کر تم تازہ دم ہو جاؤ گے۔ یہ کہہ کر اجنبی کمرے سے باہر نکل گیا اور ابن سا باط عالم تحیر میں کھو گیا۔ یکایک اسے کوئی خیال آیا اور اس نے ماتھے پہ ہاتھ مار کر کہا میں بھی کیسا احمق ہوں، اتنا بھی نہیں سمجھ سکا کہ یہ کوئی میرا ہی ہم پیشہ ہے۔ اتفاق سے آج ہم دونوں اس مکان میں جمع ہو گئے ہیں۔ یہ گھر کا بھیدی معلوم ہوتا ہے۔ اسے معلوم تھا کہ آج یہ مکان رہنے والوں سے خالی ہے اسی لیے وہ روشنی کا سامان لے کر آیا۔ جب اس نے دیکھا کہ میں پہلے سے پہنچا ہوا ہوں تو اس سامان میں سے آدھے کا حقدار بننے کے لیے میرا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گیا۔ وہ یہی سوچ رہا تھا کہ اجنبی ہاتھ میں دودھ کا پیالہ لیے پھر کمرے میں داخل ہوا۔ اور یہ کہہ کر پیالہ ابن سا باط کے ہاتھ میں پکڑا دیا کہ اسے پی لو یہ تمہاری بھوک اور تکان کو دور کر دے گا۔

ابن سا باط کو فی الواقع سخت بھوک لگ رہی تھی۔ اس نے آناً فاناً دودھ کا پیالہ خالی کر دیا اور پھر کڑک کر اجنبی سے کہا:

"دیکھو! میں تم سے پہلے پہنچ گیا تھا اس لیے ہمارے پیشہ کے اصول کے مطابق تمہارا اس مال پر مطلق کوئی حق نہیں۔ تاہم تم نے مال سمیٹنے میں جس مستعدی کا ثبوت دیا ہے اس کے پیش نظر میں تھوڑا بہت مال دے دوں گا۔ چلو اب گٹھڑیاں اٹھائیں اور چلیں۔"

ابن سا باط کے جواب میں اجنبی مسکرایا اور پھر شفقت آمیز لہجے میں کہا۔ "میرے بھائی تم میرے

ھے کا خیال کر کے کیوں اپنا دل میلا کرتے ہو۔ میں تم سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کروں گا۔ تمہارا ایک ہاتھ ہے یہ چھوٹی گٹھڑی تم اٹھالو اور بڑی گٹھڑی میں اٹھا لیتا ہوں۔ جہاں تم کہہ دو میں پہنچا دوں گا۔ ابن ساباط نے کہا بس ٹھیک ہے تمہیں مجھ سے بہتر سردار سارے ملک میں نہیں مل سکتا۔ میں یہ چھوٹی گٹھڑی اٹھا لیتا ہوں اور تم بڑی گٹھڑی اٹھا کر میرے آگے آگے چلو۔ نحیف الجثہ اجنبی نے پورا زور لگا کر بڑی گٹھڑی کمر پر لاد دی۔ اس کی خمیدہ کمر اس کے بوجھ سے اور بھی خمیدہ ہوگئی اور وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ابن ساباط کے آگے آگے چل پڑا۔ لیکن ابن ساباط کو بہت عجلت تھی کیونکہ رات تیزی سے ختم ہو رہی تھی۔ وہ بار بار اجنبی کو ٹھوکے دیتا کہ تیز چلو۔ اجنبی کئی بار ٹھوکر کھا کر گرا لیکن پھر اٹھ کھڑا ہوا اور ہانپتا کانپتا پھر تیز تیز قدم اٹھانے لگا۔ ایک جگہ چڑھائی تھی۔ اجنبی کو بھاری بوجھ کی وجہ سے سخت مشکل پیش آئی اور وہ ایک جگہ بے اختیار گر پڑا۔ ابن ساباط نے اس پر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی اور پھر اس کی کمر پر زور سے ایک لات رسید کی۔ اجنبی جوں توں کر کے اٹھ کھڑا ہوا اور ابن ساباط سے معذرت کرنے لگا۔ ابن ساباط نے گٹھڑی پھر اس کی پیٹھ پر رکھ دی اور دونوں چلتے چلتے شہر سے دور ایک پرانے کھنڈر میں پہنچے۔ یہاں ابن ساباط کی پناہ گاہ تھی۔ وہ اپنی گٹھڑی باہر رکھ کر کھنڈر کی دیوار پر سے اندر کود گیا اور اجنبی نے دونوں گٹھڑیاں باہر سے اندر پھینک دیں۔ اس وقت چاند کی روشنی میں ابن ساباط نے اطمینان سے اجنبی کے چہرے پر نظر ڈالی جو اس کے سامنے کھڑا ہانپ رہا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ اجنبی کے چہرے سے نور کی شعاعیں پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہیں۔ یکایک وہ ملکوتی تبسم کے ساتھ یوں گویا ہوا۔ "میرے بھائی یہ مال تمھیں مبارک ہو۔ اس مکان کا مالک میں ہی ہوں اور یہ مال تجھے خوشی سے بخشتا ہوں۔ افسوس کہ میں تمھاری خاطر خواہ خدمت نہیں کر سکا۔ بلکہ راستے میں اپنی کمزوری اور سستی کی وجہ سے تمھارے لیے پریشانی کا باعث بنا، خدا کے لیے مجھے معاف کر دو۔ اچھا اب میں تم سے رخصت چاہتا ہوں۔ خدا حافظ!"

اجنبی یہ کہہ کر تیزی سے شہر کی طرف روانہ ہو گیا لیکن اس کے الفاظ خنجر بن کر ابن ساباط کے سینے میں پیوست ہو گئے۔ سیاہ کاری کے اس پتلے کے دل و دماغ کو اجنبی کے محیر العقول حسنِ سلوک نے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا دنیا میں ایسے انسان بھی ہوتے ہیں؟ میں تے

اسے کیا سمجھا اور اس کے ساتھ کیا سلوک کیا اور اس نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا۔ یہ سوچتے سوچتے اس کا دماغ ماؤف ہوگیا۔ ضمیر کی خلش نے اسے بے چین کر دیا اور سپیدۂ سحر نمودار ہوتے ہی اجنبی کی تلاش کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ اب اس کے دل میں کسی کا خوف نہیں تھا۔ بس یہی آرزو تھی کہ اس اجنبی کے قدموں پر سر رکھ دے۔ رات والا مکان ڈھونڈنے میں اسے کوئی دقت نہ ہوئی اس کے باہر کھڑے ہو کر ایک شخص سے پوچھا کہ یہ کس تاجر کا مکان ہے؟ اس شخص نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور کہا میاں! تم مسافر معلوم ہوتے ہو، یہاں کسی تاجر کا کیا کام، یہ تو شیخ جنید بغدادی کی قیام گاہ ہے۔

ابن ساباط نے یہ نام سن رکھا تھا لیکن شیخ کا صورت آشنا نہ تھا۔ پھاٹک سے اندر داخل ہوا اور دیکھا کہ سامنے والے بڑے کمرے کا دروازہ کھلا ہے اور چٹائی پر تکیہ سے سہارا لگائے وہی رات والا اجنبی بیٹھا ہے اور اس کے سامنے تیس چالیس آدمی مؤدبانہ انداز میں بیٹھے ہیں ابنِ ساباط ٹھٹک کر وہیں کھڑا ہوگیا۔ اتنے میں مسجد سے اذان کی آواز آئی۔ لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ جب وہ سب چلے گئے تو شیخ بھی اٹھے۔ جونہی انھوں نے دروازہ کے باہر قدم رکھا ابن ساباط روتا ہوا ان کے قدموں پر گر گیا۔ انفعال کے آنسوؤں نے اس کے دل کی ساری سیاہی دھو ڈالی تھی۔ شیخ نے نہایت محبت اور شفقت سے اس کو زمین سے اٹھایا اور گلے لگا لیا۔ ابن ساباط کے دل کی دنیا اب بدل چکی تھی۔ دوسروں نے جو راہ برسوں میں طے نہیں کی تھی ابن ساباط نے وہ چند لمحوں میں طے کر لی۔ وہ شیخ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوگیا اور ان کے فیض صحبت سے "ہتھ کٹے شیطان" کی بجائے "شیخ احمد ابن ساباط" بن گیا اور اہل اللہ میں شمار ہوا۔ جس شخص کو چالیس سال تک دنیا کی ہولناک سزائیں نہ بدل سکیں اس کو ایک مردِ خدا کے حسنِ اخلاق اور قربانی نے چند ساعتوں میں خاصانِ خدا کی صف میں شامل کر دیا۔

۲۳۳۔ رُوحانی سیر

حضرت شیخ صفی الدین فرماتے ہیں کہ شیخ ابو عبد اللہ محمد ازہری عجمی بڑے ہی صاحبِ سیاحت تھے۔ ان کی کرامتوں اور حکایتوں سے عقل متحیر رہ جاتی ہے۔ شیخ ابو عبد اللہ کے شاگرد شیخ کبیر فرماتے

ہیں کہ مجھے شیخ عجمی نے تین سو ساٹھ ایسے جہانوں میں داخل کیا جو عالم سماوات والارض کے ماسوا تھے اور فرمایا مجھے ایک مرتبہ کوہ قاف پر پہنچایا اور ایک سانپ دکھایا جو پہاڑ پر حلقہ باندھے بیٹھا تھا اور اس کا سر دم پر رکھا تھا اور اس سانپ کا رنگ سبز تھا۔ شیخ جب مجھے کسی امر خارق کی طرف لے جاتے یا زمین لپٹی جاتی تو میں ان کے ہمراہ اس موجودہ حس سے غائب رہتا تھا۔ ایک دن حضرت شیخ دمشق سے نکلے۔ میں ان کے ہمراہ تھا ہم طبریہ پہنچے اور حضرت سلیمانؑ کی قبر پر پہنچے۔ میں نے حضرت شیخ سے دریافت کیا۔ کیا یہ قبر حضرت سلیمانؑ کی ہے؟ تو شیخ نے فرمایا یونہی کہا جاتا ہے۔ پھر ہم آگے بڑھے اور میں حضرت شیخ کے پیچھے پیچھے ہوا پر معلق چلا جا رہا تھا تو مجھے ایک خوفناک مکان نظر آیا وہاں سے کچھ لوگ آئے اور انھوں نے حضرت شیخ کو سلام کیا اور شیخ کی دعا اور برکت حاصل کی اور آگے آگے چلے۔ میں نے ان لوگوں میں وحشت دیکھی۔ شیخ نے میری جانب التفات کی اور فرمایا اے علی! اپنے کو بچاؤ اور میرے ساتھ مشغول رہو، ان لوگوں کے ساتھ مشغول نہ ہو جن کو تم دیکھ رہے ہو۔ یہ لوگ جنّ ہیں اور ہم حضرت سلیمانؑ کی قبر پر جا رہے ہیں۔ چنانچہ جب ہم شہر میں پہنچے تو حضرت شیخ کی ایک دوسری قوم سے ملاقات ہوئی اور وہ لوگ ہمیں ایک مکان میں لے گئے۔ وہ ایک بہت ہی بڑا محل تھا۔ حضرت شیخ آگے آگے جا رہے تھے اور میں ان کے پیچھے پیچھے تھا۔ مکان کے اندر ایک شخص کو کھڑے دیکھا، جن کے چہرے پر نور تھا اور ان کے ہاتھ میں عصا تھا۔ شیخ نے فرمایا یہ حضرت سلیمانؑ ہیں۔ پھر آگے بڑھ کر ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ ان کے ایک ہاتھ میں انگوٹھی تھی۔ پھر پیچھے ہٹے تو حضرت سلیمان کے خدام جنّوں نے حضرت شیخ کو ہاتھوں ہاتھ ایک مکان میں پہنچا دیا۔ جہاں مہمان نوازی کا سارا سامان موجود تھا۔ وہاں کھانا پیش کیا گیا۔ شیخ نے اور میں نے کھانا کھایا۔ حضرت شیخ کو حضرت سلیمانؑ کے ذخائر اور خزانے دکھانے اور سیر کرانے لے گئے۔ حضرت شیخ کو ایک فرش پر لا کر کھڑا کیا اتنے میں ہوا آئی اور اس فرش کو بچھا دیا آپ نے اسے دیکھا۔ یہ تخت بلقیس کے پاس لے گئے وہ بھی شیخ نے دیکھا۔ جب ذخائر سلیمان شیخ نے دیکھ لیے تو ایک غار میں گئے جہاں سے بھنبھناہٹ کی آواز اور بدبو آ رہی تھی۔ جنات نے عرض کیا یا شیخ! یہ ابلیس کا قید خانہ ہے۔ وہ اس غار میں حضرت سلیمانؑ کے زمانے سے قید ہے۔ جب شیخ نے لوٹنے کا ارادہ کیا تو حضرت شیخ کے واسطے تخت حاضر کیا گیا۔ حضرت شیخ نے میری جانب اشارہ فرمایا، تو میرے واسطے بھی ایک تخت لایا گیا۔ جب ہم ان پر سوار ہوئے تو وہ تخت ہمیں لے کر ہوا پر اڑے۔ ہم

یہ نہیں دیکھ سکتے تھے کہ ہمیں کون لوگ اڑائے لیے جا رہے ہیں۔ ہوا ہی ہوا پہ سمندر کے پار تک پہنچے اور ایک جگہ پر پہنچ کر تخت زمین پر اترے۔ ہم ان پر سے اتر گئے اور وہ تخت اسی طرح ہوا میں بلند ہو گئے۔ وہاں سے شیخ چلے اور میں بھی ان کے ساتھ تھا اس طرح ہم اکٹھے دمشق واپس آئے۔

۲۳۴۔ اہل قبور کو ثواب پہنچانا

حضرت علی المرافقی کو ایک رات اپنا ایک دوست یاد آیا جسے وفات پائے ہوئے مدت گزر چکی تھی اس کا خیال آتے ہی سوچا کہ اس کی قبر پر جا کر ایصالِ ثواب کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اسی وقت گھر سے نکلے اور اس کی قبر کے قریب پہنچ کر پہلے نماز پڑھی اور پھر اس کے لیے دعا کی۔ فوراً حضرت پر غنودگی طاری ہوئی اور آپ نے دیکھا کہ وہ دوست زنجیروں میں جکڑا ہوا عذاب میں مبتلا ہے۔ حضرت نے حال دریافت کیا تو اس نے بتلایا کہ جب سے دنیا میں آیا ہوں اسی عذاب میں مبتلا ہوں۔ فوراً ہی بیدار ہو گئے اس عذاب کو دیکھنے کی وجہ سے بیحد رنجیدہ خاطر تھے کہ تین دن بعد اس دوست کو پھر خواب میں دیکھا تو ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ وہ نور کے سبز لباس پہنے ہوئے تھا اور اس کے سر پر نور کا تاج تھا۔ حضرت کے دریافتِ حال پر اس نے بتلایا کہ مصر کے ایک آنے والے قافلے میں سے ایک شخص نے اعوذ اور بسم اللہ پڑھ کر سورۂ اخلاص پڑھی اور اللہ سے عرض کیا کہ جو کچھ میں نے پڑھا ہے اس کا ثواب امتِ محمدیہ کے تمام مردوں کو پہنچ جائے۔ اللہ رحیم و کریم نے اس کی دعا قبول فرمائی۔ تمام مردوں کو اس کا ثواب تقسیم ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور رحمت سے مجھے بھی اس ثواب کی وجہ سے آزاد کر دیا۔

۲۳۵۔ اللہ کی مدد کا ایک واقعہ

حضرت شیخ ابو یزید قرطی سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہم نے ایک بار سفر کیا۔ ہمارے ہمراہ گاؤں کے ایک نیک آدمی بھی تھے۔ ہم ایک خندق پر پہنچے جس میں بہت سے درخت تھے۔ اس شخص کو آثارِ قدیمہ سے دلچسپی اور واقفیت تھی۔ انھوں نے کہا کہ یہ خندق آباد ہے۔ ہم خندق میں اترے اور سرعت سے آگے بڑھتے ہوئے خندق کے دوسری جانب چلے۔ جب ہم درختوں کو پار کر کے آگے بڑھے تو ہم

نے تین مسلح آدمیوں کو دیکھا جو ہم پر حملہ کرنے کے ارادے سے آگے بڑھے۔ ہم نے آپس میں مشورہ کیا کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ مسلح بدوی نے ہمارے قریب پہنچ کر کہا کہ تم اللہ کی طرف نکلے تھے؟ ہم نے کہا ہاں بدوی نے کہا پھر اللہ پر بھروسہ رکھو اور میرے پیچھے چلے آؤ۔ اور تم میں سے کوئی دائیں بائیں نہ دیکھے چنانچہ وہ شخص آگے ہوا اور ہم اس کے پیچھے چلے۔ چلتے چلتے ہم بدوی سے آگے نکل گئے اور وہ پیچھے رہ گئے۔ میں نے اپنے ساتھی کو پیچھے مڑ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ مسلح آدمیوں نے ہمیں اپنے نیزوں کی نوک پر لے لیا تھا۔ میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ ان لٹیروں نے تو ہمیں پالیا۔ میری بات سن کر میرا ساتھی کھڑا ہوگیا اور مڑ کر ان لٹیروں کو دیکھا اور کہا "لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم" میں نے اپنے ساتھی سے پوچھا بتاؤ اب کیا کریں؟ اس نے کہا تم ہی کوئی ترکیب نکالو۔ میں نے کہا دیکھو چاشت کا وقت ہے اور نفل نماز میں جماعت جائز ہے۔ میں آگے بڑھ کر تمہیں نماز پڑھاتا ہوں۔ اس وقت وہ لوگ آگے نکل جائیں گے میرے ساتھی نے کہا اے ابو یزید! اس وقت ہمیں چاہیئے کہ ہم ان سے چھپ جائیں۔ میں نے کہا جیسے تمہاری مرضی۔ میرے ساتھی نے ہاتھ اٹھا کر ڈاکوؤں کو دیکھا تو وہ کھڑے ہوگئے اور کوئی ان میں سے آگے نہیں بڑھا۔ جو جہاں تھا وہیں کھڑا رہ گیا۔ ہم آگے چلے۔ میرے ساتھی نے اس کے بعد کچھ نہ کہا اور ہم خاموشی سے ایک درے میں پہنچے جہاں ہم نے ہر طرح اپنے آپ کو محفوظ پایا۔ میرے ساتھی نے کہا دیکھو وہ لٹیرے ابھی تک اسی طرح کھڑے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کا خوف نہ ہوتا تو انھیں اسی حالت میں چھوڑ کر چلا جاتا۔ اے اللہ! انہیں اب بھی سیدھا راستہ دکھا تاکہ وہ توبہ کر سکیں۔ پھر ان کی طرف اشارہ کیا اور کہا جاؤ۔ میں نے دیکھا وہ سب کے سب زمین پر بیٹھ گئے اور ساتھیوں سے باتیں کرنے لگے۔ میں اپنے ساتھی کے اس کمال سے حیران رہ گیا۔

۲۳۶ حضرت جلال الدین تبریزی کی کرامت

حضرت شیخ جلال الدین تبریزی اولیائے کرام میں مشہور بزرگ گزرے ہیں۔ حضرت نے سلطنت ترک کر کے درویشی اختیار کی تھی اور حضرت شیخ ابو سعید تبریزی کے مرید ہوئے۔ پیر و مرشد کے وصال کے بعد عرصہ دراز تک شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں حاضر رہ کر مراتب کمال حاصل کیے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی ہر سال حج کے لیے تشریف لے جاتے تو حضرت پیدل ساتھ چلتے۔ حضرت شیخ

کے کھانے پکانے کی دیگچی اور انگیٹھی ہر وقت اپنے سر مبارک پر رکھتے تھے۔ جس وقت بھی حضرت شیخ کو بھوک لگتی تو حضرت تازہ تازہ کھانا پیش کرتے۔ باوجود انگیٹھی میں آگ ہونے کے سر مبارک کو آگ سے نقصان نہیں پہنچتا تھا۔

ایک مرتبہ سفر حج میں حضرت جلال الدین تبریزی کے ہمراہ اصلاالدین کرمانی بھی تھے۔ حضرت کرمانی فرماتے ہیں کہ اتفاق سے ہمارا قافلہ ایک ایسے گرم ریگستان سے گزرا کہ اکثر اہل قافلہ کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے۔ سواری کے جانور بھی چلنے سے عاجز ہو گئے لیکن کچھ دور چل کر ہمیں شتر فروشوں کا ایک کارواں ملا۔ ہمارے رفقاء میں جو لوگ صاحب ثروت تھے انھوں نے تو بیس بیس اشرفی دے کر اپنے لیے تازہ دم اونٹ خرید لیے۔ لیکن جو نادار تھے وہ بیحد افسردہ نظر آتے تھے۔ وہ لوگ نہ تو اونٹ خرید سکتے تھے اور نہ چھالے پڑ جانے کی وجہ سے چل ہی سکتے تھے۔ حضرت اپنے ساتھیوں کی اس بے بسی سے بہت متاثر ہوئے۔ شتر فروشوں کو طلب فرمایا اور دریافت کیا کہ کس قدر اونٹ تمھارے پاس ہیں اور کتنی قیمت پر فروخت کرو گے۔ تاجروں نے بتایا کہ ان کے پاس پانچ سو اونٹ ہیں اور فی اونٹ کی قیمت بیس اشرفی ہے۔ حضرت جلال الدین تبریزی نے ارشاد فرمایا امیر قافلہ کو بلاؤ تاکہ اس کو اونٹوں کی قیمت ادا کی جا سکے۔ بیوپاریوں کے قافلہ کا سردار حاضر ہوا تو حضرت وہیں زمین پر بیٹھ گئے اور با الفاظ بلند تین مرتبہ فرمایا۔ یالطیف! یالطیف! یالطیف! پھر دست مبارک ریت کے اندر ڈالا اور فوراً باہر نکال لیا اور بیس اشرفیاں امیر قافلہ کے سامنے ڈال دیں۔ حضرت نے پانچ سو مرتبہ ایسا ہی عمل فرمایا اور تمام اونٹ خرید کر اپنے ساتھیوں کو دیے مگر خود پیدل مکہ معظمہ تک تشریف لے گئے۔

۲۳۷۔ شیخ ابو عبداللہ سے اللہ والوں کی نصیحتیں

شیخ ابو عبداللہ اسکندری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ کوہ لکام کی دشت پیمائی اس لیے اختیار کی کہ شاید مردانِ خدا میں سے کوئی نظر پڑے تو اس سے کچھ حاصل کر لوں۔ اتفاقاً میں ایک روز چند اشعار عشقیہ پڑھ رہا تھا کہ ایک عورت سنتی ہوئی آ گئی۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر کسی مرد سے ملاقات ہوتی تو اچھا تھا۔ یہ خطرہ دل میں گزرا ہی تھا کہ وہ بولی۔ اے ابو عبداللہ! تمھارا حال بھی بہت عجیب ہے۔ بھلا جس شخص کو عورتوں کے مقامات تک بھی دسترس نہ ہو وہ مردوں کے

ملنے کا کیا ارادہ کرے۔ میں نے کہا کہ تم نے تو بہت بڑا دعویٰ کیا، کہا وہ دعویٰ تو حرام ہے جو بے دلیل ہو میں نے کہا کہ تمھارے پاس کونسی دلیل ہے؟ کہا دلیل یہ ہے کہ مالک و محبوبِ حقیقی میرے لیے ایسا ہے جیسا کہ میں ارادہ کرتی ہوں کیونکہ میں اس کے لیے ایسی ہوں جیسا اس کا ارادہ ہے۔ میں نے کہا کہ اگر یہ بات ہے تو اچھی بھنی ہوئی مچھلی آئے۔ کہا کہ لاحول ولا قوۃ! تم نے تو بہت ہی ادنیٰ چیز کا سوال کیا۔ یہ کیوں نہ سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ شوق کے ایسے بازو عطا فرمائے کہ اس کے ذریعہ سے میری طرح اس تک اُڑ جائے۔ پھر یہ کہہ کر اُڑ گئی۔ ابو عبداللہ کہتے ہیں کہ میں یہ سن کر بہت نادم ہوا اور اس وقت کوئی شے اپنی ذلت سے زیادہ تلخ .... اور اس کے مرتبہ اور عزت سے زیادہ شیریں نہ معلوم ہوئی اور میں بھی اس کے پیچھے دوڑا۔ اور کہا اے سیدہ! تمھیں اس ذات کی قسم ہے کہ جس نے تمھیں دیا اور مجھے محروم کیا اور تم پر بخشش کی اور مجھے نصیب کیا! خدا کے واسطے میرے لیے کچھ دعا کی امداد کرو۔ کہا کہ تم کو تو مردوں کی دعا چاہیئے عورتوں سے کیا مطلب؟ میں نے کہا خیر اگر دعا نہیں کرتیں تو برائے خدا ایک نظرِ توجہ ہی سہی۔ کہا کہ جس رفیع حال میں میں مشغول ہوں وہ حالت تیری طرف نظر ڈالنے سے بدرجہا بہتر ہے۔ میں نے کہا دو کلمات دعا ہی سہی، کہا کل صبح تو ایک دعا کرنے والے مقبول سے ملے گا۔ یہ کہہ کر چلی گئی اور میرے آرام کو تلخ کر گئی۔ خیر جوں توں شام ہوئی اور رات جس طرح گزری گزر گئی۔ صبح ہوئی تو دیکھا کہ سامنے سے ایک شخص گھٹنوں کے بل آرہا ہے اور چہرہ پر بزرگی کے علامات ہویدا ہیں اور محبت کے آثار نمایاں ہیں۔ انھیں دیکھ کر میرے دل میں خطرہ گزرا کہ اُس عورت نے جس بزرگ کا ذکر کیا تھا وہی معلوم ہوتے ہیں۔ وہ بزرگ میری طرف متوجہ ہو کر بولے ہاں ہاں! میں وہی ہوں۔ میں نے کہا حضرت! کچھ ایسی دعا فرمائیے جس سے محبوبِ حقیقی تک کچھ دسترس ہو۔ فرمایا ابو عبداللہ! جس میں کچھ دعویٰ نہ تھا اس کی دعا سے تو تم محروم رہے۔ کیا تمھیں اس قدر بھی بصیرت نہیں کہ ریحانہ کو فیہ کو پہچانو۔ اب میں اس وقت تک دعا نہیں کر سکتا جب تک تم دیوانوں سے نہ ملو اور وہ کل تمھیں ملیں گے۔ یہ کہہ کر وہ بزرگ غائب ہو گئے اور مجھ پر غم کے پہاڑ آپڑے۔ دوسرے روز دیکھا کہ ایک قاری ایسی دردناک آواز اور غمناک قلب سے یہ آیت تلاوت کرتا ہے کہ سننے والا پانی پانی ہوا جاتا ہے "وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ" الآیۃ۔ میں یہ سن کر اس کی آواز پر مفتون ہو گیا اور اس

سے کہا تجھے اس ذات پاک کی قسم جس نے تیری آواز میں یہ حسن بخشا ہے، تو میرے قلبِ خستہ پر رحم کر۔ کچھ دیر بعد ایک شخص برآمد ہوا کہ محبت الٰہی سے چور چور تھا۔ بولا تجھے ایسے دیوانے سے کیا کام جس کے آنسو کسی وقت بھی نہیں تھمتے لیکن چونکہ تجھ کو دعا کے لیے میرے حوالے کیا گیا ہے اس لیے کہتا ہوں کہ ایسے دیوانوں کی درگاہ کو لازم پکڑ اور جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو مضبوط تھام لے۔ پھر میں نے ان سے عرض کیا حضرت! اور کچھ نصیحت فرمائیے۔ فرمایا اپنے نفس پر رحم کر یعنی گناہوں کو چھوڑ دے۔ دنیا کے پاس بھی نہ جا کیونکہ یہ دنیا ایسی بے وفا ہے جو اس کے بڑے چاہنے والے ہیں، انھیں تو ڈبو ہی دیتی ہے اور بیچ والوں کا گلا گھونٹتی اور کم درجہ والوں کو آگ میں جلا کر خاکِ سیاہ کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تجھے اپنی قبولیت اور وصول و صدق سے بہرہ مند کر کے اپنے پسندیدہ لوگوں سے بنا دے اور انشاء اللہ میں تجھے لذتِ نظر سے محروم نہ کروں گا اور ان لوگوں میں تجھے کر دوں گا جو معائنہ کے بعد خبر پر قناعت کرتے ہیں۔ ابو عبداللہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ انھوں نے اشارہ فرمایا، میں سمجھ گیا۔ (نزہتہ البساتین)

۲۳۸۔ باطنی نعمت

حضرت شہاب الدین عمر سہروردی کے ایک خادم فرماتے ہیں کہ میں چالیس دن تک خلوت میں اپنے پیر و مرشد کے ساتھ رہا۔ پورا چلہ گزر جانے کے بعد میں نے حضرت کو بلند پہاڑی کی چوٹی پر اس شان سے جلوہ افروز دیکھا کہ حضرت کے گرد جواہرات کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں اور حضرت کے ہاتھ میں ایک پیمانہ ہے۔ پہاڑ کے نیچے بہت سے لوگ دامن پھیلائے کھڑے ہیں۔ حضرت اس پیمانے کو جلد جلد جواہرات سے بھر بھر کر مانگنے والوں کی طرف پھینک رہے ہیں۔ جواہرات جب ذرا کم ہوتے ہیں تو اس تیزی کے ساتھ بڑھتے ہیں کہ کمی کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ جب میں اعتکاف سے باہر آیا تو حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے مشاہدے کے اظہار کا ارادہ کیا۔ یکایک حضرت نے فرمایا کہ جو کچھ تم نے دیکھا بالکل صحیح ہے۔ یہ سب کچھ اس کی برکت ہے کہ میرے سینے پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے اپنا دستِ کرامت رکھا تھا اور اس ہاتھ سے انھوں نے مجھے میرے کلام کے بدلے میں یہ نعمت عطا فرمائی تھی۔

۲۳۹۔ نئے ابدال کا انتخاب

شیخ یمن سے مروی ہے کہ وہ مقام زبید سے ساحل کی جانب چلے جو ہداب کے نام سے مشہور ہے۔ ان کے ہمراہ ان کا ایک شاگرد تھا۔ راستہ میں ایک مقام پر بید کا جنگل نظر آیا۔ شیخ نے شاگرد سے کہا کہ جاؤ ایک بید توڑ لاؤ۔ شاگرد شیخ کا حکم بجا لایا لیکن دل ہی دل میں سوچتا تھا کہ اس بید کو پاس رکھنے سے حضرت شیخ کا مقصد کیا ہے۔ چنانچہ چلتے چلتے شیخ اور ان کا شاگرد ایک ایسے گاؤں میں پہنچے جہاں سنا کم قوم کے لوگ رہتے تھے، یہ لوگ مردار کھاتے، نشہ کرتے اور نماز و روزہ سے غافل رہ کر دن رات رقص و سرود میں مشغول رہتے تھے۔ شیخ نے شاگرد سے کہا اس ملبے بوڑھے کو میرے پاس لے آؤ جو طبلہ بجا رہا ہے۔ شاگرد نے اس شخص سے جا کر کہا کہ تمہیں شیخ بلا رہے ہیں ان کی خدمت میں چلو۔ وہ شخص اسی وقت شاگرد کے ہمراہ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب شیخ کے سامنے آیا تو شیخ نے شاگرد سے کہا اسے بید مارو۔ شاگرد نے اسے حد شراب لگائی۔ پھر شیخ نے فرمایا، ہمارے آگے آگے چلو۔ وہ ہمارے ساتھ سمندر کے کنارے پر پہنچا۔ شیخ نے کپڑے پاک صاف کرنے کا اور غسل کرنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی طریقہ بھی بتایا۔ جب اس نے کپڑے پاک صاف کر کے غسل کیا تو شیخ نے وضو کا طریقہ سکھایا اور پھر نماز پڑھنے کا طریقہ بتلایا اور آگے بڑھ کر شیخ نے دونوں کو نماز پڑھائی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو شیخ نے کھڑے ہو کر اپنا مصلیٰ پانی پر بچھایا اور فرمایا آگے بڑھو اور اس مصلیٰ پر کھڑے ہو جاؤ۔ وہ شخص سجادہ پر کھڑا ہو کر پانی پر چلنے لگا۔ یہاں تک کہ نظروں سے غائب ہو گیا۔ شاگرد نے شیخ کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا۔ نہایت افسوس اور حسرت کا مقام ہے کہ مجھے آپ کی خدمت میں رہتے ہوئے ایک عرصہ گزر چکا ہے۔ لیکن اب تک یہ بات حاصل نہ ہوئی اور اسے ایک لحظہ میں ہو گئی اور ایسی بڑی کرامت اس سے ظاہر ہوئی۔ شیخ نے رو کر فرمایا اے بیٹے! میں کیا چیز ہوں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ سلوک کیا ہے۔ مجھے تو یہ ارشاد ہوا تھا کہ فلاں ابدال کا انتقال ہوا ہے اس کی جگہ فلاں شخص کو ابدال بنا دو۔

۲۴۰۔ روحانی تصرف

حضرت خواجہ ابو یعقوب یوسف بن ایوب ہمدانی کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی اور عرض کیا یا حضرت! فرنگی میرے لڑکے کو قید کر کے لے گئے ہیں۔ حضرت نے فرمایا صبر کر۔ اس عورت نے کہا کہ حضرت مجھ سے صبر نہیں ہو سکتا۔ حضرت نے دعا فرمائی۔ خدایا اس کی بیڑی توڑ دے اور اس کا غم جلدی دور کر دے پھر عورت سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اب تو اپنے گھر جا۔ لڑکے کو گھر میں پائے گی وہ چلی گئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ لڑکا گھر میں ہے۔ وہ حیران ہوئی اور لڑکے سے دریافت کیا کہ تو کس طرح یہاں پہنچا۔ لڑکے نے بیان کیا میں ابھی قسطنطنیہ میں تھا۔ میرے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں اور نگہبان مجھ پر مقرر تھے۔ اتنے میں ایک شخص آیا جس کو میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا اس نے مجھے اٹھایا اور آنکھ جھپکنے میں یہاں لے آیا یہ سن کر وہ عورت پھر حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور لڑکے کا قصہ بیان کیا۔ حضرت نے فرمایا کیا تو امرِ الٰہی سے تعجب کرتی ہے کہ وہ ایسا کرنے پر قادر نہیں ہے؟

۲۴۱۔ ایک ولی اللہ کی حکمتِ عملی

شیخ مغاوری سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں چند سال تک جنگ کا شوقین رہا اور چند سال سیر و سیاحت میں گذارے۔ بعض کاموں کے سلسلے میں حکماً۔ کفار کے شہروں میں داخل ہوا۔ کفار کی نظروں سے غائب ہونا میرے اختیار میں تھا اگر میں چاہتا تو وہ مجھے دیکھ سکتے تھے اور اگر میں نہیں چاہتا تو وہ مجھے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ایک بار اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکم ہوا کہ میں ان کے ملک میں جاؤں اور ایک صدیق سے ملاقات کروں۔ چنانچہ جب میں ان کے ملک میں پہنچا اور ان لوگوں نے مجھے دیکھا تو مجھے گرفتار کر لیا۔ مجھے گرفتار کرنے والا بہت خوش ہوا اور میری مشکیں باندھ کر بازار میں لے آیا تاکہ مجھے بیچے۔ میں بھی یہی چاہتا تھا مجھے ایک معتبر آدمی نے خرید لیا اور مجھے گرجے کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ میں ایک مدت تک گرجے کی خدمت کرتا رہا۔ ایک دن گرجے میں ان لوگوں نے بہت قیمتی فرش بچھائے اور خوشبو جلائی گئی۔ میں نے دریافت کیا۔ کیا بات ہے؟ ان لوگوں نے کہا بادشاہ کی عادت ہے کہ سال میں ایک بار گرجے میں آتا ہے اور تنہا ہی گرجے میں عبادت کرتا

جب بادشاہ آیا اور ان لوگوں نے گرجے کو خالی کر کے گرجے کے دروازے بند کر دیے تو میں صرف ان لوگوں کی نظر سے پوشیدہ رہا۔ جب بادشاہ نے اطمینان کر لیا تو قربان گاہ میں پہنچا جو گرجے میں تھی اور قبلے کی جانب منہ کر کے تکبیر کہی۔ اس وقت مجھ سے فرمایا گیا کہ یہ وہی ہیں جن سے ہم تمھیں ملانا چاہتے تھے۔ چنانچہ میں ظاہر ہو کر ان کے پیچھے سلام پھیرنے تک کھڑا رہا۔ انھوں نے میری طرف دیکھا تو کہا تم کون ہو؟ میں نے کہا آپ جیسا مسلمان ہوں۔ فرمایا تمھیں یہاں کونسی چیز لے آئی ہے؟ میں نے کہا مجھے آپ سے ملنے کا حکم ہوا تھا اور آپ سے ملاقات کا یہی طریقہ میری سمجھ میں آیا۔ مجھ سے مل کر وہ بہت خوش ہوا میں نے ان کا حال کشف سے معلوم کیا، انھوں نے میرا حال دیکھا۔ میں نے انھیں صدیقین میں پایا۔ میں نے ان سے دریافت کیا آپ کی ان کفار کے درمیان باطنی حالت کیا ہوگی؟ فرمایا اے ابوالحجاج! مجھے ان کے درمیان بڑا نفع ہے اور مسلمانوں کے درمیان رہ کر ویسے فوائد حاصل نہیں ہو سکتے۔ میں نے دریافت کیا وہ کیا فوائد ہیں؟ انھوں نے فرمایا میرا توحید اور اسلام اور اعمال صرف اللہ ہی کے واسطے ہیں کسی کو اس کی اطلاع نہیں ہے۔ حلال کھاتا ہوں جس میں کوئی شبہ نہیں ہے اور مسلمانوں کو نفع پہنچاتا ہوں، انھیں کفار کے شر سے بچاتا ہوں، کوئی ان تک نہیں پہنچ سکتا اور کفار کو حکمت سے اسلام کی عظمت سے روشناس کراتا ہوں کہ میں اگر مسلمانوں کا سب سے بڑا بادشاہ ہوتا تو بھی نہ کر سکتا۔ انشاء اللہ عنقریب میں اپنے تصرفات تمھیں دکھاؤں گا۔ پھر ہم نے ایک دوسرے کو وداع کیا اور میں لوگوں کی نظر سے پوشیدہ ہو گیا اور بادشاہ نکل کر گرجے کے دروازے پر جا بیٹھے اور کہا کہ گرجے کے سارے مخصوص لوگوں کو حاضر کرو۔ چنانچہ لوگ پیش کیے گئے اور کہا گیا یہ عالم ہیں۔ یہ محافظ ہیں یہ راہب ہیں۔ بادشاہ نے دریافت فرمایا گرجے کی خدمت کون کرتا ہے؟ وزیر نے اس شخص کو پیش کیا جس نے مجھے تحریر کہا اس گرجے کی خدمت پر مامور کیا تھا۔ بادشاہ اس پر سخت ناراض ہوا اور کہا تم سب کے سب خدا کے گھر کی خدمت سے منکر ہو گئے ہو اور ایک ایسے شخص کو اس خدمت کے لیے مقرر کیا ہے جو غیر مذہب کا ہے۔ تم نے خدا کے گھر کو ناپاک کر دیا۔

یہ کہہ کر بادشاہ نے اس شخص کو قتل کر دیا۔ بادشاہ نے وزیر کو مخاطب کر کے کہا کہ باوجود اس کے کہ یہ شخص غیر مذہب کا تھا لیکن اس نے اس طرح گرجے کی خدمت کی ہے کہ یہ عزت کا مستحق ہے، اس کو خلعت اور سواری دے کر وطن روانہ کیا جائے۔ چنانچہ میں اپنے وطن لوٹ آیا۔

۲۴۲۔ کرامت حضرت خواجہ نور محمد مہاروی

میاں نور بخش مہاروی سے منقول ہے کہ مولوی ضیاء الدین صاحب سکنہ مہار شریف خواجہ نور الصمد شہید کے استاد اور حضرت مولانا صاحب دہلوی کے مرید تھے۔ انھیں حضرت قبلہ عالم کی ولایت پر زیادہ اعتماد نہ تھا۔ فقط پیر بھائی سمجھتے تھے۔ ایک بار انھوں نے حج کا ارادہ کیا۔ حضرت قبلہ عالم نے فرمایا مولوی صاحب! آپ کا یہاں رہنا بہتر ہے کہ چند اور لوگ آپ سے علم حاصل کریں گے مگر انھوں نے حضرت قبلہ عالم کے حکم کے مطابق عمل نہ کیا اور رخصت لے کر روانہ ہو گئے۔ روانگی کے وقت حضرت قبلہ عالم نے فرمایا۔ خیر مولوی صاحب! آپ حج پر جائیں البتہ اگر کہیں مشکل پڑے تو فقیر کو یاد کر لیں۔ انشاء اللہ بندہ کو حاضر پائیں گے۔ مولوی صاحب روانہ ہو گئے۔ دورانِ سفر سمندر میں ایک دن طوفان آ گیا اور جہاز غرق ہونے لگا۔ تمام مخلوق نالہ و فغاں کرنے لگی۔ مولوی صاحب کو قبلہ عالم کے وہ الفاظ یاد آ گئے کہنے لگے یا حضرت خواجہ نور محمد جی! مدد فرمائیے۔ اسی وقت مولوی صاحب پر غنودگی طاری ہو گئی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت قبلہ عالم اسی جہاز میں سوار ہیں اور فرماتے ہیں غم نہ کرو مولوی صاحب! اللہ تمھارے ساتھ ہے۔ اس تمام مخلوق کو تمھارے طفیل غرق ہونے سے بچاتے ہیں۔ جب بیدار ہوئے تو مولوی صاحب نے جہاز میں سوار لوگوں کو کہا کہ دوستو! غم نہ کرو۔ انشاء اللہ ہم غرق نہیں ہوں گے آخر اللہ تعالیٰ نے جہاز کو خیر و عافیت سے کنارے پر لگا دیا اور سب صحیح و سلامت مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ عرفات کے میدان میں کیا دیکھتے ہیں کہ خطبۂ حج کے وقت حضرت قبلہ عالم بھی اسی صف میں کھڑے ہیں جہاں مولوی صاحب تھے جب خطبہ ختم ہوا تو غائب ہو گئے۔ مولوی صاحب نے ان لوگوں سے جو صف میں آپ کے برابر کھڑے تھے، پوچھا کہ وہ بزرگ کہاں گئے؟ کہنے لگے کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ البتہ یہ بزرگ پنجابی ہے اور ہم اسے ہمیشہ خانہ کعبہ میں دیکھتے ہیں اور ہر سال موسم حج میں بھی یہاں موجود ہوتے ہیں۔ مولوی صاحب حج سے فارغ ہو کر وطن واپس پہنچے تو حضرت قبلہ عالم نہر ہریاری تک تشریف لائے۔ مولوی صاحب دوڑ کر قدم بوس ہوئے۔ آپ نے فرمایا مولوی صاحب! آپ کا یہ سر حرمین الشریفین پہنچا ہے، میرے پاؤں میں نہ رکھیں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ حضور! میں دونوں مقامات کو آپ کی قدم بوسی کی خاطر چھوڑ کر آ رہا ہوں۔ پس حضرت قبلہ عالم نے راہ خدا میں ان کی ایسی تربیت کی کہ تکمیل و خلافت کے درجہ

تک پہنچا دیا۔ (مناقب المحبوبین)

۲۴۳۔ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی کا واقعہ بیعت

حضرت نقشبندی نے خواجہ امیر کلال کی عبادت و ولایت کا شہرہ سنا تو ان کی ملاقات کو گئے جب ان کی خانقاہ کے قریب پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ لوگوں کا ایک ہجوم ہے جو ایک میدان کے گرد جمع ہے جب آپ قریب پہنچے تو آپ کو معلوم ہوا کہ اس میدان میں کشتی ہو رہی ہے اور حضرت امیر کلال بھی شریک کشتی ہیں۔ آپ کو یہ بات ناگوار گزری کیونکہ آپ عالم جلیل اور پابند شریعت تھے۔ آپ کے دل میں جب یہ بات پیدا ہوئی اسی وقت آپ پر غنودگی طاری ہو گئی۔ آپ نے خواب میں دیکھا کہ معرکۂ حشر بپا ہے ان کے اور جنت کے درمیان ایک دلدل کا دریا حائل ہے۔ یہ اس پار جانا چاہتے ہیں جب دریا میں اترتے ہیں تو جتنا زور آگے بڑھنے کے لیے لگاتے ہیں اتنا ہی دلدل میں دھنستے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ بغلوں تک دلدل میں دھنس جاتے ہیں۔ اسی صورت میں سخت پریشان ہو جاتے ہیں کہ اس میں سے کیسے نکلا جائے۔ اتنے میں امیر کلال تشریف لاتے ہیں اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو دلدل سے باہر نکال کے دوسری طرف جنت میں لے جاتے ہیں۔ اس کے بعد آپ کی آنکھ کھلتی ہے تو آپ اس سے پہلے کہ امیر کلال سے کچھ عرض کریں وہ خود انھیں مخاطب کر کے فرمانے لگے "بہاء الدین اگر ہم کشتی نہ لڑیں تو یہ طاقت کہاں سے آئے جس سے تمھیں دلدل سے نکالا جائے۔" یہ سن کر خواجہ بہاء الدین، امیر کلال کے قدموں میں گر پڑے اور ان کی بیعت کر لی۔

۲۴۴۔ تلاشِ مُرشد

ایک شخص ایک مدت سے کسی پیر کامل کی تلاش میں تھا۔ بہت کوشش کی مگر مطلوب و مقصود نہ مل سکا۔ ایک رات خدا سے عرض کیا کہ اے اللہ! کل صبح فجر کی نماز کے بعد گھر سے نکلوں گا جو سامنے آئے گا اسی کی ہی بیعت کر لوں گا۔ صبح جب نماز پڑھ کر گھر سے نکلے تو سب سے پہلے جس شخص سے آپ کی ملاقات ہوئی وہ چور تھا اور چوری کا مال ہاتھ میں پکڑے آ رہا تھا۔ اس طالبِ صادق نے چور کا ہاتھ پکڑا اور کہا حضرت، بیعت لیجیے۔ وہ چور بڑا حیران ہوا اور بولا میں تو چور ہوں۔ چوری کا اسباب

میرے ہاتھ میں ہے۔ میں کس بنا پر آپ کو بیعت کر سکتا ہوں۔ وہ صاحب بالکل نہ مانے اور کہا کہ میں نے اپنے رب سے عہد کیا تھا کہ صبح فجر کی نماز کے بعد گھر سے باہر نکلوں گا جو شخص ملے گا اسی کی بیعت کروں گا۔ چنانچہ تم ہی پہلے شخص ہو جس سے میری ملاقات ہوئی ہے اب اللہ سے کیے ہوئے عہد کے مطابق تمھیں میری بیعت لینی ہوگی۔ دونوں میں ابھی کشمکش ہو رہی تھی کہ وہاں حضرت خضر علیہ السلام تشریف لے آئے۔ انھوں نے خدا کے حکم سے اس چور کو آن کی آن میں تمام مراتب دیے اور تمام مقامات فوراً طے کروائے۔ ان کو ولی بنایا اور اس چور سے بیعت لی اور اب وہ حضرت خضر کی طلسمی نگاہوں کی تابش سے قطب بن چکا تھا۔ اس نے اس طالبِ صادق اور مرشدِ کامل کے متلاشی کی بیعت کی۔

۲۴۵۔ آتش پرستوں کا قبولِ اسلام

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت خواجہ عثمان ہرونی سفر کرتے ہوئے ایک ایسے مقام پر جا پہنچے جہاں آتش پرست رہتے تھے۔ ان لوگوں نے ایک آتشکدہ تیار کر رکھا تھا جس پر ایک بڑا گنبد تھا۔ یہ آتشکدہ روزانہ جلایا جاتا اور وہ لوگ آگ کی پوجا کرتے۔ خواجہ صاحب اس مقام سے قدرے فاصلے پر ایک ندی کے کنارے فروکش ہوئے اور فخر الدین نامی خادم کو بھیجا کہ قریبی بستی سے جا کر آٹا اور آگ لے آئے تاکہ روٹیاں بنائی جائیں۔ خادم بستی میں گیا۔ وہاں سے آٹا خریدا پھر آتشکدہ کے پاس آیا اور آتش پرستوں سے آگ مانگی۔ پجاریوں نے آگ دینے سے انکار کر دیا اور خادم آگ کے بغیر واپس آ گیا اور خواجہ صاحب سے واقعہ بیان کر دیا۔

خواجہ صاحب خود آتش کدہ کے پاس گئے اور پجاریوں کو وعظ و نصیحت کی کہ اس آگ کو پوجنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ فرمایا یہ تو تھوڑے سے پانی سے فنا ہو جاتی ہے یعنی اسے بقا حاصل نہیں اس لیے ایسی چیز کی پرستش بے معنی ہے جو اپنا وجود قائم نہ رکھ سکے۔ پجاریوں نے جواب دیا کہ آگ کا وجود بہت عظیم ہے لہٰذا ہم اس کی پرستش کیوں نہ کریں۔

خواجہ صاحب نے فرمایا۔ تم اتنی مدت سے اس آگ کو پوج رہے ہو۔ ذرا اپنا پاؤں اس میں رکھو میں دیکھوں تو یہ تمھیں جلاتی ہے یا نہیں؟ وہ بولے کہ آگ کی خاصیت ہی جلانا ہے۔ پھر یہ ہمیں کیسے نہ جلائے گی۔ غرض وہ لوگ بحث میں پڑ گئے اور خواجہ صاحب کے ارشاد پر کوئی توجہ نہ دی۔ تب حضرت

عثمان ہرونی نے اپنا ہاتھ آگ میں ڈال دیا آپ کے ہاتھ کو آگ نے نہ جلایا جسے دیکھ کر وہ لوگ متحیر ہو گئے اور آپ سے متاثر نظر آنے لگے۔ بعدازاں آپ نے پھر انھیں وعظ و نصیحت فرمائی اور وہ سب کے سب تائب ہو کر اسلام میں داخل ہو گئے۔

۲۴۶۔ ایک مجذوب کی توجہ کا اثر

حضرت خواجہ معین الدین کو والد کی وفات کے بعد ایک باغ اور ایک چکی ورثہ کے طور پر ملی۔ چنانچہ آپ نے باغبانی کو ذریعہ معیشت بنایا اور اپنا سارا کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔ درختوں کو پانی دیتے، زمین کو ہموار کرتے، پودوں کی کاٹ چھانٹ عمل میں لاتے، کھاد وغیرہ کا بندوبست کرتے اور خود ہی پھلوں کو فروخت کرتے۔

ایک روز آپ اپنے باغ میں آرام فرما رہے تھے کہ ابراہیم قندوزی نامی ایک مشہور بزرگ اور مجذوب وہاں تشریف لائے۔ یہ بزرگ دنیا کے جھگڑوں سے بے نیاز اور الگ تھلگ ہو کر پھرتے رہتے تھے۔ خواجہ اجمیریؒ نے انھیں دیکھا تو مہمان نوازی کے طور پر انھیں ایک سایہ دار درخت کے نیچے بٹھایا پھر انگوروں کا ایک خوشہ ان کی خدمت میں پیش کیا۔ وہ بزرگ صاحبِ نظر تو تھے ہی۔ پہلی نگاہ میں خواجہ اجمیری کو پہچان لیا اور اپنے مطلب کا آدمی پا کر اپنی کشکول سے کھلی کا ایک ٹکڑا نکالا اسے چبا کر خواجہ صاحب کے منہ میں ڈال دیا۔ کھلی حلق سے اتری ہی تھی کہ خواجہ صاحب کی کیفیت بدل گئی۔ ان کے قلبی رجحان میں ایک عظیم انقلاب پیدا ہو گیا۔ زندگی نے یکسر پلٹا کھایا اور عشقِ الٰہی نے دل پہ گہرے اثرات مرتب کر دیے۔ وہ بزرگ اپنا کام کر کے چلتے بنے اور ادھر خواجہ صاحب ایک نیا انقلابی عزم لے کے اٹھے۔ باغ، چکی اور دوسرا تمام اثاثہ فروخت کر کے ساری رقم فقراء اور مساکین کو دے دی اور خود خدا پر توکل کر کے تن تنہا نکل پڑے۔

۲۴۷۔ ایک بداخلاق حکمران کی توبہ

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ جب سفر کرتے کرتے سبزوار میں آئے تو وہاں ان دنوں یادگار محمد کی حکومت تھی جو بڑا بے دین اور بداخلاق شخص تھا۔ رقص و سرود اور عیاشی کے سوا اور کوئی کام نہ تھا۔

اس نے اپنی سیر و تفریح کے لیے شہر سے باہر ایک باغ تعمیر کرا رکھا تھا۔ جس میں نہایت صاف ستھرا حوض تھا۔ خواجہ اجمیری جب اس باغ کے قریب پہنچے تو چونکہ سفر کے باعث بہت تھکے ہوئے تھے اور پانی کی ضرورت تھی اس لیے باغ میں حوض کے کنارے پہنچے۔ غسل فرمانے کے بعد آپ نے نماز ادا کی پھر تلاوتِ قرآن میں لگ گئے۔ اتفاقاً اسی روز مشہور ہوا کہ یادگار محمد اپنے باغ کی سیر کو آرہا ہے۔ ایک درویش جو خادم کی حیثیت سے حضرت کے ہم رکاب تھا یہ خبر سنتے ہی دوڑتا ہوا آپ کے قریب آیا اور عرض کیا، مناسب ہوگا کہ اب ہم باغ سے باہر چل کے ٹھہریں۔ آپ اس کی گھبرائی ہوئی صورت دیکھ کر مسکرائے اور ارشاد فرمایا اگر تمھارا جی چاہے تو چلے جاؤ اور اس درخت کے نیچے جاکر ٹھہرو۔ میں تو یہاں سے نہ اٹھوں گا۔ وہ خادم تو حسبِ اجازت اس درخت کے نیچے چلا گیا جس کی طرف آپ نے اشارہ فرمایا اور ادھر شاہی فراشوں نے حوض کے کنارے حضرت خواجہ قدس سرہ العزیز کے برابر ہی اپنے بادشاہ کے لیے قالین لاکر بچھا دیا۔ وہ چاہتے تھے کہ حضرت سے اٹھنے کو کہیں مگر نورِ عرفان کی ان پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔

اتنے میں خود یادگار محمد آپہنچا اور حضرت خواجہ قدس سرہ العزیز کو اپنے قالین کے برابر بیٹھے دیکھ کر نہایت برہم ہوا اور اپنے خدمتگاروں کو سخت و سست کہنے لگا کہ اس فقیر کو یہاں سے کیوں نہ نکال دیا۔ یہ کلمہ سنتے ہی حضرت نے سر اٹھایا اور اس پر جلال و غضب کی ایسی نظر ڈالی کہ اس کے ہاتھ پاؤں میں لرزہ پڑ گیا اور اسی حالت میں تھرتھراتے تھرتھراتے زمین پر گر کر بیہوش ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ ایک دنیادار بندۂ ہوس، ایک کامل ولی اللہ اور آشنائے حقیقت کی پُرجلال نظر کی کیا تاب لا سکتا تھا اس کے نوکروں وغیرہ نے جب یہ حالت دیکھی تو دوڑ کر حضرت کے قدموں پر گر پڑے اور عجز و الحاح سے گڑگڑا گڑگڑا کر عرض کیا کہ حضرت ان کی گستاخی معاف فرمائیں۔ یہ نہیں جانتے تھے کہ آپ اتنے بڑے صاحبِ باطن ولی ہیں۔

ان لوگوں کے رونے دھونے پر آپ کو ترس آیا۔ وہ جلال کم ہوا اور اس خادم درویش کو جسے سامنے ہی ایک درخت کے نیچے بیٹھنے کا حکم دیا تھا، قریب بُلا کے حکم فرمایا کہ اس حوض میں سے تھوڑا سا پانی لو اور بسم اللہ کہہ کر اس شخص کے منہ پر چھڑکو۔ اس درویش نے مرشد کے حکم کی تعمیل کی اور جیسے ہی پانی چھڑکا، یادگار محمد کو ہوش آگیا۔ مگر اب سرکشی و نخوت کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اٹھتے ہی حضرت

کے قدموں پر سر رکھ دیا اور حضورِ قلب کے ساتھ عرض کیا یا شیخ! آج سے میں نے تمام ممنوع چیزوں کو چھوڑ دیا اور آپ کے ہاتھ پر اپنے کل گناہوں سے توبہ کرتا ہوں۔ اب میرا قصور معاف ہو۔ آپ نے کمال مہربانی سے اپنے دستِ شفقت بڑھائے۔ اس کے سر کو اپنے قدموں پر سے اٹھایا اور نہایت نرمی کے الفاظ میں ارشاد فرمایا: خاندانِ رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کا دعویٰ کرتا اور ان کی پیروی نہ کرنا بالکل بے معنی ہے۔ اسی سلسلہ میں آپ نے ائمہ اہلبیت کے مناقب ایسے موزوں اور مؤثر الفاظ میں بیان فرمائے کہ یادگار محمد اور اس کے تمام رفقاء زار و قطار رونے لگے اور سب نے آپ کے سامنے توبہ کی۔

یہ پند و نصائح سن کر یادگار محمد نے وضو کیا اور شکرانے کی دو رکعت نماز ادا کرکے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔ اس عزت سے آپ نے اسے سرفراز فرمایا اور آپ کے مریدوں میں شامل ہو کر اسے سلسلہ مبارک چشتیہ میں داخل ہونے کی عزت حاصل ہوئی۔ یہ چیز صرف ایک ولی اللہ کی نظر کیمیا اثر کے ساتھ ہی مخصوص ہے کہ یادگار محمد حضرت کی صحبتِ فیض میں پہنچنے سے ایک ساعت پیشتر تو ایسا تھا کہ ہر شخص اسے نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ اس کی صحبت سے پناہ مانگتا تھا۔ اور اس کو بدترین خلق اللہ تصور کرتا تھا۔ یا ایک رمز شناس حقیقت نے یہ معجزنما اثر کیا کہ ایک ہی گھڑی بعد وہ ایسا شخص تھا کہ ہم آپ اور سارے مسلمان اس کی خوش اقبالی پر رشک کرتے ہیں (انوار اصفیاء)

۲۴۸۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی کرامت

حضرت خواجہ معین الدین جن دنوں اجمیر تشریف لائے ان دنوں اجمیر، ہندوستان میں بڑی اہمیت کا شہر تھا۔ یہ پرتھوی راج کی حکومت کی راجدھانی تھی۔ اجمیر میں داخل ہوتے ہی آپ نے جس جگہ کو اپنے قیام کے لیے پسند فرمایا وہ اتفاق سے پرتھوی راج کے اونٹوں کی جائے قیام نکلی۔ پرتھوی راج کے ساربانوں نے جب ایک مسلم کو اپنے راجہ کی زمین پر یوں قبضہ کرکے بیٹھے دیکھا تو انھیں ٹوکتے لگے کہ وہ اس جگہ کو چھوڑ دیں۔ خواجہ صاحب نے جواب دیا کہ اتنا بڑا میدان ہے۔ تمھارے راجہ کے اونٹ کہیں بھی بیٹھ سکتے ہیں، پھر مجھ غریب کو کیوں تنگ کرتے ہو؟ مگر وہ ساربان مسلسل ضد میں کہتے

رہے کہ نہیں اگر راجہ کو علم بھی ہو گیا کہ ایک بے دین اس کی زمین پر ڈیرا جمائے بیٹھا ہے تو نجانے وہ کیا کر ڈالے۔ آخر جب ساربان حد سے زیادہ بڑھنے لگے تو خواجہ معین الدین چشتی نے اس جگہ سے اٹھتے ہوئے ساربانوں کو مخاطب کیا۔ لو بھئی ہم تو اٹھ کے جا رہے ہیں، تم بٹھا لو اب اپنے راجہ کے اونٹوں کو مگر خدا معلوم وہ بھی ہماری طرح اٹھ سکیں گے یا نہیں۔ آپ تو یہ کہہ کر اٹھ کے چل پڑے اور ساربان آپ کی بات کے مفہوم سے ناآشنا اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔

حضرت خواجہ نے اپنے ساتھیوں سمیت اناساگر نامی جگہ پر جا کر قیام کیا۔ ادھر مہاراجہ پرتھوی راج کے اونٹ میدان میں ایسے بیٹھے کہ اُٹھنا ہی بھُول گئے۔ لوگوں کے ہاتھ ایک عجیب تماشا لگ گیا، شہر بھر کے لوگ میدان میں اکٹھے ہو گئے اور شاہی ساربانوں کی ان مضحکہ خیز کوششوں کو دیکھنے لگے جو وہ اونٹوں کو اٹھانے کے لیے کر رہے تھے۔ راجہ کو بھی خبر ہو چکی تھی۔ سو وہ بھی موقعہ پر پہنچ گیا۔ جب کسی طور بھی اونٹ اپنی جگہ سے نہ ہلے تو بالآخر ساربانوں کو حضرت خواجہ کے الفاظ یاد آ گئے جو انھوں نے میدان سے اٹھتے ہوئے کہے تھے۔ انھوں نے ڈرتے ڈرتے مہاراجہ سے ذکر کیا۔ پرتھوی راج یہ سن کر جہاں حد سے زیادہ خوفزدہ ہو گیا وہیں ساربانوں پر بھی آنکھیں نکالیں اور کہنے لگا کہ جاؤ انھی بزرگ سے جا کر معافی مانگو اور عزت و احترام سے ان کی جو خواہش ہو پوری کرو۔ ساربان کانپتے کانپتے آپ کے پاس پہنچے اور آپ کے قدموں میں گر کر معافی کے طلبگار ہوئے۔ آپ نے کہا تمھارے راجہ کے اونٹ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ جاؤ، جا کر اپنا کام کرو۔ ساربان گھبرا کر کھڑے ہوئے اور میدان کی طرف دوڑ لگا دی۔ جہاں واقعی اونٹ میدانوں میں کھڑے تھے۔ اس واقعہ کے بعد خواجہ معین الدین چشتی کی شہرت علاقہ بھر میں پھیل گئی۔

اناساگر، جہاں خواجہ نے اپنا نیا ٹھکانہ بنایا تھا اس جگہ ہندوؤں کے لاتعداد مندر تھے۔ یہ جگہ انادیوی نامی راجہ نے بنوائی تھی۔ خواجہ صاحب نے اسی جگہ کو اپنی تبلیغ کے لیے منتخب کر لیا اور یہیں بیٹھ کر کفرستان میں نورِ حق سے اجالا کرنے لگے۔ آپ کی پُراثر تبلیغ اور پھر دینِ حق کی کرامات سے اردگرد کے لوگ جوق در جوق مسلمان ہونے لگے۔ یہ صورتحال دیکھ کر علاقے کے مندروں کے پنڈتوں سمیت عام متعصب ہندوؤں میں تہلکہ مچ گیا اور انھوں نے پرتھوی راج کو اس کے خلاف کارروائی کے لیے آمادہ کرنا شروع کیا۔

پرتھوی راج میں اتنی عقل تو بہر حال تھی ہی کہ وہ ایک مسلمان صوفی سے جھگڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ عیار ذہن کا شخص تھا۔ اس نے سوچا یہ مسلم صوفی جو کرامات دکھاتا ہے ان کا مقابلہ کسی ایسے ہی بندے سے کروانا چاہیئے۔ اس نے اس سلسلے میں اجمیر کے سب سے بڑے مہنت رام دیو کو حکم دیا کہ جا ان درویش اور ان کے مریدوں سے مل۔ یہ لوگ تو مجھے جاسوس سمان دکھائی دیتے ہیں۔ پرنتو ایسا نہ ہو کہ ہم غفلت میں مارے جائیں اور یہ اسلامی راج کی راہ ہموار کر کے چلتے بنیں۔ تو جا انھیں ٹٹول اور کسی طرح اجمیر سے بھی نکال دے۔ اگر طاقت بھی استعمال کرنا پڑے تو ادش کرنا۔

رام دیو پنڈتوں اور پجاریوں کے ایک ہجوم میں بڑی شان سے گردن اکڑائے خواجہ کے آستانے کی طرف بڑھا اور جیسے ہی ان کے روبرو پہنچا، خواجہ نے اپنی ایک ہی نگاہ ان پر ایسی ڈالی کہ اس بزرگِ کامل کی نگاہ کو باطل کا جگھٹا سہہ نہ سکا اور اگلے ہی لمحے اس غول کا سردار رام دیو مہنت آپ کے قدموں میں گرا اسلام کی امان میں آنے کا ورد کر رہا تھا۔ آپ نے اسے حلقۂ اسلام میں لانے کے لیے کلمۂ توحید پڑھایا اور اس کا نام شادی دیو رکھ دیا۔

رام دیو کے مسلمان ہوتے ہی ہندوؤں اور خود راجہ کے دل میں آپ کا خوف چھا گیا۔ ہندوستان میں جادو عام تھا وہ لوگ آپ کو بھی ایک ساحر سمجھنے لگے اور خیال کرتے لگے کہ آپ اپنی انھی ساحرانہ قوتوں کے بل بوتے پر ہندوؤں کو مسلمان کر رہے ہیں۔ چنانچہ راجہ نے سوچا کہ مسلمان ساحر کے مقابلے پر کوئی ساحر ہی لایا جائے۔ اس زمانے میں اجمیر اور آس پاس کے علاقوں میں جے پال نامی ساحر کا بڑا چرچا تھا۔ راجہ نے اسے فوراً اجمیر طلب کیا اور خواجہ غریب نواز کے مقابلے کے لیے آمادہ کیا۔ ادھر خواجہ صاحب کو بھی جے پال جوگی کے آنے کا علم ہو گیا۔ آپ نے وضو کیا اور اپنے ہمراہیوں کے گرد عصا مبارک سے دائرہ بنا دیا اور ارشاد فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ دشمن اس دائرے کے اندر نہ آسکیں گے چنانچہ جب جے پال نزدیک آیا اس کے ہمراہیوں کا پیر دائرے کے اندر پڑا اور وہ بیہوش ہو کر گر پڑے جے پال نے یہ بندوبست کیا کہ حضرت خواجہ کے ہمراہیوں کو اناساگر سے پانی نہ لانے دیں۔ جونہی حضرت خواجہ کو ان لوگوں کی اس حرکت کا علم ہوا حضرت خواجہ نے شادی دیو کو حکم دیا کہ جس طرح ممکن ہو ایک پیالہ پانی اس تالاب میں سے لے آئے۔ حضرت خواجہ کے حکم کے مطابق شادی نے تالاب سے پیالہ بھر لیا۔ پیالہ کے بھرتے ہی تالاب کا پانی ایسا خشک ہوا کہ جیسے کبھی اس میں پانی ہی نہیں تھا۔ پیالے

کی یہ کیفیت تھی کہ ہر چند اس میں سے پانی خرچ ہوتا تھا مگر پانی پیالے میں جُوں کا تُوں رہتا۔ پانی کے خشک ہو جانے سے جے پال کے ساتھیوں کو بہت تکلیف ہوئی۔ جے پال یہ دیکھ کر دائرۂ حصار کے قریب آیا اور کھڑے ہو کر آواز دی کہ بندگانِ خدا پیاسے مرے جاتے ہیں اور آپ تماشا دیکھ رہے ہیں۔ فقیر کو رحم و کرم کرنا چاہیئے نہ کہ ظلم۔ فقیروں کا کام بندگانِ خدا کی پیاس بجھانا ہے۔ حضرت خواجہ چشتیؒ نے جے پال کی منت و زاری پر شادی دیو کو حکم دیا کہ پانی کا پیالہ تالاب میں ڈال دو۔ ڈالتے ہی معاً تالاب بدستور پانی سے بھر گیا۔ جادوگروں نے تالاب کو پانی سے بھرا ہوا دیکھ کر پھر جادو کرنا شروع کیا۔ پہاڑ سے ہزارہا سیاہ سانپ نکل کر حضرت خواجہ کی طرف آنے شروع ہوئے۔ مگر جو سانپ قریب دائرے کے آیا دائرے کی لکیر پر سر رکھ کر رہ گیا۔ جب یہ عمل بھی کارگر نہ ہوا تو پھر آسمان سے آگ برسنی شروع ہوئی۔ آگ کے ڈھیر لگ گئے، ہزاروں درخت جل گئے مگر دائرہ حصار میں کچھ نقصان نہ ہوا۔

آخر جے پال جوگی نے ایک مرگ چھالے میں بیٹھ کر ہوا میں اڑنا شروع کر دیا۔ خواجہ غریب نواز نے اپنی کھڑاؤں اتاری اور ہوا میں اچھال دی۔ کھڑاؤں ہوا میں بلند ہوتی گئی، یہاں تک کہ جے پال کی کھوپڑی اس کی پہنچ میں آ گئی۔ چنانچہ عین جے پال کے سر پہ پہنچ کر کھڑاؤں نے منڈلانا شروع کر دیا اور جے پال کے سر پر ضربیں لگانے لگی جے پال نے ہر ممکن کوشش بچنے کی اختیار کی مگر کھڑاؤں کہاں رکنے کا نام لینے والی تھی۔ بالآخر تکلیف کی شدت سے عاجز آ کر جے پال فوراً مرگ چھالہ سمیت زمین پر اترا اور آپ کے قدموں میں گر کر اعترافِ شکست کیا۔ ساتھ ہی اسلام قبول کرنے کا خواہشمند ہوا۔

خواجہ غریب نواز نے اسے معاف کرتے ہوئے مسلمان کیا اور اس کا نام عبداللہ رکھ دیا۔

۲۴۹۔ حضرت بابا فریدؒ کے ہاتھوں جوگی کا قبولِ اسلام

حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ یہ تعمیل اشارہ ربانی اجودھن تشریف لے گئے آپ کی بزرگی اور کرامات کا شہرہ ہر جگہ ہو چکا تھا اور ہر چہار طرف سے بڑے بڑے غیر مسلم جوگی آپ کی آزمائش کے لیے آتے تھے۔ ایک جوگی اجودھن میں بھی مقیم تھا اور وہاں کے لوگ بکثرت اس کے معتقد تھے۔ یہ جوگی اپنے طریقے کے مطابق جوگ کی بہت سی مشقیں کر چکا تھا اور حبسِ دم میں بھی ماہر تھا۔ اس کا قاعدہ تھا کہ وہ ہفتے میں صرف ایک بار گائے کا دودھ پیتا تھا۔ اس کے بیشمار معتقدین آٹھویں دن اس کیلئے

دودھ لاتے تھے اور وہ شخص اتنی مشق بہم پہنچا چکا تھا کہ جس قدر دودھ آتا سب پی جاتا تھا۔ اس کے بہت سے چیلے اور شاگرد بھی اس کے پاس رہتے تھے۔ جوگ میں اگرچہ بہت کچھ حاصل کر چکا تھا مگر وہ اس سے مطمئن نہ تھا اور کسی ایسے استاد کا متلاشی تھا جو اسے اور کچھ کمالات سکھلائے۔ حضرت بابا صاحب کی تشریف آوری کا اسے علم ہوا تو ایک دن اپنے تمام شاگردوں اور چیلوں کی جماعت ہمراہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے ارادے سے روانہ ہوا۔ راہ میں اس نے اپنے دل میں حضرت بابا صاحب کی بزرگی اور کرامت کا ایک امتحان یہ مقرر کیا کہ اگر حضرت کامل ہیں تو میرے کانوں سے سونے کی مندریاں خود بخود نکل کر گر پڑیں گی۔ جب وہ آپ کی خدمت میں پہنچا تو حضرت بابا صاحب پر فضل الٰہی سے اس کے دل کا حال منکشف ہو گیا اور آپ نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا تو فوراً اس کے دونوں کانوں کی مندریاں نکل کر زمین پر گر گئیں۔ پہلے امتحان میں یہ حال دیکھ کر اس نے اپنے دل میں خیال کیا کہ حضرت بابا صاحب کی کرامت اب اس میں ہے کہ یہ مندریاں یہیں پیوند زمین ہوں۔ اور تخم کی طرح پھوٹ آئیں۔ اور ان میں شاخیں بھی نکل آئیں۔ خدا کے فضل سے حضرت کو یہ خیال بھی معلوم ہو گیا اور مندریاں زمین میں دھنس گئیں اور آنِ واحد میں وہاں پودے اُگ آئے اور ان میں شاخیں نکل آئیں۔ ان دونوں امتحانات کے بعد وہ جوگی آپ کا معتقد ہو گیا اور جس منزل میں خود تھا اس سے آگے کی دریافت کے ارادے سے اس نے حضرت بابا صاحب سے عرض کیا کہ میں ایک امتحان اور لینا چاہتا ہوں۔ میں خود غائب ہوتا ہوں آپ مجھے تلاش کر کے لے آئیے، میں مرید ہو جاؤں گا۔ یہ کہہ کر وہ زمین پر چت لیٹ گیا، اور حبسِ دم کی مشق کے ذریعے اس نے اپنی روح جسم سے نکال دی۔ رُوح پرواز کرنے لگی۔ آپ نے فوراً مراقبہ کیا تو دیکھا کہ جوگی کی روح عالمِ ملکوت کی سیر کر رہی تھی۔ آپ نے فوراً اس کی روح کو روک لیا اور اس رُوح سے فرمایا اب اور آگے بڑھنے کی جراٴت نہ کر۔ یہاں تک تیری رسائی محض اس وجہ سے ہو سکی کہ تجھے حق کی تلاش ہے۔ اس مقام سے آگے بڑھنے کی اجازت صرف اہل ایمان کو ہے۔ اور وہ چیز جو تجھے حاصل نہیں، مناسب یہی ہے کہ واپس لوٹ آ۔ یہ سن کر اس کی روح واپس آ گئی۔ جوگی اٹھ بیٹھا۔ اور ہوش میں آتے ہی آپ کے قدموں پر سر رکھ دیا اور دولتِ ایمان سے مالا مال ہو گیا۔

(انوار الفرید)

۲۵۰۔ حضرت بابا فریدالدینؒ اور ایک مُلّا کا واقعہ

حضرت سلطان المشائخ حضرت مولانا خواجہ سید بدرالدین اسحٰق کے حوالے سے فرماتے تھے، کہ اجودھن کے قریب کوئی مُلا صاحب رہتے تھے جن کو اپنے علم کا بہت گھمنڈ تھا اور درویشوں کو بے علم سمجھ کر حقارت سے دیکھا کرتے تھے۔ ایک دن وہ حضرت شیخ العالم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت مجلس میں کئی لوگ موجود تھے۔ مُلا صاحب نے اپنی علمیت اور ہمہ دانی کے قصے بیان کرنے شروع کیے۔ حضرت شیخ العالم نے ان کے قصے سُنتے سُنتے ان سے پوچھا کہ مولانا اسلام کے رکن کتنے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا پانچ ہیں۔ ایک کلمہ، دوسرا نماز، تیسرا روزہ، چوتھا زکوٰۃ، پانچواں حج۔ حضرت شیخ العالم نے فرمایا، میں نے تو چھٹا رکن بھی سنا ہے۔ مُلا صاحب نے بگڑ کر جواب دیا، چھٹا رکن کوئی نہیں ہے۔ آپ نے جو کچھ سنا غلط سنا۔ حضرت نے جواب دیا جی نہیں میں نے معتبر اہل علم سے سنا ہے کہ اسلام کا چھٹا رکن روٹی ہے۔

اس پر مُلا صاحب کو غصہ آیا اور انھوں نے کہا مجھے آپ لوگوں سے اسی لیے اختلاف رہتا ہے کہ آپ لوگ بے علم اور کم علم ہوتے ہیں لیکن عالم بننے کی کوشش میں خواہ مخواہ دخل در معقولات کرتے رہتے ہیں۔ میں نے جو پانچ رکن بیان کیے ہیں یہ حدیثوں میں موجود ہیں، فقہ میں موجود ہیں۔ آپ جس چھٹے رکن کو بیان کرتے ہیں وہ نہ حدیثوں میں ہے نہ فقہ میں۔ حضرت شیخ العالم نے تبسم کے بعد فرمایا نہیں مولانا! وہ قرآن میں بھی ہے۔ حدیث میں بھی ہے اور فقہ میں بھی ہے۔ یہ سن کر مولانا کو اتنا زیادہ غصہ آیا کہ وہ کھڑے ہو گئے اور انھوں نے کہا اللہ فرماتا ہے فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ نصیحت کے بعد ظالم قوم کے پاس نہ بیٹھ اس لیے میں جاتا ہوں۔ شیخ العالم نے بہت نرمی کے ساتھ ان کو ٹھہرانا چاہا مگر مُلا صاحب نہ ٹھہرے اور چلے گئے۔

جب مُلا صاحب حضرت بابا کی مجلس سے ناراض ہو کر چلے گئے تو انھوں نے کچھ عرصے کے بعد حج کے سفر کا ارادہ کیا اور پوری تیاری کے بعد روانہ ہوئے۔ مکہ معظمہ میں پہنچ کر سات برس وہاں قیام کیا۔ اس کے بعد ہندوستان کے جہاز میں سوار ہو کر واپسی کے خیال سے روانہ ہوئے۔ دو چار دن کے بعد سمندر میں سخت طوفان آیا اور مُلا صاحب کا جہاز طوفان کے باعث تباہ ہو گیا۔ مُلا صاحب

جہاز کے ایک تختے پر بہتے ہوئے کنارے پر پہنچے اور تختے سے اتر کر خشکی میں آئے۔ وہاں سوکھے پہاڑ تھے۔ نہ درخت نہ گھاس تھی۔ ملا صاحب تین دن بھوک پیاس کی حالت میں ایک غار میں بیٹھے رہے۔ یکایک وہاں ایک آدمی آیا جس کے سر پر خوان تھا اس نے آواز دی کہ میں روٹی فروخت کرتا ہوں۔ انھوں نے اس سے کہا کہ میں عالم ہوں اور میں نے سات حج کیے ہیں۔ میرا جہاز تباہ ہو گیا ہے۔ میرے پاس ایک پیسہ بھی موجود نہیں ہے اور میں تین رات دن سے بھوکا پیاسا ہوں۔ اس شخص نے جواب دیا میرے پاس کھانا بھی ہے اور پانی بھی ہے مگر میں دکاندار ہوں، بغیر قیمت کے کھانا پانی نہیں دے سکتا۔ انھوں نے کہا کیا تم مسلمان ہو؟ اس نے جواب دیا ہاں الحمد للہ۔ ملا صاحب نے اس کو مسافروں مہمانوں اور مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرنے کی نسبت وعظ سنایا اور سمجھایا کہ تو مجھ بھوکے پیاسے کو کھانا اور پانی دے دے۔ اس نے کہا یہ سب کچھ ٹھیک ہے لیکن میں بغیر قیمت کے کھانا پانی نہیں دے سکتا۔ یہ کہہ کر وہ جانے لگا تو ملا صاحب نے اس سے کہا تو کیسا مسلمان ہے، تجھے رحم نہیں آتا۔ اس نے مڑ کر جواب دیا اگر میں رحم کروں تو آج ہی میری دکانداری کا خاتمہ ہو جائے۔ اچھا میں رحم کرتا ہوں، تم اپنی زبان سے یہ کہہ دو کہ سات حج کا ثواب تم نے مجھے دیا۔ ملا صاحب نے خیال کیا کہ زبان سے کہہ دینا کوئی چیز نہیں ہے اور اس سے میرا ثواب نہیں جا سکتا۔ اس لیے انھوں نے کہا میں نے تجھے روٹی اور پانی کے بدلے سات حج کا ثواب دیا۔ اس شخص نے یہ سنتے ہی خوان ان کے آگے رکھ دیا اور انھوں نے پیٹ بھر کے روٹی کھائی اور ٹھنڈا پانی پیا۔ اس کے بعد اس سے پوچھا تو کہاں رہتا ہے اور کیا یہاں کوئی آبادی بھی ہے؟ اس نے جواب دیا میں روٹی فروخت کرتا ہوں۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ یہ کہہ کر وہ اپنے خالی برتن لے کر غار سے باہر گیا اور ملا صاحب جھپٹ کر اس کے پیچھے روانہ ہوئے تاکہ دیکھیں وہ کدھر سے آیا تھا لیکن باہر نکلتے ہی وہ پہاڑوں کے چکروں میں کہیں غائب ہو گیا۔ ہر چند تلاش کیا لیکن کہیں نہ ملا۔ آخر مجبور ہو کر ملا صاحب دریا کے کنارے آن بیٹھا کہ شاید کوئی کشتی یا جہاز ادھر سے گزرے، یہاں تک کہ تین رات دن گزر گئے اور ان کی حالت بھوک اور پیاس سے پھر خراب ہو گئی۔ تب وہی شخص پھر سر پہ خوان رکھے دکھائی دیا اور اس نے اس شرط پر ان کو روٹی کھلائی کہ ساری عمر کے روزوں کا ثواب زبانی ان سے لے لیا آج بھی جب وہ جانے لگا تو ملا صاحب اس کے پیچھے دوڑے مگر وہ پھر کہیں غائب ہو گیا۔ اور

تین رات دن غائب رہا۔ اور جب ان کی حالت بھوک پیاس کے سبب بہت خراب ہو گئی تب وہ پھر کھانا لے کر آیا اور ساری عمر کی زکوٰۃ کا ثواب لے کر چلا گیا۔ اس کے بعد وہ تین رات دن کے بعد پھر کھانا لے کر آیا اور ساری عمر کی نمازوں کا ثواب لے کر چلا گیا۔ آخر اب کے تین رات دن کی بھوک پیاس کے بعد وہ کھانا لے کر آیا تو مُلا صاحب نے کہا میں سات حج کا ثواب دے چکا، ساری عمر کے روزوں کا ثواب دے چکا، ساری عمر کی زکوٰۃ کا ثواب دے چکا، ساری عمر کی نمازوں کا ثواب دے چکا۔ اب میرے پاس کچھ نہیں جو میں تجھے دوں۔ اس شخص نے کہا یہ کاغذ اور قلم دوات لایا ہوں اس پر لکھ دیجیے، کہ میں نے ایک وقت کی روٹی اور پانی کے بدلے سات حجوں کا ثواب فروخت کیا۔ پھر ساری عمر کے روزوں کا ثواب فروخت کیا، پھر ساری عمر کی زکوٰۃ کا ثواب فروخت کیا، پھر ساری عمر کی نمازوں کا ثواب فروخت کیا اور آج میں ایک وقت کی روٹی اور پانی کے بدلے یہ تحریر دیتا ہوں۔

چنانچہ مُلا صاحب نے یہ عبارت لکھ دی اور اس کے بعد انھوں نے اپنا نام اور مقام اس کاغذ پر لکھ دیا اور وہ کاغذ اس کو دے دیا۔ اس نے کھانا پانی مُلا صاحب کے سامنے رکھا اور مُلا صاحب کے کھانے کے بعد ملا صاحب نے اس سے کہا، خدا کے لیے مجھے بتاؤ کہ تم کہاں رہتے ہو میں تمہارے ساتھ وہاں چلوں اور اپنی روزی کے لیے کچھ محنت مزدوری کروں۔ کیونکہ اب میرے پاس تمھیں دینے کے لیے کچھ بھی باقی نہیں رہا ہے۔ اس شخص نے خفا ہو کر کہا کہ میں تمھیں کچھ نہیں بتا سکتا۔ یہ کہہ کر اس نے برتن اٹھائے اور کاغذ جیب میں رکھا اور پہاڑ کی طرف چلا۔ مُلا صاحب تازہ دم تھے۔ دوڑے کہ اس کو پکڑ کر مجبور کریں اور آبادی کا راستہ پوچھیں۔ وہ بھی بھاگا اور مُلا صاحب بھی اس کے پیچھے بھاگتے رہے یہاں تک کہ آگے جا کر اس نے ٹھوکر کھائی اور وہ گرا۔ مُلا صاحب خوش ہوئے کہ اب میں اس کو پکڑ لوں گا اس لیے انھوں نے بہت تیزی سے دوڑنا شروع کیا لیکن انھوں نے بھی ٹھوکر کھائی اور گر پڑے اور قبل اس کے کہ وہ اٹھیں وہ شخص اپنا دامن لے کر بھاگ اور نظروں سے غائب ہو گیا۔ آخر مجبور ہو کر مُلا صاحب سمندر کے کنارے آئے اور عبادت کے موقع وہاں بیٹھ گئے۔ یکایک انھوں نے دور سے دیکھا ایک جہاز جا رہا ہے۔ انھوں نے اپنا عمامہ سر سے اتار لیا اور اس کو ہلا ہلا کر چیخنا شروع کیا کہ میری مدد کرو، میری مدد کرو، میری مدد کرو۔ جہاز والوں نے جہاز روک لیا اور ایک کشتی ان کے پاس بھیجی اس میں سوار ہو کر جہاز پر آئے اور جہاز میں سوار ہوئے۔ اس جہاز میں کافی لوگ سوار تھے اور ہندوستان

جارہے تھے انھوں نے مُلا صاحب کی بڑی خاطر کی اور بہت آرام سے مُلا صاحب ہندوستان پہنچ گئے ، اپنے گھر میں آئے بال بچوں کو دیکھا اور اس کے بعد ایک دن حضرت شیخ العالم سے ملنے آئے ۔ جب مُلا صاحب حضرت بابا صاحب کی مجلس میں حاضر ہوتے اس وقت بڑے بڑے علماء اور مشائخ حضرت کی خدمت میں دست بستہ حاضر تھے ۔ حضرت بابا صاحب کی نظر مُلا صاحب پر پڑی تو تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے اور بہت ہی اخلاق کے ساتھ ارشاد فرمایا آئیے مُلا صاحب ، بہت عرصے کے بعد آنا ہوا ۔ ہم تو ہمیشہ آپ کو یاد کرتے رہتے تھے ۔ کہیے کیا وجہ ہوئی جو اتنے عرصے تک آپ یہاں نہیں آئے ؟

مُلا صاحب نے اپنی خشک عادت کے موافق حضرت سے مصافحہ کیا اور حضرت کے قریب بڑی نخوت اور تمکنت کے ساتھ بیٹھ گئے ۔ حاضرینِ مجلس کو مُلا صاحب کی یہ ادا بہت ناگوار ہوئی ۔ کیونکہ مُلا صاحب حضرت کے قریب اس طرح بیٹھے تھے گویا وہ حضرت کے ہمسر ہیں یا حضرت سے بھی زیادہ ان کا درجہ اور مرتبہ ہے ۔ مگر حضرت بابا صاحب کے رعب کے سبب سب خاموش تھے اور کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ حضرت کے مہمان کو ادب سے بیٹھنے کے لیے کچھ کہتا ۔

آخر حضرت بابا صاحب نے مُلا صاحب سے پوچھا ، ہاں مُلا صاحب ! آپ نے بتایا نہیں کہ اتنی مدت تک کیوں نہیں آئے تھے ۔ مُلا صاحب نے نہایت غرور اور تکبر کے انداز سے جواب دیا جناب میں اس ملک میں موجود نہ تھا ، حج کرنے گیا تھا ۔ سات برس تک مکہ معظمہ میں رہا اور سات دفعہ مدینہ منورہ کی زیارت کی اور سات حج کیے ۔ حرمین میں نمازوں اور روزوں کا جو زیادہ ثواب ملتا ہے وہ سب میں نے حاصل کیا اور اب سات برس کے بعد وہاں سے واپس آیا ہوں ۔ واپسی میں جہاز کی تباہی کا صدمہ بھی اٹھایا مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے راستے کی مصیبتیں ختم ہوئیں اور میں بخیریت تمام اپنے گھر پہنچ گیا ۔ اور سب اہل و عیال کو سلامت اور خوش و خرم دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لایا ۔

حضرت بابا صاحب نے مُلا صاحب کا بیان سن کر ارشاد کیا کہ آپ بڑے خوش نصیب ہیں سات حج کیے ، سات بار مدینہ منورہ کی زیارت کی ، سات برس تک حرمین میں نمازیں پڑھیں ، سات رمضانوں کے روزے رکھے سبحان اللہ بڑی سعادتیں آپ نے حاصل کیں ۔ مگر یہ تو فرمائیے

کہ آپ اب تو ہم سے خفا نہیں؟ مُلا صاحب نے جواب دیا کہ میں خفا ہی کب تھا؟ حضرت نے فرمایا سات سال پہلے آپ یہاں سے ناراض ہو کر گئے تھے۔ میں اسی خفگی کا ذکر کر رہا ہوں۔ مُلا صاحب نے کہا مجھے یاد نہیں کہ کیا بات ہوئی تھی۔ آپ یاد دلائیے شاید مجھے یاد آجائے۔

حضرت نے فرمایا ہم نے آپ سے سوال کیا تھا کہ اسلام کے رکن کتنے ہوتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا تھا کہ اسلام کے پانچ رکن ہوتے ہیں۔ ایک کلمہ، دوسرے نماز، تیسرے رمضان کے روزے، چوتھے زکوٰۃ، پانچویں کعبے کا حج۔ تو ہم نے کہا تھا کہ اسلام کا چھٹا رکن روٹی بھی ہے۔ اس سے آپ خفا ہو کر یہاں سے چلے گئے تھے اور قرآن مجید کی ایک آیت پڑھی تھی کہ نصیحت کرنے کے بعد ظالموں کے پاس نہ بیٹھو۔ گویا اس طرح آپ نے ہم کو ظالم قرار دیا تھا اور ہم کو اس بات کا بڑا صدمہ تھا اور ہم روزانہ آپ کو یاد کرتے رہتے تھے۔

یہ سن کر مولانا ہنسے اور انھوں نے کہا ہاں ہاں! مجھے یاد آیا یہ ٹھیک ہے میں اب بھی یہی کہتا ہوں کہ درویش لوگ بے علمی اور کم علمی کے سبب ایسی باتیں کہہ دیتے ہیں جو شریعت کے خلاف ہوتی ہیں۔ اسلام کے رکن تو پانچ ہی ہیں۔ چھٹا رکن کوئی نہیں ہے۔ حضرت نے فرمایا مولانا میں اگرچہ بے علم یا کم علم ہوں۔ لیکن میں نے یہ بات لکھی ہوئی دیکھی ہے کہ اسلام کا چھٹا رکن روٹی ہے۔ مولانا نے خفا ہو کر کہا اگر لکھا ہوا دیکھا ہے تو مجھے بھی دکھا دیجیے۔ حضرت نے اپنے خادم کو آواز دی کہ میری فلاں کتاب لانا۔ خادم ایک موٹی کتاب لے کر آیا۔ حضرت نے حاضرین سے فرمایا تم میرے پاس سے ذرا ہٹ جاؤ۔ سب لوگ دور ہٹ گئے۔ حضرت نے مولانا کو اور قریب بلایا اور کتاب کے اوراق الٹ الٹ کر وہ عبارت ڈھونڈنے لگے جس کے لیے کتاب منگائی تھی۔ یکایک حضرت نے فرمایا یہ دیکھیے یہ عبارت موجود ہے۔ مرشد نے جھک کر کتاب کو دیکھا اس کتاب میں کوئی حرف نہ آیا۔ سادہ ورق تھا۔ چاہتے تھے کہ یہ کہیں کہ یہ ورق تو سادہ ہے۔ یکایک مولانا کو ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی وہ عبارت نظر آئی جو انھوں نے پہاڑ کے کھانا کھلانے والے کو دی تھی۔ جونہی مولانا نے اپنے ہاتھ کی تحریر پڑھی ایک چیخ ماری حضرت نے کتاب بند کر دی اور مولانا حضرت کے قدموں میں گر پڑے۔ توبہ کی اور اسی وقت بیعت کے شرف سے مشرف ہوئے اور اس دن سے سکوت اختیار کیا۔ پھر مرتے دم تک کبھی انھوں نے کسی سے بات نہ کی۔ اکثر گریہ ان پر طاری رہتا تھا۔ (انوار اصفیاء)

۲۵۱۔ حضرت بابا فریدالدین کی دعا سے بیوی واپس مل گئی

حضرت شیخ العالم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے اپنی مصیبت بیان کی کہ اس کی بیوی کو ڈاکو چھین کرلے گئے ہیں اور اس وقت سے اس نے کھانا چھوڑ دیا ہے۔ حضرت نے اس سے فرمایا میں دعا کروں گا تمھاری بیوی تم کو مل جائے گی۔ تم کھانا نہ چھوڑو۔ چنانچہ اس نے کھانا کھایا اور چند روز حضرت کی خدمت میں حاضر رہا۔ ایک دن وہ حضرت کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص بادشاہی آدمیوں کی حراست میں ہتھکڑیاں بیڑیاں پہنے ہوئے آیا اور اس نے حضرت سے دعا کی درخواست کی اور کہا کہ مجھے دہلی کے بادشاہ کے پاس لے جارہے ہیں معلوم نہیں میرا حشر ہو۔ اس واسطے میں ان سپاہیوں کو راضی کرکے یہاں تک پہنچا ہوں اور اب دہلی جارہا ہوں۔ حضرت نے جواب دیا ہم دعا کریں گے ہمارے اس مہمان کو بھی اپنے ساتھ دہلی لیتے جاؤ۔ اگر تم کو دہلی جاکر رہائی مل جائے تو ہمارے اس مہمان کو ایک لونڈی دلوا دینا۔ اس شخص نے جواب دیا بسروچشم اس کی تعمیل کروں گا۔ چنانچہ وہ شخص حضرت کے مہمان کو لے کر دہلی گیا اور بادشاہ کے سامنے اس کی پیشی ہوئی۔ بادشاہ نے اس کو بے قصور سمجھ کر رہا کردیا۔ رہا ہونے کے بعد اس نے بازار سے ایک خوبصورت لونڈی خریدی اور حسب وعدہ حضرت شیخ العالم کے مہمان کو دے دی۔ مہمان نے دیکھا تو یہ لونڈی اس کی وہی بیوی تھی جسے ڈاکو چھین کرلے گئے تھے۔ (انوار اصفیا)

۲۵۲۔ پیرومرشد پر پختہ یقین

ابتدائی زمانہ میں ایک دفعہ ایسا ہوا کہ حضرت خواجہ صاحب اجمیری دہلی میں آئے ہوئے تھے۔ اور حضرت باباصاحب بھی دہلی میں حضرت خواجہ قطب صاحب کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے۔ حضرت خواجہ صاحب اجمیری نے خواجہ قطب صاحب سے فرمایا آؤ ہم تم دونوں مسعود کو فیض اور نعمت دیں چنانچہ انھوں نے باباصاحب کو بیچ میں کھڑا کرلیا اور دونوں بزرگوں نے باباصاحب کو کھڑے ہوکر توجہ دینی شروع کی اور باطنی نعمتوں سے مالامال کردیا اس کے بعد حضرت خواجہ قطب صاحب نے باباصاحب سے فرمایا مسعود! دادا پیر کے قدموں میں سر رکھو۔ باباصاحب نے حضرت خواجہ صاحب

کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ خواجہ صاحب نے فرمایا میں کہتا ہوں داد ا پیر کے قدموں میں سر رکھو۔ تم میرے قدموں میں سر جھکاتے ہو۔ بابا صاحب نے جواب دیا ان قدموں کے سوا اور قدم نظر نہیں آتے یہ جواب سن کر حضرت خواجہ صاحب اجمیری نے فرمایا بختیار! بختیار! مسعود ٹھیک کہتا ہے۔ وہ منزل کے دروازے پر پہنچ گیا ہے۔ جہاں وحدت کے سوا دُوئی کا نام باقی نہیں رہتا۔ پھر کیونکر اس کو تیرے سوا میں نظر آؤں۔ (انوار اصفیاء)

۲۵۳۔ قاضی کی چیرہ دستی کا انجام

کہتے ہیں کہ اجودھن کا قاضی آپ کی کرامات اور مقبولیت دیکھ کر دشمن ہو گیا اور مختلف طریقوں سے آپ کو تکلیف پہنچانے کی تاک میں رہنے لگا۔ وہ طرح طرح سے بابا فرید کو تنگ کرتا اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ تنگ آ کر اس علاقے سے ترکِ سکونت اختیار کر جائیں۔ مگر بابا فرید اس کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ کہتے ہیں کہ بابا فرید اکثر اوقات دو دو گھنٹے تک طویل سجدوں میں رہتے۔ ایسے عالم میں موسمِ سرما کی شدت سے بچانے کی غرض سے آپ کے مرید آپ پر گرم کپڑے یا پوستین وغیرہ ڈال دیا کرتے ایک روز جب مرید بابا فرید کے سجدے سے سر اٹھاتے کے منتظر تھے تو ایک قلندر اندر داخل ہوا۔ اس نے بابا فرید کو سر بسجود دیکھا تو اظہار ناراضگی کیا اور بلند آواز سے ان کی شان میں کلمات بے ادبی کہنے لگا۔ مرید سانس روکے ہوئے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ قلندر کی بے ادبی اور گستاخی بڑھتی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ بابا فرید کے کانوں تک بھی اس کی آواز پہنچ گئی۔ آپ نے سجدے سے سر اٹھائے بغیر فرمایا کوئی ہے؟

حضرت نظام الدین بھی اس وقت حاضرین میں شامل تھے۔ باادب ہو کر بولے۔ حضور آپ کا غلام نظام الدین خدمت میں حاضر ہے۔ آپ نے دریافت کیا کہ جو قلندر اندر آیا ہے اس کی کمر میں کیا زنجیر بندھی ہوئی ہے؟

قلندر اب اتنا خوفزدہ ہو گیا تھا کہ مزید گفتگو کی تاب نہ لا سکا اور تیزی سے سر پر پیر رکھ کر بھاگ گیا۔ بعد میں یہ انکشاف ہوا کہ یہ شرارت اجودھن قاضی نے کی تھی۔ اس نے قلندر کو معقول رقم بطورِ انعام عطا کرنے کا وعدہ کیا تھا بشرطیکہ وہ بابا فرید کی زندگی کا چراغ گل کر دے مگر قلندر آپ کی جلالت

کی تاب نہ لا سکا اور فرار ہو گیا۔ انھوں نے جواب دیا جی ہاں! پوچھا کہ اس کے کانوں میں ہاتھی دانت کے سفید حلقے بھی موجود ہیں؟ جواب ملا حضرت بیشک ایسا ہی ہے۔ قلندر اس موقعہ پر گھبرا گیا مگر اپنی اس حرکت سے باز نہ آیا۔ بابا فرید کی آواز ایک بار پھر بلند ہوئی، نظام الدین! کیا اس کی کمر میں ایک چھُری بھی بندھی ہوئی ہے؟ تو پھر اس شخص سے کہو کہ اگر بہتری چاہتا ہے تو یہاں سے چپ چاپ چلا جائے ورنہ پچھتائے گا۔

کہتے ہیں کہ جب قاضی کی یہ کوشش ناکام ہو گئی تو اس نے دوسرے طریقے اختیار کیے۔ شہر کے حاکم کے پاس پہنچا اور شکایت کی کہ بابا فرید خلقِ خدا کو حاکم کے خلاف بغاوت پر اکساتے ہیں اور لوگوں میں بے چینی اور بد امنی پیدا کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ حاکم نے بھی قاضی کی باتوں میں آکر بابا فرید اور ان کے مریدوں اور لواحقین کو ستانے کا عمل شروع کیا۔ بابا فرید تو ان حرکات سے بے پرواہ تھے مگر لواحقین فکرمند ہو گئے۔ وہ خوفزدہ ہو کر سوچنے لگے کہ اگر یہی عمل رہا تو کچھ عرصے بعد ان لوگوں کی ہمتیں اتنی بڑھ جائیں گی کہ عزت و آبرو اور جان کی حفاظت کرنا بھی دُوبھر ہو جائے گا۔ چنانچہ جب حاکم کی چیرہ دستیاں حد سے بڑھ گئیں تو ایک دن آپ کے صاحبزادے بابا فرید کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے حاکم کی شکایت کرتے ہوئے بتایا کہ اس کے مظالم سے زندگی وبال ہو چکی ہے اور اس کی گستاخیاں بڑھتی جا رہی ہیں۔ بابا فرید خاموشی سے ان کی شکایت سنتے رہے۔ پھر آپ نے اپنے ہاتھ میں تھاما ہوا عصا زمین پر مارا۔ کہتے ہیں کہ اسی لمحے حاکم شہر شدید دردِ شکم میں مبتلا ہو گیا۔ حکیموں اور ویدوں نے بہتیرا علاج کیا مگر درد بڑھتا گیا جُوں جُوں دوا کی۔ یہاں تک کہ اسے احساس ہو گیا کہ اس پر یہ عذاب بابا فرید کی وجہ سے نازل ہوا ہے اس نے اپنے خادموں کو حکم دیا کہ اسے فی الفور بابا فرید کی خدمت میں لے چلیں۔ انھوں نے حکم کی تعمیل کی مگر حاکم شہر یہ مسافت طے کر کے بابا فرید کی خدمت میں پہنچنے سے پہلے ہی انتقال کر گیا۔ اجودھن کے قاضی اور دوسرے لوگوں کو حقیقتِ حال کا علم ہوا تو کانپ کر رہ گئے۔ (جواہر فریدی)

۲۵۴۔ گنج شکر کی وجہ تسمیہ

بابا فرید کو شیرینی بہت پسند تھی اور شکر آپ کی پسندیدہ تھی۔ اس بارے میں ایک روایت بھی

مشہور ہے۔ ایک بار شکر کے بیوپاری گدھوں پر شکر کی بوریاں لادے ہوئے آپ کے سامنے سے گزر رہے تھے۔ آپ نے ان سے تھوڑی سی شکر خریدنی چاہی مگر وہ بوریوں میں سے مختصر مقدار میں شکر فروخت کرنا نہیں چاہتے تھے اس لیے بہانہ بناتے ہوئے کہا کہ ان بوریوں میں شکر نہیں نمک ہے، آپ مسکرائے اور فرمایا ٹھیک ہے نمک کہتے ہو تو نمک ہی ہوگا۔ کہتے ہیں کہ یہ بیوپاری جب اپنی منزل پر پہنچے اور بوریوں کو کھول کر دیکھا تو ان میں واقعی شکر کی جگہ نمک بھرا ہوا تھا۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ کرامت ہو نہ ہو بابا فرید کی ہے۔ چنانچہ پشیمان ہو کر واپس بابا فرید کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا حضرت ہم بہت شرمسار ہیں کہ ہم نے آپ کے سامنے جھوٹ بول دیا تھا۔ ان بوریوں میں واقعی شکر ہی تھی۔ جواب نمک میں تبدیل ہو چکی ہے۔ ازراہِ کرم ہمارا قصور معاف فرمائیں اور اس کو دوبارہ شکر میں تبدیل کر دیں تو نوازش ہوگی۔ بابا فرید نے ان کی غلطی سے درگزر فرمایا اور ان کے لیے دعا کی جس کے نتیجے میں یہ نمک دوبارہ شکر میں تبدیل ہوگیا۔

آپ کو گنج شکر کے الفاظ سے بھی پکارا جاتا ہے اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ آپ کو بچپن ہی سے شیرینی سے بہت رغبت تھی جب آپ کی والدہ نماز پڑھنے میں مصروف ہوتیں تو اس سے پہلے ہی کمسن فرزند کے لیے مصری کی ڈلیاں نکال کر جائے نماز کے نیچے رکھ لیا کرتیں۔ جہاں سے ننھا فریدالدین مصری نکال کر کھا لیا کرتا۔ کئی بار ایسا ہی ہوا کہ والدہ مصری رکھنا بھول گئیں مگر آپ جب بھی جائے نماز کا کونہ اٹھاتے اس کے نیچے سے مصری کی ڈلیاں دستیاب ہو جاتیں۔ ایک اور روایت بھی مشہور ہے کہ آپ کی زبان سے اگر مٹی بھی چھو جاتی تو شکر بن جاتی۔ کیونکہ آپ کو شکر پسند تھی اور اللہ اپنے محبوب بندے کی خواہش کو ٹالنا نہیں چاہتا تھا اور اسی وجہ سے آپ گنج شکر کے لقب سے مشہور ہوئے۔

(جواہر فریدی)

۲۵۵۔ حضرت علی احمد صابر کا واقعۂ نکاح

ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی احمد صابر کی والدہ کے اصرار پر حضرت کا نکاح حضرت بابا فریدالدین گنج شکر کی صاحبزادی سے ہوگیا۔ رات ہوئی تو مخدوم صاحب کی والدہ محترمہ نے آپ کے حجرے میں چراغ روشن کر کے دلھن کو حجرہ میں پہنچا دیا۔ دلھن بہ پاسِ ادب دست بستہ کھڑی رہی

تہجد کے وقت جب آپ نے مراقبہ سے سر اٹھایا تو سامنے عورت کھڑی نظر آئی۔ آپ نے دریافت کیا تم کون ہو؟ کیوں کھڑی ہو؟ دلھن نے جواب دیا میں آپ کی زوجہ ہوں۔ خدمت گزاری کے لیے حاضر ہوں۔ حضرت مخدوم صاحب نے فرمایا خدا وحدہٗ لاشریک ہے اس کی کوئی بیوی نہیں۔ میں اس کا بندہ ہوں اور اس کے جمال میں گم ہوں۔ یہ فرما کر آپ پھر مراقبہ میں مشغول ہو گئے۔ آپ کے ان الفاظ پر جہاں آپ تھے وہاں جلالی انوارات الٰہی کا نزول ہوا۔ جنھیں آپ کی دلھن برداشت نہ کر سکی اور بیہوش ہو کر گر گئی اور کچھ دیر کے بعد قضائے الٰہی سے اللہ کو پیاری ہو گئی۔

حضرت مخدوم صاحب کی والدہ کے دل میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہو رہے تھے۔ وہ حضرت مخدوم صاحب کی مجذوب حالت سے باخبر تھیں۔ احتیاط کے طور پر انھوں نے حجرہ کا دروازہ کھلوایا۔ یہ دیکھ کر کہ مخدوم صاحب مراقبہ میں مصروف ہیں اور دلھن اللہ کو پیاری ہو گئی ہے۔ والدۂ محترمہ نے نہایت غصہ کی حالت میں حضرت مخدوم صاحب کی پشت پر زور سے ہاتھ مار کر فرمایا کہ میں نے تمھارے ماموں کی بیٹی سے تمھاری شادی کی تھی لیکن تم نے دلھن کو کیا کر دیا ہے، بتاؤ میں تمھارے ماموں کو کیا جواب دوں گی اور کیا منہ دکھاؤں گی؟ مخدوم صاحب نے جواب دیا اماں جان میرا کیا قصور ہے یہی رضائے الٰہی تھی۔ (تذکرہ حضرت علی احمد صابر۔ ص ۷)

۲۵۶۔ حضرت علی احمد صابر کی کرامت

حضرت شیخ جمال ہانسوی حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے سب سے پہلے خلیفہ تھے۔ حضرت بابا صاحب کو آپ سے بے حد محبت تھی۔ حضرت بابا جس کو خرقۂ خلافت عطا کرتے تو پہلے اس کو ارشاد فرماتے تھے کہ پہلے ہانسی جا کر خلافت نامہ پر مہر لگوالو۔ بغیر مہر کے کسی کو خلافت نامہ عطا نہ فرماتے تھے۔ چنانچہ اسی حکم کے تحت آپ حضرت جمال الدین ہانسوی کی خدمت اقدس میں دہلی پہنچ گئے اور آپ سے خلافت نامے پر مہر کی درخواست کی۔ رات کی تاریکی ہو چکی تھی۔ قطب صاحب نے فرمایا اس وقت موقع نہیں ہے اب آرام فرمائیے۔ صبح کو مہر و دستخط کر دیے جائیں گے۔ حضرت مخدوم صاحب نے اسی وقت مہر و دستخط کرنے پر اصرار کیا۔ چراغ طلب کیا گیا۔ اس روز ہوا زور سے چل رہی تھی۔ ہوا کا جھونکا آیا، چراغ گل ہو گیا۔ حضرت مخدوم صاحب نے اپنی انگلی پر کچھ پڑھ کر

دم کیا مثل شمع کے روشن ہوگئی اور فرمایا کہ اب بھی چراغ بجھ جائے گا!

حضرت شیخ صاحب نے آپ کی اس حرکت اور غصے پر بہت کچھ غور فرمایا کہ کہا کہ ابھی روشنی کم ہے صابر صاحب نے جھلا کر پھر انگلی پر دم کیا تو وہ مثل مشعل کے روشن ہوگئی۔ شیخ صاحب نے تب تو خیال فرمایا کہ جب ان کے غصے اور تنگ مزاجی کا یہ حال ہے تو یہ دہلی کی قطبیت کیا کریں گے۔ دو چار دن میں جلا کر خاک کر دیں گے۔ اور دہلی بلاوجہ تباہ و برباد ہو جائے گی۔ اور صابر صاحب سے فرمایا کہ بھائی تم تو بہت جوشیلی طبیعت کے آدمی ہو اور دہلی والے تمہارے غصہ اور جلال کی تاب نہ لا سکیں گے تم ذرا سی ہی بات پہ اس کو جلا کر خاک سیاہ کر دو گے۔ اس لیے میں نہیں مناسب سمجھتا کہ تمھیں دہلی میں رکھا جائے۔ یہ فرما کر سند قطبیت کو چاک کر دیا۔ حضرت صابر صاحب جو عین مظہر جلال تھے بھلا اس حرکت کی تاب کہاں لا سکتے تھے۔ غصہ میں آگ ہو گئے اور جلال میں آ کر فرمایا "تو سند من چاک کر دی، من سلسلۂ ترا بریدم" یعنی تم نے میری سند چاک کر ڈالی، میں نے بھی تمہارا سلسلہ قطبیت قطع کر دیا۔ یہاں یہ ہو رہا تھا اور ادھر بابا صاحب قدس اللہ سرہٗ اپنی مجلس میں ارشاد فرما رہے تھے کہ آج دین کے دو بڑے پہلوانوں میں لڑائی ہو رہی ہے خدا خیر کرے۔

اس واقعہ کے کچھ دنوں بعد حضرت مخدوم پاک حضرت بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے ہانسی کا واقعہ گوش گزار فرمایا۔ حضرت بابا صاحب نے فرمایا کہ جب جمال نے تمہارا قطبیت نامہ چاک کیا تو تم نے اپنی زبان سے کچھ کہا تو نہیں؟ مخدوم صاحب نے عرض کیا میں نے طیش میں آ کر یہ کہہ دیا تھا کہ تم نے میرے فرمان قطبیت کو چاک کیا، میں نے تمہارا سلسلہ چاک کر دیا۔ حضرت بابا صاحب نے پوچھا اول سے یا آخر سے؟ مخدوم صاحب نے جواب دیا "اول سے" حضرت بابا صاحب نے فرمایا دین کے پہلوانوں کا تیر خطا نہیں کرتا۔ خیر ہوئی کہ تم نے اول سے کہا آخر سلامت رہا۔ تمہارے سلسلہ میں ایک قطب پیدا ہوگا وہ (تمھارا مرید) دعا کرے گا۔ اس کی دعا کی برکت سے قطب ہانسوی کا سلسلہ باقی رہے گا۔

۲۵۷۔ گمشدہ بکری کا واقعہ

حضرت علی احمد صابر صاحب کلیر میں قیام پذیر ہو گئے تو وہاں کے قاضی تبرک کو آپ کا وہاں

رہنا ناگوار گزرا۔ اس نے کھلم کھلا آپ کی مخالفت شروع کردی۔ جو لوگ آپ کے مرید ہوگئے تھے ان کو بہکانا شروع کر دیا اور جو لوگ بیعت کے لیے آتے تھے ان کو روکنا اور طرح طرح سے دباؤ ڈالنا شروع کر دیا جس کے نتیجے میں بہت سے لوگ آپ تک نہ پہنچ سکے اور بعض لوگوں نے آپ کی قربت بھی چھوڑ دی۔ ثابت قدم رہنے والے مریدوں میں صرف شیخ بہاء الدین، شیخ جمال الدین، مسماۃ گلزادی۔ اس کا لڑکا اور اس گلزادی کا خاوند تھا۔

قاضی تبرک کی مخالفت اور ظلم و ستم کی کچھ انتہا ہی نہ رہی۔ یہاں تک کہ اس نے قیام الدین رئیس کلیر کو بھی آپ کی طرف سے بدظن کر دیا اور شکایت کی کہ کلیر میں ایک ایسا شخص وارد ہوا ہے جو خود کو امام کہلانا چاہتا ہے اور اپنی بزرگی اور برتری کا دعویٰ کرتا ہے اور اپنے آپ کو کسی مرشد کا بھیجا ہوا صاحبِ ولایت علاقہ کلیر کہتا ہے۔ وہ مسجد میں بھی اسی قسم کے وعظ اور تلقین کرتا ہے جس سے نمازیوں کی نمازوں میں فتور پڑتا ہے۔ اگر فوراً اس کا تدارک نہ کیا گیا تو ممکن ہے کہ وہ کسی دن ہمارے مراتب اور اقتدار کے لیے نقصان رساں ثابت ہو۔ بہت جلد اس کے اثر و رسوخ کو زائل کرنا چاہیئے۔ رئیسِ کلیر نے جب قاضی تبرک کی یہ باتیں سنیں تو اس پر بھی بہت اثر ہوا اور اسے اپنی ریاست میں اپنا اقتدار ختم ہوتا ہوا نظر آنے لگا۔

قاضی تبرک کی باتیں سن کر آخر قیام الدین ذمواں رئیسِ کلیر جمعہ کے دن مسجد میں آیا۔ حضرت مخدوم صاحب اس کے آنے سے قبل ہی تشریف لا چکے تھے اس نے دریافت کیا کہ قاضی صاحب! وہ کون شخص ہے جو امامت کا خواستگار ہے۔ قاضی تبرک نے حضرت صابرؒ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ صاحب ہیں۔ ذمواں نے آپ سے دریافت کیا کہ اگر آپ امامت اور خلافت کے مدعی ہیں اور اپنے کو قطبِ زمانہ کہتے ہیں تو میری سفید رنگ کی نہایت خوبصورت اور قدآور بکری عرصہ تین ماہ سے گم ہے بتلائیے وہ کہاں ہے اگر آپ بتلا دیں گے تو ہم کو یقین ہو جائے گا کہ آپ آفتابِ ہند میں سے ہیں اور آپ کو اپنا امام مان لیں گے اور بیعت کریں گے۔ حضرت مخدوم نے ایک ذرا سی توجہ عالم ارواح کی جانب فرمائی اور ہاتھ اٹھا کر فرمایا اے بکری کے کھانے والے لوگو! نکل آؤ۔ ایک آن کی آن میں ستائیس آدمی پریشانی کے عالم میں جامع مسجد میں داخل ہوئے۔ حضرت صابر صاحب نے فرمایا کہ رئیس شہر کی بکری تم لوگوں نے پکڑ کر کھائی ہے اس کا مفصل حال بیان کرو۔ ان لوگوں نے

رئیس کے خوف کی وجہ سے صاف انکار کیا کہ ہم پر بہتان ہے ہم قطعی نہیں جانتے۔ حضرت نے فرمایا، کہ بہتر یہی ہے کہ تم لوگ خود ہی اپنا اپنا حال بیان کر دو۔ ورنہ ابھی ذرا سی دیر میں پردہ فاش ہو جائے گا اور اس وقت تم لوگوں کو بہت شرمندہ ہونا پڑے گا۔ مگر وہ لوگ انکار ہی کرتے رہے۔ تب حضرت نے رئیس شہر کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم اپنی بکری کا نام لے کر پکارو۔ تب اس نے حرمتہ (کہ اس بکری کا نام تھا) کہہ کر بکری کو آواز دی تو ہر شخص کے شکم سے جُدا جُدا آواز آئی کہ میں ان لوگوں کے پیٹ میں ہوں۔ ان لوگوں نے آدھی رات کو چاہ صدرق کے کنارے پر ذبح کر کے میرا گوشت بھون کر کھایا تھا اور ہڈیاں کھال میں رکھ کر اور ایک پتھر اس میں رکھ کر کنویں میں چھوڑ دیا تھا۔ یہ کنواں صدرق کے کوچہ میں تھا اور اس کو رئیس نے بہت گہرائی میں کھدوایا تھا اور جس پر عتاب ہوتا تھا وہ اس کنویں میں چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اب رئیس کو بالکل یقین ہو گیا اور اس نے آپ سے عرض کیا کہ آپ واقعی اقطاب میں سے ہیں اور چاہتا تھا کہ آپ کے ہاتھ پہ بیعت کرے کہ مکار قاضی نے سوچا کہ یہ تو معاملہ پلٹا چاہتا ہے اور میری بزرگی اور وقعت سب خاک میں ملا چاہتی ہے تو چپکے سے اس نے رئیس کے کان میں کہا کہ اس کے دھوکے میں نہ آئیے گا یہ بہت بڑا جادوگر معلوم ہوتا ہے۔ رئیس اس کے ورغلانے میں آ گیا اور کہا کہ یہ معاملہ جادو کا معلوم ہوتا ہے۔ حضرت صابر صاحب مسکرا دیے اور کہا کہ اللہ تم کو حقیقت سے آگاہ کر دے گا۔

۲۵۸۔ حقیقت فنا و بقا

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت علی احمد صابر کے خلیفہ حضرت خواجہ شمس الدین نے ایک روز مخدوم پاک سے سوال عرض کیا تھا کہ فنا و بقا کا راز کیا ہے؟ تو حضرت مخدوم صاحب نے فرمایا تھا کہ کسی وقت ظاہر کر دیا جائے گا۔ حضرت خواجہ شمس الدین کو وہ سوال یاد آ گیا مگر یہ ایک واقعہ تھا کہ جس کو مدتیں گزریں جو حضرت خواجہ صاحب کے ذہن سے خارج ہو چکا تھا مگر آج جس وقت سب لوگ قبر شریف کی چشمہ بندی مصروف تھے تو حضرت خواجہ شمس الدین رحمتہ اللہ علیہ کے دل میں یہ بات پیدا ہوئی کہ امام صاحب سے ملاقات کر کے ان کے حالات اور نام و نشان دریافت کر لینا چاہیے ورنہ یہ بات پردہ راز میں رہ جائے گی کہ نماز جنازہ کس نے پڑھائی۔ چنانچہ آپ سوار امام کی جانب

متوجہ ہوئے تو وہ اپنے گھوڑے کی باگ پکڑ کر سوار ہو چکے تھے اور خواجہ صاحب کو آتا دیکھ کر گھوڑا مغرب کی جانب بڑھا دیا۔ حضرت خواجہ صاحب گھوڑے کے پیچھے دوڑے اور کچھ دور جا کر گھوڑے کی باگ پکڑلی اور عرض کیا کہ حضرت! اپنا نام و نشان تو بتلائیے تاکہ یہ بات پردۂ راز میں نہ رہے یہ سن کر سوار نے اپنے چہرہ سے نقاب اٹھا دیا اور فرمایا کہ فقیر کے جنازے کی نماز فقیر ہی نے پڑھائی ہے۔ چہرۂ پُر نور دیکھتے ہی حیرت میں آ گئے تو حضور نے قبر کی جانب اشارہ کر کے فرمایا کہ شمس الدین حیرت کی کوئی بات نہیں ہے وہ فنا ہے یہ بقا ہے۔ الحمدللہ کہ بموجب وعدہ کے آج یہ مسئلہ بھی تم کو بچشم خود دکھلا کر سمجھا دیا۔ ایک بار مجھ پر ایفائے وعدہ کا باقی تھا اس سے بھی آج سبکدوش ہو گیا۔ یہ سنتے ہی حضرت خواجہ شمس الدین ترک شمس الارض پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ بے ہوش ہو کر گر پڑے اور وہ سوار صاحب جدھر سے تشریف لائے تھے اُدھر کو روانہ ہو گئے۔

۲۵۹۔ احترامِ مُرشد کی انتہا

امیر خسرو حضرت محبوب الٰہی کے خاص مرید تھے ان کو اپنے مرشد سے بڑی محبت تھی۔ ایک مرتبہ ایک سائل حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ہوا اور کچھ طلب کیا۔ اس وقت حضرت محبوب الٰہی کے پاس دینے کو اور کچھ نہ تھا۔ چنانچہ انھوں نے اس خیال سے کہ سائل خالی واپس نہ جائے، اپنی جوتیاں ہی اس کو دیدیں۔ جن کو لے کر وہ چلا گیا۔ راستے میں اس کی ملاقات امیر خسرو سے ہو گئی۔ انھوں نے اس فقیر سے پوچھا تم میں سے میرے آقا حضرت نظام الدین اولیاء کی خوشبو آ رہی ہے کہیں تم ان کے دربار میں سے تو نہیں ہو کر آئے۔ سائل نے عرض کی۔ میں ان کے پاس کافی دیر ٹھہر ا رہا ہوں مگر سوائے ان کی دو جوتیوں کے مجھے کچھ نہیں ملا۔

امیر خسرو نے اس فقیر سے کہا یہ جوتیاں مجھے دے دو اور اس کے بدلے میرا سارا مال وزر تم لے لو۔ فقیر حیران ہوا اور بولا کہ آپ مجھ سے مذاق کر رہے ہیں۔ امیر خسرو نے کہا ہرگز نہیں لاؤ جوتیاں چنانچہ آپ نے اپنے مرشد کی جوتیاں لے کر سارا اسباب اور مال وزر اس فقیر کے حوالے کر دیا۔ پھر جوتیاں لے کر حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضرت نے اپنی جوتیاں امیر خسرو کے ہاتھ میں دیکھیں تو مسکراتے ہوئے فرمایا۔ خسرو! یہ جوتیاں تم نے بہت سستی خریدی ہیں۔ اس واقعہ

سے پتہ چلتا ہے کہ امیر خسرو کو اپنے پیرو مرشد حضرت محبوب الٰہی سے کس قدر محبت، اُنس اور والہیت تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب حضرت عام مجلس سے اٹھ کر اپنے حجرے میں تشریف لے جاتے تھے تو سب ملنے والوں کو روک دیا جاتا تھا لیکن خسرو کے لیے بلا تامل چلے آنے کی اجازت تھی۔ خسرو روزانہ آپ سے خوابگاہ میں ملنے آتے اور آپ کے پہلو میں بیٹھ کر باتیں کرتے اور جب حضرت محبوب الٰہی کی آنکھ لگ جاتی تو خسرو آپ کے قدموں پر سر رکھ کر سو جاتے تھے۔

٢٦٠۔ شانِ ولایت

حضرت محبوب الٰہی کا نام جب بہت ہی شہرت اختیار کر گیا تو مکہ کے بعض لوگوں نے کہنا شروع کر دیا۔ باوجود استطاعت اور ثروت کے حضرت نے کعبہ کا حج تو ادا کیا نہیں، کیا وہ اتنے بڑے ولی ہیں کہ وہ حج کو فرض ہی نہیں سمجھتے۔ ان لوگوں کی باتیں سُن کر کعبہ کے مجاور جو چالیس سال سے کعبہ میں رہتے تھے۔ انھوں نے فرمایا۔ آپ لوگ حضرت محبوب الٰہی کے حج کی بات کرتے ہیں۔ میں تو کئی سالوں سے حضرت کو کعبہ شریف میں نماز فجر ادا کرتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ یہ بات دہلی کے ان لوگوں نے بھی سُنی جو حج کے لیے مکہ تشریف لے جاتے تھے مگر کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ وہ حضرت سے آکر تصدیق کرے ایک روز فجر کی نماز سے کچھ دیر پہلے آپ کا خادم حسبِ معمول لوٹا پانی سے بھر کر آپ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا اور انتظار کرنے لگا کہ حضرت ابھی باہر نکل کر لوٹا لیں گے۔ جب کافی دیر حضرت باہر نہ نکلے تو اس کے حجرے میں جھانکا مگر اندر حضرت کو نہ پا کر سارے گھر اور چھت پر تلاش کیا۔ اور بہت پریشان ہوا۔ جب دوبارہ حجرے کے پاس آیا تو حضرت نے آواز دے کر لوٹا منگوایا۔ اس پر خادم نے عرض کی۔ حضرت تھوڑی دیر پہلے میں نے آپ کو حجرے میں نہ پا کر سارے گھر اور چھتوں پر تلاش کیا آپ کہیں نہ ملے اب آپ حجرے میں ہی ہیں۔ کہیں یہ وہ بات تو نہیں جو لوگ کہتے ہیں کہ آپ فجر کی نماز کعبۃ اللہ میں پڑھتے ہیں۔ یہ سن کر محبوبِ الٰہی آبدیدہ ہو گئے اور عرض کی کہ میری اتنی مجال اور ہمت کہاں، یہ تو اللہ کی مہربانی ہے کہ وہ غیب سے ایک سانڈنی بھیج دیتا ہے جو آن کی آن میں مجھے نمازِ فجر کے وقت کعبہ میں لے بھی جاتی ہے اور واپس بھی لاتی ہے۔

۲۶۱۔ محبت کی خوشبو

حضرت بابا فرید نے جو کمبلی حضرت نظام الدین اولیاءؒ کو عطا فرمائی تھی۔ آپ نے وہ قاضی حمید الدین کو مرحمت فرما دی۔ اس میں سے ایک خاص قسم کی خوشبو آتی تھی۔ قاضی صاحب یہ سمجھے کہ یہ خوشبو عارضی ہے تھوڑے عرصے بعد خود بخود ختم ہو جائے گی لیکن خوشبو ختم ہونے کی بجائے روز بروز بڑھتی چلی گئی۔ اس کمبلی کو بار بار دھویا بھی مگر خوشبو کم نہ ہوئی۔ ایک دن قاضی صاحب نے آپ سے اس خوشبو کی بابت پوچھا تو حضرت محبوب الٰہی رونے لگے اور فرمایا قاضی صاحب! یہ بوئے محبت جو کمبلی کے ریشے ریشے میں سمائی ہے اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں اور مقربوں کو عنایت فرماتے ہیں اور اولیاء اللہ ہی اس کو پاتے ہیں۔ یہ خوشبو کمبلی سے کبھی دور نہ ہوگی اور وقت کے ساتھ اس میں اضافہ ہی ہوتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ جب کسی سے محبت کرتا ہے تو اس کی محبت عارضی نہیں ہوتی اور محبت کے عالم میں وہ جو کچھ عطا فرماتا ہے وہ بھی دائمی ہوتا ہے اور یہ خوشبو کیونکہ عطائے الٰہی ہے لہٰذا اس کو فنا بالکل نہیں آئے گی بلکہ اس کو دوام حاصل رہے گا۔ قاضی حمید الدین بہت خوش ہوئے اور اپنی خوش قسمتی پر ناز کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ چیز عطا کی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی خوشبو ہے۔

۲۶۲۔ زیادتی کا صلہ عاجزی

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ کچھ لوگ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی زیارت کی غرض سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہر شخص اپنی اپنی حیثیت کے مطابق آپ کے لیے تحفہ لایا ان میں ایک طالب علم بھی تھا۔ اس کے پاس ان کو دینے کے لیے کچھ نہ تھا۔ اس نے تھوڑی سی مٹی ایک کاغذ میں ڈالی۔ اس کی پڑیا بنائی اور تحفوں میں رکھ دی۔ اس کا خیال تھا کہ جب خادم سب کے تحفے اٹھا کر لیجائے گا تو یہ پڑیا بھی چلی جائے گی یوں اس کا بھرم رہ جائے گا۔ جب خادم تمام تحائف اٹھانے لگا تو حضرت محبوب الٰہی نے اس پڑیا کی طرف اشارہ کیا اور اس کو اٹھانے سے روک دیا اور فرمایا یہ پڑیا مجھے دے دو اس میں بڑا عمدہ سرمہ ہے۔ اب جب پڑیا آپ کے ہاتھ میں پکڑائی گئی تو اس طالب علم کی حالت دیدنی تھی۔ وہ شرمندگی کی وجہ سے پانی پانی ہو رہا تھا۔ فوراً آپ کے کان میں جا کر اصلی صورتحال

بیان کی۔ آپ نے اس کو تشفی دی اور فرمایا تو اپنی پڑیا کھول کر دیکھ اس میں سے سُرما ہی نکلے گا۔ جب پڑیا کھولی گئی تو اس میں سے واقعی سُرما نکلا۔ طالب علم بہت خوش ہوا۔ آپ نے طالب علم سے فرمایا تُو اپنی حاجت بیان کر۔ طالب علم خاموش رہا۔ اس پر آپ نے اپنی پوشاک اس کو عنایت کر دی۔

۲۶۳۔ سچّے دل سے اللہ سے جو مانگو ملے گا

حضرت محبوب الٰہی فرماتے ہیں ایک مرتبہ ایک اعرابی اور اس کے بچے کئی روز سے فاقے سے تھے ایک روز وہ اپنے بچوں سمیت پتھروں سے جھولی بھرے ہوئے خانہ کعبہ میں آیا۔ اس نے کعبہ شریف کو مخاطب کر کے کہا کہ مجھے اور میرے بچوں کو ابھی کھانا چاہیئے۔ ہم کئی روز سے بھوکے ہیں۔ اگر ہمیں کھانا نہ دیا گیا تو ہم یہ پتھر تم پر برسائیں گے۔ یہ بات ابھی اس اعرابی کے منہ میں ہی تھی کہ ایک اشرفیوں کی بوری کعبہ کی چھت سے نیچے گری اور ندا آئی۔ یہ لے اشرفیاں اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پال۔

اعرابی نے پھر کہا اے خدا مجھے اشرفیاں نہیں چاہئیں۔ مجھے تو اپنے اور اپنے بچوں کے لیے روٹیاں چاہئیں۔ چنانچہ آن کی آن میں کچھ روٹیاں کعبہ کی چھت سے آ گئیں۔ جو لوگ یہ منظر دیکھ رہے تھے انھوں نے اعرابی سے کہا کہ تم نے روٹیوں کو اشرفیوں پر کیوں ترجیح دی؟ اعرابی بولا، جتنی چیز کا بار انسان اٹھا سکے وہی اٹھانا چاہیئے۔ ہم روٹی کا حق تو ادا نہیں کر سکتے پھر اشرفیوں کا حق کیونکر ادا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں جو کچھ دیتا ہے ہم اس کو فراموش کر دیتے ہیں۔ اس لیے اس سے اتنا ہی مانگنا چاہیئے جتنا ہم یاد بھی رکھیں اور اس کا حق بھی ادا کر سکیں۔ انسان کو حق کی ادائیگی خواہ وہ اللہ کی ہو یا بندوں کی ہر حال میں یاد رکھنی چاہیئے۔

۲۶۴۔ رُوحانی طریقے سے کعبے جانے کا واقعہ

حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے فضائل و برکات کا جب عام شہرہ ہوا تو اہل مکہ نے ایک دن کہا کہ افسوس مولانا نظام الدین نے ابھی تک حج ادا نہیں کیا اس موقع پر وہ بزرگ بھی تشریف فرما تھے جو چالیس برس سے خانہ کعبہ کے مجاور تھے انھوں نے فرمایا کہ نہیں یہ بات غلط ہے۔ مولانا

نظام الدین ہمیشہ صبح کی نماز اول وقت خانہ کعبہ ہی میں ادا کرتے ہیں۔ اس بات کا شہرہ پورے مکہ معظمہ میں ہوا۔ جسے دہلی کے حاجیوں نے بھی سُنا لیکن حضرت کی عظمت و جلال کی وجہ سے آپ سے کوئی اس بات کو دریافت کرنے کی جرأت نہ رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ جب حضرت اپنے حجرے میں تھے آپ کا ایک مرید وضو کا پانی لیے ہوئے حجرے کے دروازے پر کھڑا ہو گیا۔ جب کافی دیر ہو گئی تو وہ یہ سمجھا کہ حضرت اوپر چھت پر تشریف فرما ہوں گے۔ یہ سمجھ کر وہ حجرے کے اندر گیا لیکن وہاں بھی حضرت موجود نہ تھے۔ پھر وہ چھت کے اوپر گیا وہاں بھی نہ پایا۔ ناچار حجرے کا دروازہ بند کر کے بدستور کھڑا ہو گیا کہ اسی وقت حضرت نے وضو کے لیے پانی طلب فرمایا۔ اسی اثنا میں اور مرید بھی آ گئے۔ نماز ادا کرنے کے بعد اس مرید نے عرض کیا کہ یا حضرت! میں چھت پر گیا تھا مگر آپ وہاں بھی تشریف نہ رکھتے تھے لیکن جب میں باہر آیا تو آپ نے پانی طلب فرمایا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ نماز کی ادائیگی کے لیے کعبہ شریف گئے ہوں گے اور جو کچھ اس مرید نے حاجیوں سے سنا تھا عرض کر دیا۔ اس پر حضرت نے چشم پُر آب ہو کر فرمایا کہ میں اس قابل کب ہوں مگر یہ رحمت پروردگار ہے کہ ایک سانڈنی غیب سے پیدا ہو کر مجھے حجرے کی چھت سے اپنے اوپر سوار کر کے کعبہ میں لے جاتی ہے اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد واپس پہنچا جاتی ہے۔

۲۶۵۔ حالِ باطن کو مخفی رکھنا چاہیئے

حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء کی زیارت کے خیال سے ایک عقیدت مند چل پڑا۔ جب بوندی میں آیا وہاں ایک شیخ مومن بزرگ تھے ان کی زیارت کو گیا۔ شیخ مومن نے پوچھا کہاں جائے گا؟ اس شخص نے عرض کیا کہ حضرت نظام الدین اولیاء کی زیارت کو دہلی جا رہا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ شیخ نظام الدین کو میرا سلام عرض کرنا اور کہنا کہ وہ شبِ جمعہ میں آپ سے کعبہ میں ملتا ہے۔ وہ مجھ کو پہچان لیں گے۔ یہ شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان درویش کا پیام دیا۔ آپ نے آزردہ ہو کر فرمایا کہ وہ درویش عزیز ہے مگر زبان نہیں رکھتا۔ اپنے آپ کو چھپائے رکھتا ہے۔

۲۶۶۔ شانِ فقر

نقل ہے کہ سلطان علاء الدین بڑا مدبّر اور فاضل، پابند شریعت تھا اس نے بائیس سال عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کی۔ ایک بار امتحان کے ارادے سے چند باتیں امور سلطنت کے متعلق تحریر کر کے حضرت محبوب الٰہی کو لکھا کہ آپ تمام عالم کے مخدوم ہیں۔ دین و دنیا کی حاجتیں آپ کی ذاتِ برکات سے بر آتی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مملکتِ دنیا میرے ہاتھ میں دی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ امورِ سلطنت کے متعلق آپ سے چند مشورے لوں، آپ مجھے مشورے سے نوازیں اور ہر حکم کے نیچے حدیثِ نبوی تحریر فرما کر میرے پاس روانہ کریں۔

یہ تحریر سلطان نے اپنے چھوٹے بیٹے خضر خان کو دی کہ حضرت کی خدمت میں جا کر اس کا جواب لاؤ۔ خضر خان اپنے باپ کا حکم بجالاتے ہوئے سلطان کا خط لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت نے مطالعہ فرما کر حاضرینِ مجلس سے فرمایا کہ فاتحہ پڑھو۔ اس کے بعد فرمایا کہ فقیروں کو بادشاہوں کے کاروبار سے کیا دلچسپی۔ میں درویش ہوں شہر کے ایک کونے میں پڑا ہوں۔ بادشاہ اور مسلمانوں کے لیے دعائے خیر میں مشغول ہوں۔ اگر بادشاہ نے کاروبارِ سلطنت کے سلسلے میں ہم سے دوبارہ رجوع کیا تو ہم یہاں نہیں رہیں گے۔

جب یہ جواب لے کر خضر خان سلطان کے پاس پہنچا تو سلطان بہت خوش ہوا اور معتقد ہو کر دوبارہ اطلاع بھجوائی کہ میں حضرت کی زیارت کو حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ سلطان کے آنے کی ضرورت نہیں ہے ہم دعائے غیب میں مشغول ہیں، غیب کی دعا میں زیادہ اثر ہوتا ہے۔ میرے مکان کے دو دروازے ہیں۔ اگر سلطان ایک دروازے سے داخل ہوا تو میں دوسرے دروازے سے چلا جاؤں گا۔

۲۶۷۔ بارگاہِ قلندر میں تحفے بھیجنے کا قصہ

مشہور بادشاہ علاء الدین خلجی کو بُو علی قلندر سے بڑی عقیدت تھی۔ ایک مرتبہ اس نے از راہِ عقیدت و محبت کچھ تحائف آپ کی خدمت میں بھیجنا چاہے لیکن آپ کی ناراضگی اور جلال سے خوفزدہ تھا

اس لیے کوئی عملی قدم نہ اٹھا سکا۔ اُمراء سے اس نے مشورہ کیا کہ کس طرح تحائف ان کو بھیجے جائیں۔ سب نے رائے دی کہ اس کام کے لیے امیر خسرو کو بھیجا جائے۔ امیر خسرو کو فوراً طلب کیا گیا اور بادشاہ نے اپنی پریشانی اس کو بتائی اور کہا کہ اب تم یہ تحائف حضرت بو علی قلندر کی خدمت میں لے جاؤ۔ امیر خسرو نے کہا، جناب آپ کا ارشاد بجا ہے مگر میں بُو علی قلندر کے پاس اس وقت تک نہیں جا سکتا جب تک مجھے میرے مرشدِ عالی حضرت نظام الدین اولیاء اجازت نہ فرما دیں۔ سلطان نے بات مان لی کہ حضرت محبوب الٰہی سے میں خود اجازت لے لوں گا۔ اب پہلے سلطان علاء الدین خلجی نے حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں اپنا آدمی روانہ کیا اور حضرت بو علی قلندر کے پاس امیر خسرو کے جانے کی اجازت چاہی۔ حضرت محبوب الٰہی نے فوراً اور بلا تامل اجازت مرحمت فرما دی۔ اب امیر خسرو کو حضرت بو علی قلندر کے پاس جانے سے کوئی اعتراض نہ تھا۔ اس لیے وہ سلطان کے تحائف لے کر حضرت بو علی قلندر کے پاس پہنچے۔ حضرت بو علی قلندر ان کے استقبال کے لیے پہلے ہی گھر سے باہر آ چکے تھے۔ امیر خسرو کو حضرت بو علی قلندر نے والہانہ انداز سے سینے سے لگا لیا۔ گھر لے گئے۔ خاطر و تواضع کی پھر فرمایا امیر خسرو! اپنا کلام سناؤ۔

امیر خسرو نے جب اپنا کلام سنایا تو حضرت بو علی قلندر نے آپ کو بہت بہت دعائیں دیں۔ اور اس کے بعد اپنا کلام سنایا۔ آپ کا کلام سن کر امیر خسرو زار و قطار رونے لگ گئے۔ حضرت بو علی نے امیر خسرو سے پوچھا کہ میرے کلام کی سمجھ بھی آئی؟ امیر خسرو نے عرض کی کہ حضرت اسی لیے ہی گریہ و زاری کر رہا ہوں کہ میں آپ کا کلام سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس کے بعد بہ کمال مہربانی بادشاہ کے تحائف قبول کر لیے اور فرمایا۔ اگر حضرت محبوب الٰہی کا وسیلہ نہ بنایا جاتا تو میں یہ تحائف ہرگز نہ لیتا امیر خسرو نے عرض کیا کہ یا حضرت! بادشاہ کو اس بات کا یقین تھا تبھی تو اس نے شیخ المشائخ کا سہارا لیا

۲۶۸۔ فقیر کی آہ و فغاں سے عرش لرز اٹھا

ایک مرتبہ حضرت بو علی قلندر کا ایک مرید جو کہ مست اور بیخود تھا بازار سے گزر رہا تھا۔ آگے سے حاکم شہر کی سواری آ رہی تھی۔ ہٹو بچو کا شور تھا مگر مست و سرشار مرید نے شاہی سواری کی آمد کو کوئی اہمیت نہ دی۔ حاکم کے چوبداروں نے اس کو راستے سے ہٹ جانے کے لیے کہا مگر اس نے

ان کی کسی بات پر کان نہ دھرا۔ اب چوبداروں نے اس کی اتنی پٹائی کی کہ ادھمُوا کر کے رکھ دیا۔ وہ روتا سسکتا ہوا بُو علی قلندر کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا واقعہ کہہ سنایا۔ حضرت بو علی قلندر کو بڑا دکھ ہوا انھوں نے فوراً جلال میں آ کر بادشاہِ وقت سلطان علاءالدین خلجی کو خط تحریر کیا۔ جس کا مضمون حسب ذیل تھا۔

"علاءالدین خوطہٗ دہلی! تمھیں بھلائی، نیکی اور بندگانِ خداوند کی فلاح کی میں نے نصیحت کی تھی مگر آج تیرے ایک حاکم کے کارندوں نے میرے مرید کو مار مار کے بے حال کر دیا ہے۔ اس کی آہوں نے عرش ہلا کر رکھ دیا ہے۔ تھیں میں حکم دیتا ہوں کہ اپنے حاکم مذکور کو سزا دے اور کوتاہی نہ کر ورنہ عذابِ الٰہی کے لیے تیار رہ۔ اگر تو سزا دینے میں ناکام رہا تو تُو حکومت کے لائق نہیں۔"

سلطان علاءالدین خلجی حضرت بو علی قلندر کا خط پڑھ کر سناٹے میں آ گیا۔ فوراً مذکورہ حاکم کو پابہ جولاں پیش ہونے کا حکم جاری کیا۔ جب حاکم کو زنجیروں میں جکڑا ہوا سلطان کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے مرید کو مارنے کی تفصیل پوچھی۔ حاکم نے کہا جہاں پناہ! بلاشبہ میرے چوبداروں نے حضرت بو علی قلندر کے مرید کو مارا ہے مگر اس میں میری مرضی کا کوئی دخل نہ تھا۔ چوبداروں نے میری خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ایسا عمل از خود کیا ہے۔ بادشاہ نے کہا اگرچہ تو نے ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا لیکن تیرے چوبدار جس وقت مارنے والی نامعقول حرکت کر رہے تھے تُو دیکھ رہا تھا۔ تُو ان کو روک سکتا تھا اور تمھاری خاموشی اور تماشہ بینی کا صریحاً مطلب یہ ہے کہ تو نے جان بُوجھ کر اپنے چوبداروں کو ایسا کرنے دیا۔ اور اس میں تیری ایما اور رضامندی باقاعدہ شامل تھی۔ حاکم بادشاہ کے ارادوں کو بھانپ گیا اور رونے لگا کہ میں بے گناہ ہوں۔

سلطان نے کہا، تو میری نظر میں، حضرت بو علی قلندر کی اور ان کے مرید کی نظر میں گناہ گار ہے اور سان کا گناہ گار خدا اور اس کے رسولؐ کا بھی گناہ گار ہے اور ایسے گناہ گار کو معاف کرنا کہاں کی عقلمندی ہے۔ ہزاروں منتوں کے باوجود بھی بادشاہ نے حکم دیا کہ حاکم شہر کی اتنی ہی پٹائی کی جائے اور اس کی جائیداد ضبط کر لی جائے اور آئندہ ہمیشہ کے لیے اس کے خاندان کے ہر فرد کو شاہی ملازمت کا نااہل قرار دے دیا جائے۔ اس کے بعد بادشاہ امیر خسرو کی وساطت سے حضرت بُو علی قلندر

سے معذرت کا طلبگار رہوا ۔حضرت بوعلی قلندر بولے ،سلطان نے انصاف کا بول بالا کیا ہے ورنہ اس مرید کی آہ و فغاں سے تو عرش بھی لرز گیا تھا ۔ اب میں سلطان کو معاف کرتا ہوں اللہ بھی سلطان کو معاف کرے ۔

۲۶۹۔ حضرت بُوعلی قلندر کی حالتِ جذب کا واقعہ

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپ پر شدید جذب و سکر کا غلبہ طاری ہوگیا جس کی بنا پر شریعت کے بہت سے اعمال کی پابندی میں کمی آگئی حتیٰ کہ نماز تک ترک ہوگئی ۔ لوگوں نے اس دور کے ایک بہت بڑے مفتی سے اس معاملے میں بات چیت کی کہ حضرت بُوعلی قلندر بزرگ صفت انسان ہیں ۔ اس لیے ان کا نماز کو ترک دینا اچھا نہیں ۔ لہٰذا آپ انھیں نماز کی ترغیب دیں تاکہ بزرگی اور ولایت پر آنچ نہ آئے ۔ اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے مفتی ضیاء الدین سنامی حضرت بوعلی کی خدمت میں پہنچے اور ان سے سوال کیا کہ بوعلی آپ نے یہ کیا حالت بنا رکھی ہے ۔آپ نے وہی فقرہ دُہرایا ۔

"بے عیب ذات اللہ کی ، اللہ بس باقی ہوس "

مفتی نے کہا کہ جو کچھ بھی ہو نماز کی ادائیگی ہر حال میں لازم ہے اس سے پہلو تہی کرنے کی بالکل اجازت نہیں ۔حضرت بوعلی نے جواب دیا کہ مفتی صاحب ! آپ اپنا کام کیجیے ، مجھے نماز معاف ہو چکی ہے اب مفتی کو بڑا غصہ آیا اور وہ بولا تم عجیب آدمی ہو نماز رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو معاف نہیں تھی تو تمھیں کیسے معاف ہوگئی ۔؟ حضرت بوعلی نے جواب دیا ،مفتی ! تو مجھے میری حالت پر چھوڑ دے ۔میں مست الست ہوں اور دکھاوے کی نماز ادا کرنے کا مجھے بالکل شوق نہیں ۔مگر مفتی مُصر رہا کہ تمھیں نماز بہر حال پڑھنی ہوگی ۔ یہ باتیں سن کر بوعلی قلندر کو بھی جوش اور رہوش آگیا ۔ فرمایا ،مفتی ! رسی سے میری کمر باندھ دے ۔ اگر میری کمر بندھی رہی تو میں تیرے کلموں کی تعمیل کروں گا اور اگر میری کمر آزاد ہوگئی تو میرا پیچھا چھوڑ دینا کیونکہ میں آزاد آدمی ہوں ، مجھے اپنی پابندیوں میں مت گھسیٹو ۔

اب مفتی ضیاء الدین سنامی نے آپ کی کمر رسی سے مضبوطی کے ساتھ باندھ دی مگر یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ رسی کمر سے دُور جا گری اور حضرت بوعلی بدستور آزاد ہے ۔مفتی بہت شرمندہ ہوئے اس پر بوعلی خاص لہجے میں بولے " بابا ! میں عاشق ہوں اور عشق میں مبتلا ہوں تو مجھے کس نماز کے

پڑھنے کی بات کر رہا ہے اگر تُو پسند ہے تو میں تیرے ساتھ نماز ادا کرنے کے لیے تیار ہوں۔ نیت باندھو فرض نماز کی۔" مفتی صاحب کی خوشی دیدنی تھی کہ انھوں نے کامیابی حاصل کرلی تھی اب مفتی صاحب امام بنے اور بوعلی مقتدی۔ جب نماز شروع ہوئی تو بوعلی پر استغراق کا عالم شروع ہوگیا۔ مفتی صاحب نماز پڑھا بھی چکے مگر بوعلی جوں کے توں کھڑے رہے۔

اب مفتی صاحب نے پوچھا بوعلی قلندر! نماز ختم ہوگئی ہے جبکہ تو ابھی تک نیت باندھے کھڑا ہے بوعلی قلندر نے جواب میں ایک شعر پڑھا جس کا مطلب حاضرین کی سمجھ میں نہ آیا۔ انھوں نے حضرت سے سوال کیا کہ حضرت! تفصیل سے بات بتلائیں کہ آپ نماز کی نیت سے آگے کیوں نہیں لے سکے۔ حضرت نے فرمایا کہ مفتی کی گھوڑی نے بچہ دیا ہے اور جہاں مفتی کے گھر گھوڑی اور بچہ موجود ہے وہاں گندم رکھنے والی کنواں نما جگہ بنی ہوئی ہے لہٰذا ساری نماز میں مفتی کے دل و دماغ پر اس فکر کا ڈیرہ جما رہا ہے کہ کہیں گھوڑی کا بچہ گندم والے کنویں میں نہ گر جائے۔ میں ایسی نماز کا قائل نہیں۔ میں اپنے حواس سے بیگانہ ہوں اور ایک غلام کی طرح عشقِ الٰہی میں غرق ہوں۔ اور خاموش رہتا ہوں کیونکہ غلام نہیں بولا کرتے۔ آپ کی باتیں سن کر مفتی صاحب بڑے شرمندہ ہوئے اور وہاں سے چلے گئے۔

اس شرمندگی کے انتقام کے طور پر مفتی ضیاء الدین سنامی نے مقامی لوگوں کے ساتھ مل کر حضرت بوعلی کے ترکِ صلوٰۃ پہ ایک محضر نامہ تیار کیا تاکہ حضرت بوعلی کو نماز چھوڑنے کے الزام میں سزا مل سکے۔ محضر نامہ میں یہ بات تحریر کی گئی کہ "شرف الدین عرف بوعلی قلندر عالم فاضل شخص ہے اور دہلی میں ۲۰ سال تک وعظ و نصیحت اور درس و تدریس اور علمی مشاغل میں مصروف رہا ہے مگر اپنے وطن پانی پت میں آکر علومِ ظاہری سے دور ہوکر عالموں اور فاضلوں سے متنفر ہوگیا ہے۔ متاعِ شریعت سے تہی دست ہوچکا ہے لہٰذا سزا کا مستوجب ہے۔" محضر نامے پر مفتی ضیاء الدین سنامی کے علاوہ دیگر مُفتیانِ متین کے بھی دستخط تھے۔

جب یہ محضر نامہ خواجہ علی انصاری کے پاس آخری تصدیق کے لیے پہنچا تو انھوں نے محضر نامہ پھاڑ دیا۔ یہ دیکھ کر مفتی ضیاء الدین نے غصہ میں آکے خواجہ علی انصاری پر دعویٰ دائر کردیا۔ جب عدالت میں خواجہ علی انصاری پیش ہوئے تو محضر نامہ پھاڑنے کے متعلق استفسار کیا گیا۔ آپ نے قرآن مجید کی ایک آیت پڑھی جس کا ترجمہ یہ تھا "مت جاؤ نماز کے قریب نشے کی حالت میں۔" اور فرمایا جب بوعلی قلندر

اپنے حواس میں ہی نہیں تو وہ شرعی پابندیوں کے کیونکر متحمل ہو سکتے ہیں۔ اس پر مفتی ضیاء الدین سنامی کی تشفی ہو گئی اور معاملہ ختم ہو گیا۔

۲۷۰۔ حضرت بُو علی قلندر کا تصرّف

حضرت شیخ جلال الدین، حضرت شیخ بو علی شاہ قلندر کی ملاقات کو گئے تو انھوں نے راستے میں ایک خوفناک شیر دیکھ کر کہا، اے شیر! یہ عاشقانِ الٰہی کا مقام ہے یہاں تیرا کیا کام! شیر یہ سن کر حضرت بو علی شاہ قلندر کے حجرے کی طرف روانہ ہوا۔ شیخ جلال الدین بھی شیر کے پیچھے پیچھے حضرت کے حجرے کی جانب بڑھے۔ آگے جا کر کیا دیکھتے ہیں کہ چار اور شیر بھی حضرت کے حجرے کی طرف جا رہے ہیں یہ ہیبت ناک منظر دیکھ کر حضرت کو کسی قدر دہشت معلوم ہوئی مگر چند ہی قدم آگے بڑھے تھے کہ حضرت بو علی شاہ قلندر خود تشریف لے آئے اور فرمایا تم ہمارے رازداروں میں سے ہو۔ آؤ تمھیں شیروں کا تماشا دکھائیں۔ چنانچہ حضرت بو علی شاہ قلندر اور حضرت شیخ جلال الدین نے دیکھا کہ چاروں شیر آپس میں کھیل کود رہے ہیں لیکن جب ان شیروں نے حضرت بو علی شاہ قلندر اور حضرت شیخ جلال الدین کو دیکھا تو ان کے قدموں میں پالتو بلیوں کی طرح لوٹنے لگے۔

۲۷۱۔ رُوحانی بصیرت

سلطان غیاث الدین شاہِ دہلی کو لڑکے کی بڑی تمنا تھی لیکن قدرتِ الٰہی کہ جب بھی اس کے حرم میں بچہ ہوتا لڑکی ہوتی۔ سلطان نے یہ عہد کر رکھا تھا کہ اگر لڑکی پیدا ہو گی تو جان سے مار دوں گا۔ چنانچہ وہ کئی لڑکیاں ضائع کر چکا تھا۔ اتفاقاً پھر ایک حرم کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی تو حرم نے مامتا سے مجبور ہو کر لڑکی کو ایک مٹکے میں بند کر کے دریا کے کنارے جنگل میں رکھوا دیا۔ اور بادشاہ سے کوئی بہانہ کر دیا۔ ایک دھوبی جنگل میں آیا تو اس کی مٹکے پر نظر پڑی اور وہ اس لڑکی کو گھر لے گیا اور اپنی بیٹی بنا کر پال لیا۔ جب یہ لڑکی بارہ برس کی ہوئی تو سلطان نے شکار کھیلتے ہوئے اس کو دیکھ لیا اور اس پر عاشق ہو گیا۔ بادشاہ نے اس کے ساتھ نکاح کر لیا لیکن بادشاہ جب بھی اس سے ہم بستری کی خواہش کرتا، لڑکی کے خون جاری ہو جاتا۔ بادشاہ نے حکیموں اور نجومیوں سے ہر چند اس کی وجہ معلوم کرنا چاہی

لیکن کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ آخر بادشاہ سب طرف سے مایوس ہوکر حضرت قلندرؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا مقصد بیان کیا۔ حضرت نے فرمایا دو تین دن بعد آنا اس وقت جواب دوں گا۔ بادشاہ کے جانے کے بعد مراقبہ کیا تو اصل حقیقت حضرت پر منکشف ہوگئی۔ جب بادشاہ دوبارہ حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا غیاث الدین! تیرے معاملے میں عجیب انکشاف ہوا ہے۔ وہ لڑکی جس سے تو ہم بستری چاہتا ہے تیری بیوی نہیں ہے بلکہ تیری بیٹی ہے۔ اس کو محض اس لیے خوف آجاتا ہے کہ اللہ تجھے اس گناہِ کبیرہ میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا۔ جا اور اپنی فلاں حرم سے اس بات کی تحقیق کرلے۔ بادشاہ نے واقعہ کی تحقیق کی تو بالکل درست نکلا۔ بادشاہ خوفِ الٰہی سے کانپ گیا، توبہ واستغفار کی۔ پھر حضرت نے بادشاہ کے حق میں دعا کی اور خدا نے اس کو چار بیٹے عنایت کیے۔

۲۷۔ عمر کے دس سال کا ایثار

حضرت شیخ جلال الدین نے کئی حج ظاہری طور پر ادا کیے۔ حضرت ہمیشہ نمازِ جمعہ مکہ معظمہ میں ادا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت کے دل میں خیال آیا کہ اگر حضور نبی اکرمؐ کی اجازت ہو تو کبھی پانی پت میں اور کبھی مکہ معظمہ میں نماز ادا کروں۔ اسی شب سرکارِ دوجہاںؐ خواب میں تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ اے جلال! تیرا کعبہ تیرے پاس ہے۔ یعنی میرے فرزند سید محمود کے پاس تیرے نماز پڑھنے کی جگہ ہے۔ اس روز سے حضرت سید محمود کے مزار پر جاکر نمازِ جمعہ پڑھا کرتے۔ ایک روز فرزندوں کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا حکم ہے کہ اپنی عمر میں سے کچھ مخدوم جہانیاں کو دے دوں کیونکہ ان کی عمر ختم ہوچکی ہے۔ تمھاری اس سلسلے میں کیا رائے ہے؟ فرزندوں نے عرض کیا کہ ہم کیونکر یہ برداشت کرسکتے ہیں کہ حضرت کی عمر کسی دوسرے کو مل جائے۔ مگر خواجہ شبلی نے عرض کیا اگر فرمانِ حق اسی طرح ہو تو تامل نہ ہونا چاہیے دوست کا حکم رد نہ ہونے پائے۔ یہ سن کر حضرت اٹھے اور صاحبزادہ عبدالقادر کو ساتھ لیا اور فرمایا کہ میرے پیر پر اپنے پیر رکھ دو اور آنکھیں بند کرلو۔ صاحبزادے نے والدِ محترم کے حکم کی تعمیل کی۔ جب آنکھیں کھولنے کا حکم دیا تو آنکھیں کھولدیں۔ صاحبزادے نے خود کو دہلی میں مخدوم جہانیاں کے پاس پایا۔ اس وقت مخدوم جہانیاں حالتِ نزع میں تھے۔ حضرت ان کے سرہانے کھڑے ہوگئے اور سلام علیک کہی۔ انھوں نے آنکھیں کھول کر سلام کا جواب دیا۔ حضرت نے مخدوم جہانیاں کو گلے سے لگایا اور

اور فرمایا کہ اٹھو، وہ فوراً اٹھ بیٹھے۔ حضرت نے فرمایا کہ وضو کرو۔ جب وہ وضو سے فارغ ہوئے۔ فرمایا کہ دوگانہ ادا کرو۔ دوگانہ ادا کرنے کے بعد حضرت نے فرمایا کہ بحکم خدا میں نے اپنی عمر کے چند سال تم کو دیئے یہ فرما کر وہاں سے باہر آئے اور جس طرح تشریف لائے تھے اسی طرح واپس پانی پت آئے۔

مخدوم جہانیاں کو صحت کلی ہو گئی۔ سلطان اس واقعہ کو سن کر اپنے پیر و مرشد مخدوم جہانیاں کی خدمت میں حقیقت حال دریافت کرنے آیا۔ مخدوم جہانیاں نے فرمایا کہ شیخ جلال الدین پانی پت سے آئے تھے۔ انھوں نے میرے حق میں دعا فرمائی اور اپنی عمر سے دس سال مجھے بخش کر چلے گئے ہیں۔

۲۷۳۔ توکّل کرنا سیکھ

ایک مرتبہ شاہ کلیم اللہ حج پہ جا رہے تھے۔ ہمراہ ایک قافلہ تھا۔ مریدوں اور ارادت مندوں کے علاوہ دوسرے لوگ بھی شامل تھے۔ قافلہ سفر طے کرتا رہا۔ عین درمیان میں پہنچ کر قافلے کے پاس پانی بوند تک نہ رہا۔ لوگ حیران پریشان چاروں اطراف ریت کے خشک ٹیلوں کو دیکھتے اور انجام سے خوفزدہ ہو جاتے۔ پیاس نے جس طرح انھیں نڈھال کر رکھا تھا وہ ایک انتہائی خطرناک علامت تھی۔ حضرت سے مشکل بیان کی گئی تو آپ نے حکم دیا کہ چاروں طرف پھیل کر تلاش کرو، کہیں نہ کہیں تو کوئی کنواں نظر آ ہی جائے گا۔ جستجو کرنے سے کیا نہیں مل جاتا۔ ہدایت پہ عمل ہوا۔ تھوڑی ہی دیر بعد قافلے والوں نے بالآخر ایک کنواں تلاش کر ہی لیا مگر بدقسمتی نے ابھی پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ کنواں ملا تو چہروں پہ مسرت کی لہر ابھری مگر کنویں کی حالت دیکھ کر فوراً ماند پڑ گئی۔ پانی تھا تو سہی مگر سطح سے اس قدر نیچے کہ پانی بھرنا مشکل ہی نہیں ناممکن سا لگتا تھا۔ دوبارہ شاہ کلیم سے رجوع کیا گیا۔ آپ نے مسکراتے ہوئے کہا اطمینان رکھو میں نماز کی نیت باندھتا ہوں تم خدا کی شان دیکھو۔ یہ کہہ کر آپ نے نماز کی نیت باندھی اور لوگوں نے حیرت سے دیکھا کہ کنویں کا پانی خود بخود سطح پر اس قدر ابھر آیا کہ کنویں کی منڈیر سے بھی باہر چھلکنے لگا لوگوں کے چہرے مسرت و شادمانی سے چمکنے دمکنے لگے۔ پھر آپ نے انھیں پانی استعمال کرنے کی اجازت دی تو انھوں نے خوب سیر ہو کر پانی پیا اور ہاتھ منہ دھوئے۔ اتنے میں ایک مرید نے اپنی طرف سے دور اندیشی ظاہر کرتے ہوئے ایک مشکیزہ اٹھایا اور پانی بھرنا چاہا۔ جونہی اس نے مشکیزہ پانی سے بھر کر نکالا۔ پانی کی سطح گرتی چلی گئی اور کنویں کی تہہ تک جا پہنچی۔ لوگوں نے حیرت سے یہ منظر دیکھا لیکن آپ نے

افسوس بھرے لہجے میں فرمایا افسوس! نادانوں تم نے اللہ پر بھروسہ نہ کیا۔ وہ جو پتھر میں کیڑے کو رزق پہنچا دیتا ہے تمھیں کیوں پیاسا مارتا۔ کاش تم اللہ پر توکل کرنا سیکھ لو۔ (حیاتِ کلیم)

۲۷۴۔ آپ کی دُعا سے انار میٹھے ہوگئے

شاہ کلیم اللہ کا ایک مرید باغبانی میں بے پناہ مہارت رکھتا تھا اس کا اپنا ایک ذاتی باغ بھی تھا جس میں وہ انار کی کاشت کرتا تھا۔ یہ ایک وسیع باغ تھا جس پر وہ بھرپور توجہ دیا کرتا۔ زمین کی بوائی سے لے کر ہر کام وہ خود کرتا۔ تجربہ و علم کا بھرپور استعمال کرتا۔ مگر نہ جانے کیا بات تھی کہ جب بھی فصل پک کر تیار ہوتی وہ انار کھٹے نکلتے۔ اور اس طرح اس کی ساری محنت غارت جاتی کیونکہ اس کے کھٹے اناروں کو منڈی میں کون خریدتا۔ اور اگر کوئی آمادہ بھی ہو جاتا تو اس قیمت پر جو اس مرید کی کُل لاگت سے بھی کہیں کم ہوتی۔ یہ صورتحال جب لگاتار رہی تو وہ پریشان حال آپ کے پاس آیا اور تمام ماجرا کہہ سنایا۔ آپ نے اس پریشان مرید کو جب یوں اپنی محنت کے رائیگاں جانے پر افسوس کا اظہار کرتے دیکھا تو فوراً اس سے ہمدردی ہوئی اور آپ اس کے ساتھ اس کے باغ میں چلنے کو تیار ہو گئے۔ وہ شخص خوشی سے دیوانہ ہوا جا رہا تھا۔ اس کے لیے یہی بات کیا کم قابلِ عزت تھی کہ آپ اس کے باغ کو سعادت بخشنے جا رہے تھے۔ باغ میں جا کر آپ نے اپنے مرید سے کہا۔ ذرا ہمیں بھی تو چکھاؤ اپنے باغ کا پھل۔ ہم بھی تو دیکھیں کہ آخر اس میں کیا ترشی ہے جو اچھے داموں بک نہیں پاتا۔ مرید نے عقیدت و احترام سے ایک انار آپ کی طرف بڑھایا۔

آپ نے چکھا تو کہا کیوں رے! تُو تو کہتا تھا کہ تیرے باغ کے سبھی انار اتنے ترش ہوتے ہیں کہ خدا کی پناہ مگر میں نے تو اس سے زیادہ شیریں انار آج تک نہیں کھایا۔ اس نے بے یقینی سے آپ کو دیکھا تو آپ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ دوسرا انار توڑ کر خود ہی اندازہ لگا لو۔ اس شخص نے فوراً ایک انار توڑ کر کھایا تو وہ واقعی بہت میٹھا تھا۔ اس کے بعد اس نے کئی اور انار توڑ کر کھائے مگر سبھی شیریں نکلے۔ یوں اس کے باغ کی شہرت اور انار کی مٹھاس دور دور تک پھیل گئی۔

(حیاتِ کلیم)

۲۷۵۔ اصلاحی نصیحت کا اثر

حضرت کلیم اللہ شاہجہاں آبادی کا ایک عقیدت مند خواجہ محمد یوسف تھا۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ خواجہ محمد یوسف کا ایک عزیز تھا جس کے طور طریقوں سے وہ سخت نالاں تھے۔ اس کے طور طریقے بھی ایسے تھے کہ شرفاء کانوں کو ہاتھ لگائیں۔ اس آوارہ اور بدعمل شخص کو خواجہ محمد یوسف اور دیگر متعلقین نے بے انتہا سمجھایا۔ بدی نیکی کی راہ دکھائی مگر مجال ہے جو اس نے کسی کا اثر قبول کیا ہو۔ اس کے رنگ ڈھنگ وہی رہے جو تھے۔ لوگوں نے جب دیکھا کہ یہ تو چکنے گھڑے کی مانند ہے۔ ہر نصیحت پھسل کر اس سے اتر جاتی ہے تو انھوں نے فیصلہ صادر کر دیا کہ یہ ناقابلِ اصلاح ہے۔ خدا نے چاہا تو درست ہو جائیگا۔ ورنہ یہ بدی کی راہ کا ایسا مسافر ہے جو نیکی پر آ ہی نہیں سکتا۔ خواجہ محمد یوسف اور دوسرے لوگوں نے اس سے قطع تعلق کر لیا۔ اس بات سے وہ شخص اور زیادہ ضد میں آگیا۔ اور انھیں چڑانے کی خاطر جان بوجھ کر مزید غلط اور گمراہ کن حرکات کرتا۔ آخر خواجہ یوسف نے تنگ آکر اسے زبردستی پکڑا اور شاہ کلیم کی خانقاہ میں لے گئے۔ رقت آمیز لہجے میں بولے "حضرت! اس نے سخت پریشان کر رکھا ہے۔ خاندان کا نام سر بازار اچھالتا پھر رہا ہے۔ ایک نظر کرم اس پر بھی ڈالیں"۔

آپ نے اس شخص کو دیکھا اور پھر نرمی سے ہاتھ بڑھا کر اس کے سینے پر رکھتے ہوئے فرمایا، "کیوں بے، کیوں ایسی حرکات کرتا پھرتا ہے کہ جن سے عزیزوں کا دل جلے۔" آپ کی نصیحت کا اس شخص پر اتنا اثر ہوا کہ اس نے فوراً توجہ کی اور آپ سے خواہش ظاہر کی کہ آپ اس کی تعلیم و تربیت کا فریضہ انجام دیں تاکہ وہ خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے کے لائق بن سکے۔ آپ نے اس پر بھرپور توجہ دی۔ اس کے بعد اس شخص نے آپ کی خانقاہ میں ہی عبادت و ریاضت میں وقت گزارنا شروع کر دیا دو دفعہ مکہ حج کے لیے گیا اور تیسری مرتبہ حج کر کے مدینہ شریف، حضورؐ کی زیارت کو گیا تو وہیں کا ہو کر رہ گیا۔ (حیاتِ کلیم)

۲۷۶۔ حضرت کلیم اللہ کا طریقۂ ملاقات

جو بھی آپ کا ایک مرتبہ مرید بن جاتا وہ عزم و استقلال اور ہمت کے ایک پیکر میں ڈھل جاتا۔

مصائب و تکالیف کا زمانہ ہوتا یا افلاس کے ہاتھوں تنگ دستی کا، ان کا سینہ عزم سے بھرا رہتا۔ دل میں رقت اور سوز و گداز کی فراوانی ہوتی اور صبر و پامردی سے ان مشکلات کا سامنا اور مقابلہ کرتے۔ شاہ کلیم، کاشف صوفی تھے۔ آپ کا معمول ہوتا تھا کہ جو شخص بھی آپ کی خانقاہ میں داخل ہوتا آپ اسے اسی کے نام سے پکارتے ہوئے انتہائی محبت سے پیش آتے۔ بعض اوقات یوں ہوتا کہ کوئی انجان بندہ بھی آپ کی خانقاہ میں داخل ہوتا اور اس سے پہلے کہ وہ اپنا تعارف کرائے آپ اسے پہلے ہی اس کے نام سے پکار کر اپنے پاس بلا لیتے اور وہ حیرت زدہ رہ جاتا۔ ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا۔ وہ آپ کا چرچا و شہرہ سن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ آپ نے اس نووارد کو دیکھتے ہی اس کے نام سے پکارا اور اتنی محبت و چاہت سے پاس بلایا۔ گویا ایک طویل عرصے کی رفاقت رہی ہو اس کے ساتھ۔ وہ شخص آپ کے منہ سے اپنا نام سن کر حیران رہ گیا اور کہنے لگا حضرت! جہاں تک میرا خیال ہے بلکہ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ میں آج پہلی مرتبہ آپ سے مل رہا ہوں پھر آپ کو میرا نام کیونکر معلوم ہوا؟ آپ نے مسکراتے ہوئے کہا، جس کا معلم اللہ ہو تمام عالموں کا عالم، اس سے کچھ بھی بعید نہیں۔ (حیاتِ کلیم)

۲۷۷۔ حضرت کلیم اللہ شاہجہاں آبادی کی کرامت

ایک مرتبہ آپ کا ایک ارادت مند دودھ کا پیالہ آپ کی خدمت میں لایا اور پیش کیا۔ آپ کی عادت تھی کہ کبھی اکیلے نہ کھایا تھا نہ پیا کرتے۔ چنانچہ جب اس ارادت مند نے وہ دودھ کا پیالہ آپ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے اسے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ پہلے حاضرینِ محفل سے شروع کرو۔ یہ اشارہ پا کر بیچارہ ارادتمند سخت حیران ہوا۔ اور سوچنے لگا نجانے حضرت کو کیا ہو گیا ہے اچھی طرح جانتے ہیں کہ پیالے میں اتنا دودھ کہاں ہے جو یہ تمام لوگ پی سکیں۔ بلکہ ایک بُوند تک منہ میں لے جا سکیں۔ حاضرینِ محفل بھی آپ کے اس اشارے کو مذاق سمجھنے لگے۔ اور خیال کرنے لگے کہ آپ شاید ارادت مند سے یونہی مذاق کر رہے ہیں۔ بہرحال ارادت مند ہاتھ میں پیالہ لیے کھڑا ہی رہا۔ یہ دیکھ کر آپ نے اسے اشارہ کیا۔ اب کی مرتبہ آپ اس شخص کی حیرانگی کو دیکھ کر محظوظ بھی بہت ہوئے۔ وہ شخص آپ کا اشارہ پا کر پہلے شخص کے پاس لے کر گیا۔ اس نے جی بھر کر دودھ پیا۔ دوبارہ جو دیکھا تو پیالہ ویسے ہی منہ تک بھرا تھا۔ دوسرے کی باری

آئی پھر تیسرا دودھ پینے لگا مگر پیالہ خالی نہ ہوا۔ بالآخر تمام لوگوں کے بعد آپ نے خود بھی اس میں سے دودھ پیا۔ (حیاتِ کلیم)

۲۷۸۔ حضرت شہباز قلندر کی کرامت

بلخ بخارا کے بادشاہ ایک مرتبہ حضرت لعل شہباز قلندر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اے شہنشاہِ ولایت! میرے پاس خدا کی دی ہوئی ہر نعمت موجود ہے۔ میری بادشاہت میں میرے حکم کے بغیر کوئی کام ممکن نہیں ہوتا۔ نعمتِ خداوندی سے میں مالا مال ہوں لیکن ایک چیز کی کمی میں شدت سے محسوس کرتا ہوں، وہ یہ ہے کہ میں اولاد سے محروم ہوں۔ آپ میرے لیے دعا فرمائیں کہ خداوند کریم مجھ کو اس نعمت سے بھی نواز دے۔ حضرت لعل سائیں نے بادشاہ کے لیے دعا فرمائی اور ساتھ ہی یہ بشارت بھی دی کہ بہت جلد اللہ تعالیٰ تمھیں ایک فرزند صالح دے گا لیکن اس میں ہمارا اسا جھا ہوگا بادشاہ نے عرض کی، حضرت! مجھے آپ کی ہر شرط منظور ہے۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میری سلطنت کا ولی عہد پیدا ہو جائے۔ کچھ ہی عرصے کے بعد اللہ پاک نے بادشاہ پہ مہربانی کر دی اور اس کو ایک فرزند ارجمند عطا کیا۔

بادشاہ نے بیٹے کی پیدائش کی خوشی میں زروجواہر تول کر حضرت لعل سائیں کی خدمت میں پیش کیے مگر آپ نے ان تمام چیزوں کو رد کرتے ہوئے فرمایا، ہمیں دنیاوی دولت سے کیا سروکار۔ ہم درویش لوگ ہیں، ان جھگڑوں سے تو ہمارا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ ہمارا تو تمھارے بیٹے میں ساجھا ہے ہم اس میں سے حصہ لیں گے۔ یہ کہہ کر آپ نے حکم دیا کہ بچے کو ہمارے سامنے لایا جائے۔ بادشاہ نے فوراً آپ کے حکم کی تعمیل کی۔ آپ نے بچے کو اٹھایا اور اپنی گدڑی میں چھپا کر بادشاہ سے کہا کہ اب تم جو کچھ مرضی کرو اس میں آدھا حصہ میرا ہوگا۔ آپ نے اس بچے کا نام ادھم رکھا، یہ لڑکا ہی بڑا ہو کر سلطان ادھم کے نام سے مشہور ہوا لیکن کچھ عرصہ حکومت کرنے کے بعد اس نے دنیا ترک کر دی اور باقی آدھی عمر فقیری میں گزار دی۔ سلطان ادھم نے حضرت لعل سائیں کے حکم سے خیر پور کے پاس پہاڑی پہ قیام کیا اور یہاں پر ہی وفات پائی۔ آپ کا مزار خیر پور میں موجود ہے۔ سلطان ادھم میں سے حضرت لعل سائیں نے اس کی درویشی کی شکل میں آدھا حصہ لیا۔ (تذکرہ شہباز قلندر)

۲۷۹۔ گمشدہ بیٹے کی تلاش میں مدد

حضرت شہباز قلندر کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ گرنار میں قیام فرما تھے۔ ایک روز آپ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرا بیٹا گم ہو گیا ہے آپ اس کو تلاش کر دیں۔ آپ نے وعدہ کیا کہ میں تمہارے بیٹے کی تلاش میں ضرور تمہاری مدد کروں گا۔ اس کے بعد آپ اس شخص کو لے کر ایک خانقاہ میں گئے۔ اس خانقاہ کے اندر سات بزرگ بیٹھے تھے اور عبادت اور ذکر الٰہی میں مشغول تھے آپ نے ان بزرگوں میں سے ایک کو بازو سے پکڑا اور اس کو اپنے ساتھ خانقاہ سے باہر لے آئے۔ لڑکے کا باپ بڑا حیران ہوا کہ خانقاہ سے جو بزرگ شخص باہر لائے گئے تھے دراصل وہی اس کا لڑکا تھا۔ آپ نے اس شخص کو بتایا کہ تمہارا لڑکا دراصل ولی ہے اور یہ گم نہیں ہوا تھا بلکہ یہ عبادت کی غرض سے آبادی سے دور آ کر خدا کو یاد کرنے میں مگن تھا۔ اس شخص نے اپنے لڑکے کو آپ کے حوالے کر دیا۔ آپ نے اس کی تربیت کی اور وہ آپ کے تلطف و فیض سے روحانیت میں نہایت اعلیٰ مقام حاصل کر گیا

(تذکرہ شہباز قلندر)

۲۸۰۔ مُریدوں کو نصیحت

ایک روز حضرت زکریا ملتانی مسجد میں تشریف لائے تو وہاں آپ کے مرید اور چند درویش وضو کر رہے تھے اور آپ کو دیکھ کر سب کے سب لوگ وضو چھوڑ کر کھڑے ہو گئے مگر ایک درویش بدستور وضو کرتا رہا اور جب وضو سے فارغ ہوا تو تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا۔ آپ نے اس درویش کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، اصل درویش یہ ہے کہ جس نے خدا کے کام کو مقدم جانا اور اس کے بعد مرشد کی طرف راغب ہوا۔ یہی دستور درویشی ہے کہ مالک کی طرف پہلے جھکو اس کی بندگی اور عبودیت پہلے کرو۔ اس کے بعد اپنے شیخ کے لیے تعظیم بجا لاؤ۔ وضو کر کے انسان خدا کی درگاہ میں جاتا ہے اور خدا کے گھر جاتے ہوئے راستے میں کوئی انسان مل جائے خواہ وہ کتنا ہی برگزیدہ کیوں نہ ہو اس کی تعظیم سے زیادہ اپنی منزل کی طرف جانا مقدم سمجھنا چاہیئے۔ آپ ہمیشہ انکساری کی تعلیم فرماتے تھے اور شخصیت پرستی سے زیادہ خدا پرستی کو معتبر و مقدم جانتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انکساری نے آپ کو

اوجِ کمال تک پہنچا دیا تھا۔ (تذکرہ اولیائے پاکستان)

۲۸۱۔ ایک عالمِ دین کا واقعہ

ایک مرتبہ ایک بہت بڑا عالم و فاضل اور دانشور بخارا سے دہلی آیا۔ اس کی عالمانہ شہرت ہندوستان بھر میں پھیل گئی۔ لوگ اس کو بڑا نکتہ ور سمجھنے لگے۔ ہندوستان میں پھرتا پھراتا وہ ملتان بھی آیا مگر اس نے جناب زکریا ملتانی سے ملاقات کرنا کسرِ شان سمجھا۔ کافی عرصہ ملتان میں قیام کرنے کے بعد جب وہ وہاں سے واپس جانے لگا تو اس کے حواریوں اور ساتھیوں نے اس کو کہا کہ آپ ایک مرتبہ جناب زکریا ملتانی سے تو مل لیں۔ اس نے بڑی ردوکد کی اور جناب زکریا ملتانی سے ملاقات کرنے میں تامل ہوتا رہا مگر اپنے ساتھیوں کے اسرار پر اس کو جناب زکریا کی خدمت میں ناچار حاضر ہونا پڑا۔

اس عالم نے لمبے لمبے بال رکھے ہوئے تھے جن کی ایک لمبی سی لٹ اس کے شانوں پر جھول رہی تھی اور سر پر بڑا سا عمامہ باندھ رکھا تھا جس کا شملہ نیچے لٹک رہا تھا۔ جب وہ آپ کی خانقاہ پر پہنچا تو جناب زکریا ملتانی نے اس کو مسکراتے ہوئے مخاطب کیا کہ کندھوں پر دو سانپ لٹکا کر آ رہے ہو۔ یہ بات کہنے کی دیر تھی کہ اس عالم نے دیکھا کہ اس کے کندھوں پر واقعی دو اصلی سانپ لٹک رہے تھے۔ وہ اس قدر دہشت زدہ ہوا کہ اس کی ساری رعونت، شیخی اور ڈینگ بازی رفوچکر ہو گئی اور دستار و جبہ ایک طرف پھینک کر آپ کے قدموں میں گر گیا۔ آپ نے اس کو اٹھایا اور فرمایا بس اتنی سی بات سے گھبرا گئے تو یہ تمہارا غرور، نخوت اور برتری تھی جو تمہیں اللہ نے سانپوں کی شکل میں دکھائی۔ اسی غرور کو ساتھ لیے پھر رہے ہو اور جب وہ اصلی شکل میں نظر آئے ہیں، تو خوفزدہ ہو گئے ہو۔ یہ سن کر وہ عالم بہت شرمندہ ہوا اور آپ کے قدموں میں گر کر معافی کا خواستگار ہوا۔ آپ سے بیعت ہو کر اس نے جبہ و دستار پرے پھینکے اور سر بھی منڈوا لیا اور آپ کے ساتھ ایک عرصہ تک حجرے میں بند ہو کر عبادت و ریاضت میں غرق رہا۔ وہ ہر ایک سے یہی کہتا تھا کہ اس نے کسی مدرسہ و مکتب سے علم حاصل نہیں کیا بلکہ اس نے سب کچھ جناب زکریا ملتانی کی خانقاہ سے حاصل کیا ہے۔ (تذکرہ اولیائے پاکستان)

۲۸۲۔ حضرت شاہ رکن عالم کی حضرت نظام الدین سے دوستی

علاء الدین خلجی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ہندوستان کے تخت و تاج کا مالک بنا اور قطب الدین خلجی کے نام سے مشہور ہوا۔ قطب الدین خلجی کے تخت نشین ہوتے ہی درباری خوشامدیوں نے اسے یوں گھیرے میں لے لیا کہ وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے عاری ہوگیا۔ جو درباریوں نے کان میں ڈالا آنکھ بند کرکے اس کی حقیقت پہ ایمان لے آیا۔ شاہی درباریوں نے دلّی میں خواجہ نظام الدین کی شہرت و دبدبہ دیکھا تو آگ پر لوٹنے لگے۔ وہ خیال کرتے تھے کہ ہم شاہی دربار سے وابستہ ہیں لہٰذا عوام ہماری زیادہ عزت کریں گے اور اپنی مشکلات و مصائب ہمارے آگے آکر بیان کریں گے۔ تاکہ ہم اسے شہنشاہِ ہند تک پہنچا سکیں یا اپنے اختیارات سے کام لے کر انھیں دور کریں لیکن یہ لوگ تو بھولے سے بھی ہمارے پاس نہیں آتے اور خواجہ صاحب کے گرد گھیرا ڈالے بیٹھے رہتے ہیں۔ تو انھوں نے بادشاہ کو خواجہ کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ قطب الدین بھی اب خواجہ سے عناد رکھنے لگا۔ اور ان کا وجود اپنی اور اپنی سلطنت کی سالمیت کے لیے حد درجہ خطرناک سمجھنے لگا۔ چاہتا تھا کہ کسی طرح خواجہ نظام الدین کو زک پہنچا کر دلّی سے نکلوا دے لیکن پھر ان کی درویشی و عظمت کے آگے بے بس ہو جاتا اور سوچتا کہ کہیں یہ میرے حق میں ایسی بددعا نہ کریں کہ مجھی کو دلّی کی مسند چھوڑنی پڑ جائے۔ چالاک اور مفسد درباریوں نے جب بادشاہ کو اس کشمکش میں دیکھا تو اسے کہنے لگے کہ اگر آپ ملتان سے شاہ رکن عالم کو دلی بلالیں تو وہی مقاصد حاصل کر سکتے ہیں جو آپ کے ذہن میں ہیں۔ بادشاہ نے سوالیہ انداز میں درباریوں کی طرف دیکھ کر پوچھا وہ کیسے؟ ان مفسد درباریوں نے عیاری سے کہا شاہ رکن عالم اور خواجہ نظام الدین اولیاء کی آپس میں بہت کم بنتی ہے۔ اس طرح جب ایک شہر میں دونوں یکجا ہو جائیں گے تو دونوں میں رنجش بڑھے گی۔ اور پھر ہم اسی رنجش سے بھرپور فائدہ اٹھالیں گے۔ بادشاہ کو یہ تجویز بڑی بھائی۔ اس نے فوراً شاہ رکن عالم کی طرف ایک دعوت نامہ بھیجا اور دلّی آنے کے لیے پُرزور اصرار کیا۔ شیخ رکن عالم کو اچھی طرح علم تھا کہ اس دعوت نامے کے پس پردہ کیا عوامل ہیں۔ وہ بادشاہ کی عیاری خوب سمجھتے تھے لیکن انھوں نے دلّی جانا بھی ضروری خیال کیا۔ چنانچہ آپ نے فوراً اپنے عقیدتمندوں اور ارادتمندوں کو ساتھ لیا اور دلی کے سفر پہ نکل کھڑے ہوئے۔ ادھر خواجہ نظام الدین اولیاء کو بھی معلوم ہو چکا تھا کہ بادشاہ اور اس کے خوشامد پسند کھلاڑی

کیا کھیل کھیل رہے ہیں تو انھوں نے اس کے توڑ کا حل یہی نکالا کہ پہلے خود شاہ رکن عالم کے استقبال کے لیے جائیں۔ اس لیے انھیں جیسے ہی اطلاع ملی کہ شاہ رکن عالم ملتان کے نزدیک پہنچ چکے ہیں تو آپ بھی اپنے ارادتمندوں، عقیدتمندوں اور مریدوں کے ساتھ دلی شہر سے نکل کر ذرا آگے جاکر رکن عالم کے استقبال کے لیے کھڑے ہو گئے اور جیسے ہی شاہ رکن عالم دلی کے نزدیک پہنچے تو آپ کا انھوں نے پُرجوش خیر مقدم کیا۔ رات بھر دونوں بزرگ ایک خیمے میں بیٹھے شرعی مسائل پر گفتگو کرتے رہے! صبح ہوئی تو نظام الدین اولیاء نے شاہ رکن عالم سے الوداعی مصافحہ کیا اور پھر اپنے عقیدتمندوں کے ساتھ دلّی واپس کوچ کر گئے۔ شاہ رکن عالم نے بھی نظام الدین اولیاء کے جاتے ہی دلی شہر کی طرف کوچ کا حکم صادر کیا۔ بادشاہ شہر کی فصیل کے پاس شاہی افراد کے ساتھ کھڑا آپ کے استقبال کے لیے تیار تھا۔ چنانچہ جیسے ہی اسے شاہ رکن عالم کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ آگے بڑھ کر آپ کا استقبال کرنے والوں میں شامل ہو گیا۔ اور آپ کے گھوڑے کی لگام تھام کر کچھ فاصلہ آگے بڑھنے کے بعد آپ کو گھوڑے سے اتار کر ایک دوسری آرام دہ سواری پر بٹھایا گیا۔ پھر یہ قافلہ شاہی محل کی طرف روانہ ہوا۔ شاہی محل کے پھاٹک پر پہنچ کر بادشاہ نے جو پیچھے نظر دوڑائی تو اسے انسانوں کے سروں کا اژدہام نظر آیا جو شاہ رکن عالم کے استقبال کی خاطر ان کے پیچھے چلا آیا تھا۔ بادشاہ نے یہ موقع مناسب گردانا اور شیخ رکن عالم کو وہیں ٹھہرا کر آپ سے عوام کے سامنے مخاطب ہوا۔

"حضرت آپ کا دلّی شہر میں سب سے پہلے کس نے استقبال کیا؟"

شیخ رکن عالم ملتانی بھی دلی کے تاجدار کی بات خوب سمجھ رہے تھے۔ لہٰذا انھوں نے بلند آواز سے مجمع کی طرف دیکھ کر کہا "لوگو! بھلے اس شہر میں مجھ ملتانی درویش کا سب سے پہلے سواگت اس نے کیا جو تمھارے شہر کا سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار انسان ہے اور جو خدا کا محبوب بندہ ہے۔" بادشاہ جو اپنی دانست میں آپ کا استقبال کرنے والوں میں سب سے آگے تھا، یہ سن کر خوشی سے پھولا نہ سمارہا تھا۔ اس نے پھر بھی مزید تصدیق کے لیے آپ سے کہا "حضرت! وہ خوش نصیب کون تھا اس کے نام سے بھی تو مطلع فرمائیں تاکہ دلّی کے لوگ جان لیں کہ ان کے شہر کا سب سے پرہیزگار اور عبادتگزار انسان کون ہے؟"

یہ سن کر شیخ رکن عالم نے مجمع کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھ کر کہا "لوگو! تمھارے شہر میں داخل ہونے سے پہلے میرا جس شخص نے سب سے پہلے استقبال کیا وہ محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین بدایونی

تھے اور تم لوگ اچھی طرح جان لو کہ وہ دلی کے سب سے اچھے بندے اور ہ کے نزدیک محبوب ترین بشر ہیں۔" دلی میں اگرچہ شاہ رکن عالم جب بھی تشریف لاتے تو شاہی دربار کے مہمان کی حیثیت رکھتے اور انھیں محل میں ہی قیام کے لیے مجبور کیا جاتا لیکن آپ اپنا زیادہ وقت نظام الدین اولیاء کی صحبت میں گزارنا پسند فرماتے۔ اکثر گھنٹوں دونوں بزرگ سر جوڑے سیر حاصل گفتگو میں محو پائے جاتے اور لوگ دونوں بزرگانِ دین کی یہ مثالی سنگت اور دوستی رشک سے دیکھتے جو ایک دوسرے کے عہدے سے بے نیاز آپس میں دو دوستوں کی طرح باتیں کرتے رہتے۔ اکثر یوں بھی ہوتا کہ نظام الدین اولیاء اور شیخ رکن عالم دلی کی کسی مسجد میں نماز کے لیے جاتے اور جب نظام الدین نماز ختم کر پاتے تو اس جگہ آن کھڑے ہوتے جہاں شاہ رکن عالم عبادتِ الٰہی میں مشغول ہوتے۔ انھیں عبادت میں مشغول دیکھ کر خواجہ نظام الدین چپ چاپ خاموشی سے ان کے پیچھے بیٹھ جاتے اور ان کی نماز ختم کرنے تک وہیں بیٹھے رہتے۔ جیسے ہی شاہ رکن عالم سلام پھیرتے وہ آپ کو دیکھ کر متبسم ہوتے اور آپ سے مصافحہ کر کے آپ کو ساتھ اٹھا کر اسی جگہ لے جاتے جہاں سے نظام الدین اٹھ کر آپ کے پاس تشریف لائے ہوتے تھے اور پھر مسجد کی اس جگہ بیٹھ کر شرعی باتیں کرنے لگتے۔ دونوں درویشوں کی پالکیاں مسجد کے باہر کھڑی ہوتی تھیں اور جب انھوں نے واپس جانا ہوتا تو پالکیوں کے پاس پہنچ کر آپس میں اصرار کرتے لگتے کہ پہلے وہ پالکی میں سوار ہوں۔ اور اکثر یوں ہوتا کہ خواجہ نظام الدین اولیاء کا اصرار غالب رہتا۔ اور مجبوراً پہلے شاہ رکن عالم ملتانی کو پالکی میں سوار ہونا پڑتا۔ ان دونوں بزرگانِ دین کی آپس میں یہ چاہت قابلِ رشک تھی اور آج کل کے علماء کے لیے قابلِ تقلید بھی۔

سندھ کا ایک عابد بھی آپ کی خانقاہ میں دینِ حق کی تعلیم کے لیے ٹھہرا ہوا تھا اور آپ سے فیض یاب ہو رہا تھا۔ وہ دن رات آپ کی خانقاہ میں عبادت اور ریاضت میں وقت گزارتا۔ خانقاہ کا لنگر عظیم الشان تھا اور وہاں کسی قسم کی چیز کی کوئی کمی نہ تھی لہٰذا خانقاہ میں ٹھہرے ہوئے درویش ہر قسم کے فکر سے آزاد پوری تندہی سے خدا کی عبادت میں مشغول رہتے۔

۲۸۳۔ حضرت شاہ رکن عالم کی کرامت

ملتان میں ایک ہندو عورت رہا کرتی تھی، بیوہ تھی اور سوائے ایک اکلوتے بیٹے کے اس کا اس دنیا

میں کوئی سہارا نہ تھا مگر وہ نصیبوں جلی اس بیٹے کی رفاقت سے بھی محروم تھی۔ دنیا جہان کی محنت مشقت اٹھا کر اس نے بیٹے کی پرورش کی اور وہ بیٹا جس کے لیے اس نے سب کچھ کیا ایک دن تجارت کی غرض سے خراسان کے سفر پر ایسا روانہ ہوا کہ دوبارہ ملتان کی راہ ہی بھول گیا۔ نہ تو خود آیا اور نہ ہی کوئی خیر خیریت کا پتر ماں کو بھیجا۔ وہ بیچاری ممتا کی ماری اس کی یاد میں رات بھر روتی رہتی اور دن بھر لوگوں کی منتیں کرتی کہ کسی طرح وہ اس کے بیٹے کو واپس لادیں۔ لوگ بھی رحم کے جذبے سے اسے دیکھتے اور بے بسی کا اظہار کر کے اپنی راہ لیتے۔ آخر جب کچھ ہمدردوں نے دیکھا کہ یہ تو ممتا کی ماری اب پاگل ہونے کو آئی ہے تو کسی نے اسے مشورہ دیا کہ دیکھ تو ملتان کے مسلمان درویش کے پاس جا۔ ان پر ایشور کی بڑی کرپا ہے اور وہ تجھے تیرے بیٹے سے ملوا سکتے ہیں۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بھی کافی ہوتا ہے۔ چنانچہ اس عورت نے جب یہ سنا کہ ایک ایسا در بھی ہے جہاں سے وہ کامیاب لوٹ سکتی ہے تو اس نے فوراً شاہ رکن عالم کی خانقاہ کی طرف دوڑ لگائی اور سیدھی آپ کے حجرے میں پہنچ کر فریاد کرنے لگی کہ "شریمان جی مجھ ابھاگن پہ دیا کریں۔ میرا اکلوتا بیٹا بڑے سمے سے مجھ سے الگ ہے نجانے کدھر ہوگا" جذبات کی شدت سے وہ عورت روتی بھی جاتی تھی اور زبان سے فریاد بھی کرتی جاتی۔ آپ نے رحمدلی سے اسے دیکھتے ہوئے چند لمحوں کے لیے آنکھیں بند کر کے مراقبے میں چلے گئے۔ پھر کچھ دیر بعد آنکھیں کھولتے ہوئے اس ہندو عورت سے بولے، گھر جاؤ تمھارا بیٹا اللہ کی رضا سے گھر پہنچ چکا ہوگا۔

یہ سن کر عورت خوشی سے پاگل ہوتے ہوئے گھر کو دوڑی۔ ابھی وہ گھر کی دہلیز سے ذرا دور ہی تھی کہ اس نے دیکھا کہ اس کا بیٹا ہاتھ میں ہانڈی میں ڈالنے والا بڑا سا چمچ اٹھائے دوڑتا آرہا ہے۔ عورت نے جب طویل عرصہ کے بعد بیٹے کو دیکھا تو دوڑ کر اسے گلے سے لگا لیا اور رو رو کر اپنا بُرا حال کر لیا۔ وہ نوجوان حیرت سے کبھی ماں کو دیکھتا کبھی اپنے آبائی شہر کی گلی کو تکتا اور پھر ہاتھ میں پکڑے اس چمچ پہ نظر ڈالتا۔ پھر وہ ماں کو لے کر اپنے گھر میں داخل ہوا اور حیرت سے ماں کو بتانے لگا کہ اماں! یہ تو بڑا ہی نرالا واقعہ ہوگیا۔ میں تو وہاں خراسان میں بیٹھا ہانڈی میں چمچ ہلا رہا تھا کہ ایک بلی کہیں سے نمودار ہوئی اور وہ تھالی میں رکھے گوشت کو اٹھا کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ مجھے اس پر بہت غصہ آیا۔ چنانچہ میں نے ہاتھ میں پکڑے چمچ کے ساتھ ہی اس کے پیچھے دوڑ لگادی لیکن گھر سے نکل کر اب جو دیکھتا ہوں تو اپنے شہر کی گلی میں خود کو موجود پاتا ہوں۔ ماں! کیا یہ عجیب بات نہیں آخر ایسا کیسے ہوگیا؟

اس کی ماں جو فرطِ مسرت سے بیٹے کو دیکھتی جا رہی تھی پوری بات سننے کے بعد اس نے بیٹے کو شاہ رکن عالم کے بارے میں بتایا۔ چنانچہ اگلی صبح اس کا بیٹا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اسے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا۔ دیکھ یہ تیری ماں ہی ہے جس نے آج تجھے پال پوس کر اتنا نوجوان اور باہمت بنا دیا ہے کہ تو گھر سے نکل کر خراسان جیسے دور دراز علاقے میں جا کر تجارت کر سکے۔ پھر بھی تُو ماں کو بھول گیا۔ یاد رکھ جس دن تو اپنی ماں کو بھُولا اس دن تیرا پربھو تجھے بھُول جائے گا۔

۲۸۴۔ رُوحانی غذا کے چہرے پر اثرات

ایک مرتبہ ایک درویش کہیں سے شاہ رکن عالم کی شہرت و عظمت سن کر انھیں ملنے ملتان آیا اور آپ کی خانقاہ میں آ کر رہنے لگا۔ ایک دن جب اس کی ملاقات آپ سے ہوئی تو اس نے جب آپ کا ظاہری حُسن وجمال اور باطنی کمال دیکھا تو انگشت بدنداں ہو کر رہ گیا۔ نادان یہ سمجھ بیٹھا کہ اس میں ضرور شاہ رکن عالم کی غذا کی تاثیر ہوگی جو ان کے چہرے سے یُوں نور ٹپک رہا ہے۔ چنانچہ اس نے فیصلہ کر لیا کہ اب خواہ کچھ ہو جائے وہ تو ہرگز خانقاہ کی خوراک استعمال نہ کرے گا۔ اور خانقاہ کا انتظام چلانے والوں سے ضد کریگا کہ اسے بھی وہی کھانا دیا جائے جو وہ لوگ شاہ رکن عالم کے لیے تیار کرتے ہیں۔ وہ اس خوش فہمی میں مکمل مبتلا ہو چکا تھا کہ شاہ رکن عالم کے چہرے سے جو روشنی پھوٹتی ہے اس کا راز صرف اس اعلیٰ غذا میں پوشیدہ ہے جو اُن کے لیے خاص طور پر تیار کی جاتی ہوگی۔ چنانچہ اگلے دن جب اسے کھانا دیا گیا تو اس نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ مجھے بھی وہی کھانا کھلاؤ جو تم لوگ قطب الاقطاب کو کھلاتے ہو۔ خانقاہ کا لنگر چلانے والوں نے ہر طرح کی منت سماجت کر کے دیکھ لی لیکن وہ درویش بھی ایک ہٹ دھرم تھا اس نے کسی کی بات تک نہ سنی اور صرف یہی مطالبہ کرتا رہا کہ کھانا کھلانا ہے تو مجھے وہی کھانا کھلاؤ جو تم لوگ شاہ رکن عالم کو کھلاتے ہو۔

لوگوں نے تنگ آ کر اس بات کی آپ کو اطلاع کی۔ آپ نے اسی وقت اپنے دستر خوان سے کھانا اس کے لیے بھجوا دیا اور وہ جو خانقاہ کے لنگر میں پکے دنیا کے لذیذ ترین کھانوں کو ٹھکرا کر اس بیش قیمت خوراک کی خواہش میں بیٹھا تھا جو اس کے خیال میں شاہ رکن عالم کھاتے ہوں گے۔ اس نے جب اپنے آگے جَو کی روٹی اور بے نمک اُبلی ہوئی سبزی دیکھی تو حیرت سے چلّا کر بولا کہ یہ تم لوگ مجھے کیا کھلانے

کے لیے اٹھا لائے ہو۔ لوگوں نے مسکرا کر کہا، بابا! تم نے خود ہی تو خواہش ظاہر کی تھی کہ تم وہ غذا کھانا چاہتے ہو جو شاہ رکن عالم کھاتے ہیں۔ اب وہی غذا تمہارے سامنے سرد کر دی گئی ہے تو تم کہتے ہو کہ ہم یہ کیا اٹھا لائے ہیں۔؟ وہ درویش یہ دیکھ کر حیران رہ گیا اور شرمندگی کے مارے منہ چھپا کر بیٹھ گیا اور خود کو ملامت کرنے لگا۔ اس نے شاہ رکن عالم کے بارے میں کیسی بے سروپا بات سوچی تھی۔ ادھر جب سب لوگ کھانے سے فارغ ہو کر اپنے اپنے حجرے میں چلے گئے تو آپ نے اس درویش کو اپنے پاس بلایا۔ وہ ندامت سے سر جھکائے آپ کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا۔ بابا! ہماری یہ خوبروئی اعلیٰ اور مرغن کھانے کھانے سے نہیں بلکہ ریاضت اور عبادت سے حاصل روحانی غذا سے ہے۔ پھر آپ نے اس درویش کو پکڑ کر سینے سے لگا لیا اور اس درویش نے بغل گیر ہوتے ہی محسوس کیا کہ جیسے اس پر عرفان کے در کھل گئے ہوں۔ وہ فوراً آپ کے قدموں میں گر کر رونے لگا۔ آپ نے اسے اٹھایا اور ریاضت و مجاہدہ کرنے کی تلقین کی اور دینی تعلیم کی اہم باتیں بتائیں۔ وعظ و نصیحت کرنے کے بعد آپ نے اسے رخصت کیا۔

۲۸۵۔ حضرت شاہ رکن عالم کا روحانی مقام

حضرت بہاء الدین زکریا کے دربار میں ایک دفعہ ایک عورت اپنے قریب المرگ گوشۂ جگر کو لیے حاضر ہوئی اور حضرت شیخ سے طالبِ دعا ہوئی۔ حضرت کے دادا نے فرمایا کہ جو منظورِ خدا ہو گا وہی ہو گا۔ چنانچہ بچہ مر گیا اور وہ عورت مایوس و نامراد اپنے گھر کو جانے لگی۔ اتفاق سے گھر کے باہر حضرت رکن الدین بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ جب اس عورت کی یہ حالت دیکھی تو کھیل چھوڑ کر اس کے پاس پہنچے اور دریافت کیا کہ وہ اس طرح کیوں رو رہی ہے۔ عورت نے کہا کہ تمہارے دادا جان کے دربار میں گئی تھی کہ میرے اس مرتے ہوئے بچے کو دوبارہ زندگی حاصل ہو جائے مگر افسوس کہ ناکام لوٹنا پڑا۔ حضرت نے فرمایا، مگر دیکھو تو سہی، مجھے تو بچہ زندہ لگتا ہے۔ خدا کی شان ملاحظہ ہو کہ جب عورت نے بچہ کے منہ سے کپڑا اٹھا کر دیکھا تو سچ مچ بچہ مسکرا رہا تھا۔ وہ عورت خوشی خوشی گھر چلی گئی۔ جب حضرت کے دادا نے یہ واقعہ سنا تو حضرت کو منع فرمایا کہ بیٹا اہلِ طریقت کے نزدیک ایسی دلیری پسندیدہ نہیں۔

حضرت کو خداوند پاک سے وہ بزرگی اور عظمت فطری طور پر حاصل ہوئی تھی کہ دس سال کی ہی مختصر سی عمر میں مجاہدہ و مراقبہ میں اس قدر جوش اور جفاکشی ظہور میں آئی کہ کشفِ قلوب، کشفِ قبور، طے

لسانی، طے ارض کے رموز و نکات حضرت پر بخوبی ظاہر ہو گئے۔ بیارہ سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا۔ علم فقہ اور تفسیر و حدیث پر اس قدر عبور حاصل ہوا کہ عام عقل و ہوش کے انسان کو میسر نہیں آسکتا۔ حضرت کی طبیعت میں علم، انکسار کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے۔ خلقِ خدا کو حضرت کی ذات بابرکات سے ہمیشہ فیض بے پایاں پہنچتا تھا۔ کوئی حاجت مند خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوتا تو نامراد واپس نہ جاتا اس کا مطلب حل ہو جاتا تھا۔ چنانچہ فرطِ حاجت روائی کے باعث مخلوق نے آپ کو حضرت قبلہ حاجات مشہور کر دیا تھا حضرت کی وضع اور روش حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر کی وضع اور روش سے ملتی جلتی تھی۔ حضرت کی مجلس میں حاضرین کے دل میں جو بات ہوتی تھی وہ سب حضرت پر روشن ہو جاتی تھی۔ سبحان اللہ! اس سے زیادہ اور کیا بزرگی ہوگی کہ حضرت کے مریدوں میں حضرت سید جلال بخاری المعروف مخدوم جہانیاں جہاں گشت جیسے جلیل القدر بزرگ بھی شامل ہیں۔

حضرت جب پہلی بار دہلی تشریف لائے تو عقیدت مند جوق در جوق حضرت کی خدمت میں آئے اور عوام و خواص کے علاوہ سلطان علاء الدین جیسا متکبر شخص بھی حضرت کے استقبال کو گیا اور نہایت عزت و احترام کے ساتھ اپنے ہمراہ دہلی لایا۔ خیر مقدم کے روز دو لاکھ تنکہ زر نقد شکرانہ میں حضرت کی خدمت میں روانہ کیے اور پانچ لاکھ تنکہ رخصت کے وقت نذر کیے۔ حضرت ایسی رقم کو اسی وقت دست بدست جس طرح چاہتے فقراء میں تقسیم فرما دیتے۔ دوسرے دن کے لیے اس میں کچھ بھی اپنے پاس نہ رکھتے۔ حضرت کو شیخ نظام الدین اولیاء سے بے حد محبت تھی۔ ۷۱۳۱ھ کا ذکر ہے کہ سلطان مبارک شاہ خلجی، حضرت محبوب الٰہی، نظام الدین اولیاء سے ناراض ہو گیا اور ان کے اثر و رسوخ کو کم کرنے کے لیے حضرت کو بلوا بھیجا۔ جب حضرت دہلی کے قریب پہنچے تو خود بادشاہ چند میل آگے چل کر حضرت کے قدمبوس ہوا۔ اس سے پہلے حضرت محبوب الٰہی حضرت سے مل چکے تھے۔ بادشاہ نے پوچھا، حدود دہلی میں داخل ہونے پر کونسا آدمی پہلے آپ کی ملاقات کو حاضر ہوا۔ حضرت نے جواب دیا "جو اس وقت زمانہ میں اپنی نظیر نہیں رکھتا"۔ بادشاہ اس جواب سے بہت خوش ہوا اور حضرت محبوب الٰہی سے اس کی ناراضگی دور ہو گئی۔ حضرت کو محبوب الٰہی سے اس قدر محبت تھی کہ بارہا یہ فرمایا کہ میں ملتان سے دہلی کا سفر محض سلطان نظام الدین اولیاء کی ملاقات و محبت کے شوق کی وجہ سے اختیار کرتا ہوں۔

دہلی کی خاکِ پُرانوار یوں تو ہمیشہ علم و ایمان کا مرکز رہی ہے اور نہ صرف مملکتی امور کے لیے اس

سرزمین کو پایہ تخت تسلیم کیا گیا بلکہ مذہبی امور کے لیے بھی اس مرکز کو فروغ حاصل ہوتا رہا۔ یہی وہ خطہ ہے، جہاں اسلام کے جری فرزندوں نے ایمان کی شمعیں روشن کیں جن کی حرارت و نور ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں دوڑ گئی۔ علمائے دین و فضلائے اسلام کے اس دیرینہ مرکز میں حضرت نے بھی قدم رنجہ فرمایا۔ اور مشتاقانِ دین کو اپنی تبلیغ سے گرمیٔ عمل کے لیے ابھارا اور اسلام کے وہ جامع فلسفے اور نکات سمجھائے کہ جذبۂ ایمان میں اور زیادہ پختگی پیدا ہوئی۔ حضرت کا یہ وصف تو بزرگانِ دہلی بھی تسلیم فرماتے تھے کہ پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل، جہاں عقل انسانی مات اور شکست کھا جاتی تھی، کمال بے ساختگی کے ساتھ حل فرما دیتے تھے۔

۲۸۶۔ بچپن کا روزہ

صاحب سیر السالکین سے روایت ہے کہ ۲۹ شعبان کو آسمان ابر آلود تھا مسلمانانِ شہر حضرت بابا صاحب کے والد ماجد قاضی سلمان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آج ۲۹ شعبان ہے اگر حکم ہو تو کل روزہ رکھیں۔ آپ نے فرمایا کہ چاند میں شک ہے اور ایسی صورت میں روزہ رکھنا ٹھیک نہیں۔ لوگ ایک اور بزرگ کی خدمت میں گئے اور یہ مسئلہ ان سے بھی پوچھا۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ آج رات قاضی صاحب کے گھر ایک بچہ پیدا ہوا ہے وہ قطب ہوگا۔ اگر کل اس نے دودھ نہ پیا تو کل تم بھی روزہ رکھو۔ اگر اس نے دودھ پی لیا تو پھر کل روزہ نہ ہوگا۔ الغرض اسی شب کو حضرت تولد ہوئے اور صبح دودھ نہیں پیا، روزہ رکھا۔ تمام شہر نے حضرت کی متابعت میں روزہ رکھا۔ جب افطار کا وقت آیا، حضرت نے دودھ سے افطار کیا۔ اسی طرح رمضان بھر حضرت نے تمام روزے رکھے۔ سیر العارفین میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ بسبب ضعف و نقاہت حضرت زمین پر گر پڑے۔ قدرے مٹی منہ کے پاس پہنچی تو شکر ہو گئی۔ اس لیے سے حضرت گنج شکر ہوئے۔

۲۸۷۔ عقیدتِ مُرشد

حضرت امیر خسرو دہلوی جب پیدا ہوئے تو حضرت کے والد حضرت کو ایک مجذوب کی خدمت میں لے گئے۔ حضرت کو دیکھتے ہی مجذوب نے فرمایا کہ یہ لڑکا طوطیٔ ہند اور ملک الشعراء یگانۂ روزگار ہوگا۔ جب

حضرت خسرو نو برس کے ہوئے تو سلطان المشائخ سے بیعت کی۔ ایک روز ایک فقیر سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دستِ سوال دراز کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ آج جو کچھ آئے گا تجھ کو دوں گا۔ اس روز کچھ نہ آیا۔ پھر فرمایا کہ کل جو کچھ آئے گا تجھ کو دوں گا۔ کل بھی کچھ نہ آیا۔ حضرت نے اپنے جوتے اس درویش کو دیے اور رخصت کیا۔ فقیر جوتے لے کر چلا۔ اتفاقاً حضرت خسرو راستے میں فقیر سے ملے۔ حضرت خسرو نے پوچھا کہاں سے آرہے ہو؟ اس نے کہا دہلی سے۔ حضرت نے پوچھا سلطان المشائخ کا کیا حال ہے؟ درویش نے کہا خیریت سے ہیں۔ حضرت نے کہا تیرے پاس سے بوئے شیخ آتی ہے۔ شاید ان کی کوئی چیز تیرے پاس ہے۔ درویش نے کہا کہ کفش خواجہ میرے پاس ہیں۔ سلطان المشائخ نے مجھے عطا کیے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کیا اس کو تم فروخت کرنا چاہتے ہو؟ فقیر نے کہا ہاں! حضرت نے پانچ لاکھ روپے اس درویش کو دے کر کفشِ خواجہ اس سے حاصل کر لیے اور ان کو سر پر رکھے ہوئے سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا کہ خسرو! یہ کفش تو نے سستی خریدی ہیں۔ آپ نے عرض کیا کہ یا حضرت اس درویش نے اسی پہ اکتفا کیا۔ اگر وہ تمام جان و مال اس کفش کے بدلے طلب کرتا تو میں سب کچھ دے کر لے لیتا۔

۲۸۸۔ رزقِ حلال کھانے کی تلقین

شاہ جہان بادشاہ کسی مہم پہ ہزارہ کے دورے پر آیا ہوا تھا۔ یہاں حاسدین نے امام بری سرکار کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کو بادشاہ کے لیے خطرہ ثابت کرنے کی کوشش کی۔ بادشاہ بھی لوگوں کی باتوں میں آگیا اور اس نے ایک فوج تیار کی جو حضرت امام بری کی خانقاہ پر جا کر ان کو اور ان کے معتقدین کو گرفتار کرنے پر متعین کی گئی۔ اس کام کے لیے بادشاہ نے شہزادہ اورنگ زیب کی ڈیوٹی لگائی۔ اورنگ زیب آپ کی درس گاہ پر فوج لے کر پہنچ گیا مگر آپ نے اس کی آمد کی بالکل پرواہ نہ کی۔ اور نہ ہی فوج سے گھبرائے بلکہ قرآن مجید کی درس و تدریس میں مشغول رہے۔ شہزادہ بڑا متاثر ہوا کہ یہ واقعی کوئی درویش انسان ہے جس نے نہ صرف میری آمد کی پرواہ نہ کی بلکہ فوج سے بھی مرعوب نہیں ہوا۔ آپ نے شہزادے کی دل کی کیفیت کو فوراً بھانپ لیا۔ قرآن مجید کی ایک آیت تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ یہ تھا "بیشک اللہ کے ولی کسی خوف اور حزن و ملال سے نہیں ڈرتے"۔ اس آیت کے بیان کے بعد آپ دوبارہ درس و تدریس

میں مشغول ہوگئے، شہزادہ کھڑا آپ کو دیکھتا رہا۔ اب شہزادے نے بھی قرآن مجید کی ایک آیت تلاوت کی جس میں اللہ اور رسول کی اطاعت کے علاوہ حاکم وقت کی اطاعت کا بھی حکم دیا گیا تھا۔ آپ نے جواباً فرمایا میں اللہ اور رسول کی اطاعت میں غرق ہوں امیر کی پرواکس طرح کروں۔ پھر آپ نے درس دیتے ہوئے فرمایا اللہ تعالیٰ کے لیے تمام تعریفیں ہیں جو لائق حمد وثنا ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر و قائق ہے۔ اس کا نور چہار سُو ہے اس کا کوئی شریک وثانی نہیں۔ وہ ہر برائی اور عیب سے مبرا اور پاک ہے۔

اس کے بعد شہزادے نے آپ سے دعا کروائی۔ آپ نے اس کے حق میں تفصیلی دعا کی۔ اس کو دعا کی اہمیت کے متعلق بتایا۔ اس ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بیان کیے کہ اللہ تعالیٰ کو دعا سے زیادہ کوئی چیز پسند نہیں۔ جو شخص اللہ سے دعا نہیں مانگتا اللہ اس پر غضبناک ہوتا ہے۔ دعا مومن کا ہتھیار ہے اور دعا قبولیت کا یقین رکھ کر مانگنی چاہیئے۔ شہزادے نے دعا کے قبول نہ ہونے کے بارے میں بھی آپ سے بات کی۔ اس کا جواب دیتے ہوئے آپ نے فرمایا۔ اکلِ حلال دعا کی قبولیت کے لیے سب سے بڑی چیز ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک صحابی نے حضورؐ سے عرض کی کہ آپ میرے لیے دعا فرمادیجیے میری دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ اکلِ حلال کا بندوبست کرو کیونکہ دعا کی استجابت رزقِ حلال سے ہوتی ہے۔ لقمہ حرام سے چالیس روز تک دعا قبول نہیں ہوتی۔ دوسری بات استغفار کی ہے۔ انسان عیوب کا اعتراف اور کمزوریوں کا اقرار کر کے استغفار کرے اور آئندہ کے لیے محتاط روی سے کام لے تو بھی دعا قبول ہو جاتی ہے اور اگر انسان اپنی مذموم حرکات پر بھی قائم رہے اور دعا بھی کرتا رہے تو پھر دعا قبول نہیں ہو سکتی۔ وقت ضائع ہو سکتا ہے۔

پھر آپ نے اس کے بعد شہزادے اورنگ زیب کو خوشخبری دی کہ تم ہندوستان کے بادشاہ بنو گے مگر یاد رکھو کہ جب تک تم رزقِ حلال نہیں کماؤ گے اپنی اولاد کو پاک اور اچھی روزی نہیں کھلاؤ گے تمھاری دعا ہرگز قبول نہیں ہوگی۔ اورنگ زیب پر آپ کی حکیمانہ باتوں کا بہت اثر ہوا۔ اس نے بادشاہت سے پہلے اور بادشاہت کے بعد ہمیشہ قرآن کریم کی کتابت کر کے روزی کمائی اور رزق حلال کھایا۔ آپ نے اورنگ زیب کو یہ بھی تلقین کی کہ رعایا کے ساتھ انتہائی محبت اور شفقت کا سلوک کرنا بادشاہ کو بڑی تقویت پہنچاتا ہے اور ایسے بادشاہ سے ہی حکومت کو دوام ملتا ہے جو اپنی رعایا میں مقبول ہو۔ (تذکرہ اولیائے پاکستان ص ۲۰۲)

۲۸۹۔ اللہ کے ولی کا امتحان اچھا نہیں

روایت ہے کہ ایک روز شاہ عبداللطیف چورپور کے جنگل میں ایک خشک اور کہنہ سال شیشم کے درخت کے نیچے بیٹھے تھے کہ ہندو یاتریوں کا ایک قافلہ وہاں پہنچا۔ آپ نے یاتریوں سے دریافت کیا تم لوگ اتنا ساز و سامان اٹھائے کہاں جارہے ہو؟ ان میں سے ایک نے جواب دیا پریاگ۔ آپ نے پوچھا وہاں کیا کروگے؟ جواب ملا، گنگا اور جمنا کے سنگھم پر اشنان کر کے اپنا پاپ صاف کریں گے۔ آپ نے فرمایا گناہ نہانے سے صاف نہیں ہوتے نیکوکاری اور عبادت الٰہی سے ہی گناہ صاف ہوتے ہیں۔ ہندو یاتریوں نے آپ کی باتوں کا مذاق اڑایا اور ایک ہندو پروہت بولا اگر محض عبادت ہی سے انسان خدا کے قریب ہو سکتا ہے تو آپ کئی برسوں سے اس خشک اور پرانے شیشم کے درخت کے نیچے عبادت کر رہے ہیں مگر خدا نے آپ پر رحم نہیں فرمایا ورنہ وہ اسی درخت کو ہرا بھرا کر کے آپ کے سر پر چھاؤں کا انتظام کر دیتا۔ ہندو پروہت کی اس تقریر پر آپ مسکرائے اور فرمایا کہ میرے خدا کے لیے یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ ہم مسلمان اس کی ذات پر توکل رکھتے ہیں۔ وہ بڑا غفور رحیم ہے۔ اگر وہ چاہے تو اس درخت کو فوراً ہرا بھرا کر دے کیونکہ وہ ہر شے پر قادر ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے آیت کریمہ پڑھی اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ مجیب الدعوات نے آپ کی دعا قبول کی اور شیشم کا خشک اور کہنہ سال درخت فوراً ہرا بھرا ہو گیا اس کی شاخیں بڑھ گئیں، ہندو یاتریوں کا پورا قافلہ یہ دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گیا اور آپ کے دستِ مبارک پر حلقہ بگوشِ اسلام ہوا۔ (تذکرہ اولیائے پاکستان ص ۱۹۴)

۲۹۰۔ حضرت امام بری کی روحانی عظمت

ایک مرتبہ ایک مغل شہزادے سخی شاہ حسنین کو نایاب پتھروں اور زمرد کی تلاش تھی۔ وہ ہزارہ کے علاقہ میں آیا۔ باوجود کافی کوشش کے اس کو زمرد کی کان کا سراغ نہ مل سکا۔ دہلی کی جانب روانگی سے قبل شہزادے نے حضرت بری شاہ لطیف قادری کی عظمت، بزرگی اور خداداد روحانیت کی شہرت سُنی تو وہ آپکی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے شہزادے سے پوچھا کہ ایک بادشاہ کو فقیر کی کٹیا میں کیا کام؟ شہزادے نے عرض کی کہ حضرت! میں ہیروں کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہوں، کامیابی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، آپ

میری کوئی مدد فرمائیے۔

آپ نے فرمایا شہزادے ایک مرتبہ پھر پہاڑوں پر جاؤ اور اس چٹان کو، جس پر قدیمی زبان میں کوئی عبارت رقم ہو، اٹھاؤ۔ اس کے نیچے زمرد کی کان تمھیں مل جائے گی۔ شہزادہ آپ کے حکم کے مطابق مطلوبہ کان کی طرف چل پڑا۔ اور اس نے اس چٹان کے نیچے انتہائی قیمتی اور نایاب ہیروں کی کان دریافت کر لی اور ہیروں کا طشت بھر کر آپ کی خدمت میں بھی لایا۔ آپ نے اس سے طشت لے کر ندی میں الٹ دیا۔ شہزادہ حیران ہوا اور عرض کی کہ حضرت! آپ نے اتنے قیمتی پتھروں کو اس طرح ضائع کر دیا ہے، آپ نے جواب دیا، شہزادے قیمتی پتھر تو وہ تمھارے نزدیک ہیں۔ میرے لیے تو وہ محض سنگریزے ہیں۔ اور اگر تمھیں ان پتھروں کے زیاں کا دکھ ہوا ہے تو آنکھیں بند کرو، تمھیں اس سے بھی قیمتی پتھر دکھا سکتا ہوں۔ شہزادے نے آنکھیں بند کیں تو وہ حیران رہ گیا کہ شاہ صاحب کے حجرے میں اتنے قیمتی پتھر بکھرے پڑے تھے جن پر آنکھیں بھی نہیں ٹھہرتی تھیں۔ حضرت امام بری سرکار کی اس کرامت کا شہزادے پر اس قدر اثر ہوا کہ اس کا ظاہر باطن روحانی عظمت سے روشن ہو گیا۔ اس نے اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لیا کہ اپنی زندگی گزاروں گا تو حضرت کے قدموں میں۔ اس کے بعد اس شہزادے نے آپ سے طریقت اور سلوک کے اسباق لیے۔ ذکر الٰہی کے طریقے سیکھے اور ایک لمحہ کے لیے بھی آپ کا دامن نہ چھوڑا۔ آپ کو بھی اس شہزادے سے بہت اُنس اور محبت تھی۔ آپ اس پر ہمیشہ تلطف فرمایا کرتے تھے اس کو ہمیشہ اپنے نزدیک جگہ دیتے۔ (حیات امام بری)

۲۹۱۔ حضرت امام بری کی دعا کا اثر

روایت ہے کہ ایک بوڑھی عورت نے پہلے حضرت شاہ چن چراغ کے پاس حاضر ہو کر عرض کی کہ آپ دعا فرما دیں کہ رب کریم مجھے بیٹا عنایت فرمائے۔ حضرت شاہ چن چراغ نے فرمایا کہ بیٹا نہیں بیٹی ملے گی وہ عورت پھر بری امام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور ان سے بھی بیٹے کی التجا کی۔ آپ نے مراقبہ کرنے کے بعد فرمایا کہ تمھاری قسمت میں بیٹا آیا ہے۔ اس عورت نے عرض کی کہ میں تبھی حاضر ہوئی ہوں کہ اگر میری قسمت میں بیٹا نہیں تو بھی آپ کی دعا سے میرا کام ہو جائے گا۔ جب اس عورت نے بہت عجز و نیاز کا اظہار کیا تو حضرت بری امام نے فرمایا کہ جاؤ اللہ کریم تمھیں حسب خواہش بیٹا عنایت فرمائے گا۔ چنانچہ اللہ کریم نے جب اس عورت کو لڑکا عنایت فرمایا تو بری امام کی حاضری کی نیت سے چل پڑی۔ جب راولپنڈی پہنچی

تو خیال آیا کہ شاہ چن چراغ صاحب کی بھی حاضری دینی چاہیئے۔ چنانچہ شاہ چن چراغ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ خداوند کریم نے بری امام کی دعا سے مجھے بیٹا عطا کیا ہے۔ شاہ چن چراغ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بیٹا نہیں بیٹی ہے۔ جب دیکھا تو فی الحقیقت بیٹی ہی تھی۔ آخر حیران و پریشان ہو کر حضرت بری امام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور سارا واقعہ عرض کیا تو بری امام نے فرمایا کہ پریشانی کی کوئی ضرورت نہیں تمہاری گود میں لڑکا ہے، جب دیکھا تو لڑکا ہی تھا۔ پھر واپسی پر شاہ چن چراغ کی حاضری دی اور کہا کہ بری امام کی دعا سے لڑکا ہے۔ آپ نے فرمایا لڑکا نہیں لڑکی ہے۔ جب دیکھا تو فی الواقع لڑکی تھی وہ عورت بہت غمزدہ ہوئی اور پھر خیال آیا کہ بری امام کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کرائی جائے۔ چنانچہ دوبارہ جب بری امام کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا ماجرا بیان کیا۔ آپ کی دعا سے وہ لڑکی لڑکا بن گئی۔ بعدازاں بری امام نے اس عورت کو فرمایا کہ جاتے ہوئے شاہ چن چراغ کے پاس مت جانا۔ اور سیدھی گھر کی طرف چلے جانا۔ چنانچہ اس بڑھیا نے حسب الحکم ایسا ہی کیا اور بامراد ہو کر گھر چلی گئی۔ (حیاتِ امام بری)

۲۹۲۔ سکونِ قلبی

ایک صوفی منش آدمی بیان کرتا ہے کہ میں شروع شروع میں معرفت کے حصول کے لیے پھرتا رہا۔ اور اپنی ناکامی کی وجہ سے اپنی ذات پر ہی ناراضگی کا اظہار کرتا رہا۔ اس مقصد کے حصول نے میرے دل کو بے آرام کر دیا تھا۔ میں دیوانہ وار گھومتا پھرتا اور اپنی ناکامی پر ماتم کرتا رہا۔ اور کسی طرح بھی اس اضطراب سے سکون حاصل نہ ہوا۔ اگر جنگل میں جاتا تو میرا جنون اور بڑھ جاتا اور اگر خلوت میں ہوتا تو پھر بھی کسی طرح آرام نہ ہوتا تھا۔ آخر میں حضرت مجدد الف ثانی قطب ربانی شیخ سرہندی قدس سرہ النورانی کی خانقاہ کی طرف روانہ ہوا۔ اتفاق کی بات کہ آپ اپنے دروازے کے اندر کھڑے ہوئے اور آپ کے اصحاب ایک حلقے میں دست بستہ اور ادب سے سر جھکائے ہوئے اس طرح کھڑے تھے کہ گویا ان کے بدن میں جان ہی نہیں تھی۔ میں ابھی تک آپ کے دروازے پر نہیں پہنچا تھا کہ آپ نے میرے پہنچنے پر متوجہ ہو کر اپنا سر مبارک دروازے سے نکال کر مجھے اشارہ فرمایا کہ "اے شخص جلدی سے میرے پاس پہنچ جا۔" میں تیزی سے آگے بڑھا اور آپ کے قریب ہو گیا۔ آپ نے کمال بندہ نوازی سے

اپنا ہاتھ میری گردن میں ڈالا اور میرا سر اپنی بغل میں لے کر فرمایا کہ جو تمھیں نعمت حاصل ہوئی ہے تیرے ہم عصروں میں سے کوئی بھی حاصل نہیں کر سکا۔

حضرت مجدد الف ثانی قطب ربانی قدس سرہ النورانی کا یہ ارشاد گویا آبِ زلال تھا جس نے میری پیاس کی آگ بجھادی اور بیقراری، بے آرامی تمام کی تمام سکون میں بدل گئی۔

۲۹۳۔ تجارت لقمۂ حلال ہے

ایک سید صاحب جو تجارت کا کام کرتے تھے لیکن حقیقت میں اہلِ دل تھے اور حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہ النورانی سے خاص عقیدت رکھتے تھے، بیان کرتے ہیں کہ میں نے بہت سے مشائخ کی حاضری دی ہے اور ہر ایک سے ذکر و مراقبہ سیکھا ہے لیکن ایک دن میں سرہند شریف پہنچا اور عشاء کے وقت حضرت مجدد الف ثانی قطب ربانی قدس سرہ النورانی کے دربارِ عالیہ پر حاضر ہوا۔ اور موردِ الطاف ہو کر آپ سے ذکر حاصل کرنے کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا کہ تمھیں ذکر کا طریقہ بتایا جائے گا۔ میں نے بہت تنگ دلی سے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے بہت سے مشائخ سے اذکار حاصل کیے ہیں لیکن ان کے ثمرات اور برکات کی امید آپ کی بارگاہ سے ہے۔ آپ مراقبہ میں چلے گئے اور اپنی خاص توجہ سے مجھے نوازا۔ پھر تو استغراق اور وارفتگی نے مجھ پر بہت زیادہ غلبہ کیا، یہاں تک کہ صبح کے وقت تک مجھے اپنا ہوش نہ رہا۔ آخر جب دوسری صبح مجھے ہوش آیا تو میں آپ سے ترک و تجرید کے لیے عرض گذار ہوا۔ آپ نے فرمایا:

"تجارت تو لقمۂ حلال اور نفقۂ عیال کا وسیلہ ہے۔ اسے نہ چھوڑو۔ اور جو کچھ کہ تمھیں پہنچا ہے اسے مضبوطی سے پکڑو۔" پھر آپ نے یہ آیۂ شریفہ تلاوت فرمائی: "رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ" (اللہ کے نیک بندوں کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔)

۲۹۴۔ حضرت مجدد الف ثانی کا روحانی تصرف

ایک درویش آدمی جس کا نام میر شرف الدین حسین تھا، بیان کرتا ہے کہ ایک دن میرے دل میں

خیال گزرا کہ چند نفیس قسم کے کپڑے جو میرے گھر میں موجود تھے اور کچھ مصالحہ جات جو کھانوں وغیرہ میں ڈالے جاتے ہیں آپ کی خدمت میں بھیجوں۔ میں نے ان چیزوں کو نکال کر اکٹھا کیا اور اپنے رضاعی بھائی اللہ یار نامی کے ہاتھ روانہ کیا۔ اتفاق سے ایک عورت جو میری عزیزہ تھی اور میرے گھر میں مہمان تھی، کہنے لگی کہ اس قسم کے کپڑے درویش لوگ کیا کریں گے۔ وہ خود تو انھیں پہنیں گے نہیں۔ میں نے کہا بالفرض اگر آپ نہ پہنیں گے تو آپ کے اہلِ خانہ تو پہنیں گے۔ جب اللہ یار نامی شخص نے وہ کپڑے اور مصالحے آپ کی خدمتِ عالیہ میں پیش کیے تو آپ نے ایک نظر دیکھتے ہی فرمایا کہ یہ مصالحہ جات لے جائیں۔ اور کپڑوں کے بارے میں فرمایا کہ میر شرف الدین حسین سے کہو کہ یہ کپڑے واقعی نفاست میں یکتا ہیں مگر درویشوں کے کس کام ؟ اور بعض عورتیں جو تمھارے گھروں میں ہیں انھیں دے دو۔ کیونکہ وہ عورتیں اس قابل ہیں کہ پہن سکیں۔ اس طرح کپڑے وغیرہ آپ نے واپس کر دیے۔ یہ منظر دیکھ کر وہ عورت تائب ہو گئی۔

۲۹۵۔ رُوحانی عنایات

حضرت مولانا محمد حنیف کابلی رحمۃ اللہ علیہ جو نہایت نیک اور پارسا اور اہلِ علم آدمی تھے اور حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں اور کابل کے علاقہ میں رشد و ہدایت کا کافی کام کیا، انھوں نے بیان کیا کہ حضرت شیخ محمد صدیق نامی شخص جو کولاب کے رہنے والے تھے اور اب کابل میں سکونت اختیار کی، انھوں نے بیان کیا کہ میں بخیریت تفریط کی وضع میں برہان پور کی طرف روانہ ہوا راستے میں جب سرہند پہنچا تو میں نے حضرت مجدد الف ثانی قطب ربانی قدس سرہ النورانی کے اوصاف و مناقب جو پہلے سُنے تھے ان سے بھی زیادہ سُنے۔ لوگوں نے بتایا کہ اگر تمام دنیا میں گھوم کر دیکھو گے، تو جو کچھ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ النورانی سے حاصل ہو سکتا ہے اس کا ذرہ برابر حصہ بھی کہیں سے نہیں مل سکتا۔ یہ بات سن کر میں بہت خوش ہوا اور بلا توقف آپ کے آستانۂ عالیہ کی طرف متوجہ ہوا۔ جب میں آپ کے آستانۂ عالیہ میں پہنچا تو دیکھا کہ آپ ظہر کی نماز ادا فرما کر اصحاب کے ساتھ مراقبے میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں بھی ایک گوشے میں بیٹھ گیا۔ فارغ ہوئے تو میں نے آپ کی خدمت میں سلام عرض کیا اور آپ کے قدموں میں گر پڑا۔ آپ نے میرا باطنی حال دریافت فرمایا اور فرمایا، اے درویش! جو کچھ تمھارے دل میں ہے مجھ سے بیان کرو اور انکار کا راستہ مت اختیار کرو۔ میں نے اپنا حال بیان

کرنے سے انکار کیا اور عرض کیا حضور والا! میرے تو کوئی احوال نہیں۔ پھر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ النورانی نے میرے حالات ابتداء سے آخر تک بیان فرما دیے۔ آپ کا فرمان سن کر میں بہت پریشان ہوا پھر آپ نے خلوت نشینی اختیار کرتے ہوئے مجھ سے فرمایا کہ کل نماز اشراق کے بعد آنا۔ دوسرے دن وقت مقررہ پر حاضر ہوا۔ اتفاق یہ ہوا کہ آپ نماز اشراق ادا کر کے خلوت میں تشریف لے گئے تھے تھوڑی دیر کھڑا رہا۔ پھر میں نے دیکھا کہ ایک صوفی منش آدمی مسجد میں بیٹھا ہوا ہے۔ اس سے میں نے کہا کہ حضرت مجدد قدس سرہ جب تشریف لائیں تو ان سے کہہ دینا کہ ایک درویش آپ سے ملنے کے لیے آیا ہے۔ چونکہ آپ باہر تشریف نہ رکھتے تھے اس لیے اس نے دعا کی درخواست کی۔ اور برہان پور کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس صوفی نے کہا کہ آپ نے مجھے آپ کے لیے یہاں بٹھا رکھا ہے اور یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ اگر محمد صدیق نامی درویش آئے تو مجھے خبر کر دینا۔ حالانکہ میں نے اپنا نام حضرت مجدد قدس سرہ کو نہیں بتایا تھا۔ وہ صوفی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میری درخواستِ دعا پہنچائی۔ آپ نے مجھے اندر بلوا لیا اور خود اٹھے، وضو کیا اور نماز تحیۃ الوضوء ادا کی، پھر مراقبہ میں چلے گئے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا یہاں آؤ۔ میں آگے بڑھ کر آپ کے پاس بیٹھ گیا۔ آپ نے پھر مراقبہ کیا۔ اس کے بعد ذکر قلبی فرمایا اور متوجہ ہوئے۔ میرے حالات میں انقلاب آنے لگا۔ ایک ہی ساعت میں اس قدر روحانی عنایات فرمائیں کہ برسوں کی ریاضت ذرہ برابر تھی اور ہر حال جو آپ پہ وارد ہوتا آپ اس کی حکمتِ عملی کا ظہور فرما دیتے۔

۲۹۶ حضرت مجدّد الف ثانی کی توجّہ کا اثر

حضرت مولانا محمد امین نامی ایک آدمی جو حضرت مجدد الف ثانی قطب ربانی شیخ سرہندی قدس سرہ النورانی کا بہت زیادہ عقیدت مند تھا آپ کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوا کہ حضور نواب شیر خواجہ جو والد کی طرف سے سید ہے لیکن والدہ محترمہ کی طرف سے خواجہ زادہ ہے اور اس کے آباؤ اجداد باہر سے مقام ارفع حاصل کر کے آئے ہیں۔ آپ اگر توجہ فرمائیں تو اس کو شراب نوشی سے نجات مل جائے آپ اس کی اصلاح فرما کر مومن بنا دیں اگر اس کی اصلاح ہو جائے تو ایک بہت بڑی جماعت اصلاح پا جائے گی۔ چونکہ اس کے حقوق میرے ذمے ہیں اس لیے آپ کی خدمت میں عرض پرداز

ہوں۔ یہ بات سن کر آپ عالمِ سکوت میں ڈوب گئے لیکن جب مولانا نے بار بار اصرار کیا تو پھر ایک دن آپ نے توجہ فرمائی اور ارشاد فرمایا "مولانا! میں شیر خواجہ کے حال کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا کہ وہ فسق و فجور کی گھنگھور گھٹاؤں میں پھنسا ہوا ہے۔ میں نے بہت کوشش کی کہ اسے اس دلدل سے نجات مل جائے مگر میں اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ انشاء اللہ اسے اس فعل سے نجات مل جائے گی اور اسے راہِ راست کی طرف کھینچ لاؤں گا۔"

بالآخر عرصہ دراز کے بعد شیر خواجہ نے تمام فسق و فجور سے توبہ کی اور عبادتِ الٰہی میں مشغول ہو گیا اور آپ کا یہ فرمان کہ آخر اسے اس دلدل سے نجات مل جائے گی، قولِ صادق ہوا۔

۲۹۷۔ حضرت میاں میر کی کرامت

میر محمد خانی، حاجی علی کو سوی کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ مردِ عزیز صاحب زہد و تقویٰ تھا۔ حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ سے اسے سچی ارادت اور پُر خلوص عقیدت تھی۔ اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اور ان سے مستفید ہوتا۔ ہر پانچ سال میں ایک مرتبہ لاہور سے اپنے وطن جاتا۔ اس عرصے میں وہ تجارت بھی کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اپنے وطن سے لاہور واپس آیا، میر محمد مذکور کے والد کے گھر ٹھہرا اور بیان کیا کہ میں نے اس سفر میں حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عجیب کیفیت دیکھی ہے۔ ایک دن اصفہان اور یزد کے درمیان ہمارا قافلہ دریا کے کنارے اترا ہوا تھا۔ میں اپنے چند رفیقوں کے ساتھ کھانا پکانے میں مشغول تھا۔ اچانک دور سے ایک شخص لباس فاخرہ پہنے نظر آیا۔ اسے دیکھنے سے مجھے بہت فرحت اور راحت محسوس ہوئی، یہاں تک کہ وہ بزرگ میرے قریب آ گیا۔ غور سے دیکھا تو یہ حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ تھے جو مجھے بلا رہے تھے۔ میں بڑے شوق سے دوڑتا ہوا خدمت میں حاضر ہوا اور ان کے پائے مبارک پہ سر رکھ دیا۔ حضرت مجھ سے بغل گیر ہوئے اور فرمایا "آپ کا کارواں نشیبی جگہ پر ٹھہرا ہوا ہے۔ بہت بڑا طوفان آنے والا ہے۔ جلدی کرو اپنے ساز و سامان اور خیمے کو کہیں اونچی جگہ منتقل کرو اور اہل قافلہ کو بھی مطلع کر دو۔ اس اثنا میں میں نے چاہا کہ حضرت سے دریافت کروں کہ اس سرزمین میں تشریف آوری کیونکر ہوئی۔ نیز کھانا کھانے کے لیے بھی التماس کروں کہ اچانک ناگوار سی آوازیں سنائی دیں۔ حضرت کی طرف متوجہ ہوا تو انھیں کہیں نہ پایا۔ وہ نظروں سے غائب ہو چکے۔ اس واقعے سے میرے دل پر

بہت خوف طاری ہوا اور وہاں سے لوٹ کر اپنا خیمہ اور سازوسامان اونچی جگہ پہلے گیا اور اہل قافلہ کو
بھی اوپر آنے کو کہا۔ لوگوں نے کہا اس قسم کی تیز دھوپ میں خیمے کہاں اکھاڑیں اور کیا تکلیف اٹھائیں
بعض لوگوں نے میری بات پر اعتماد کر کے اس پر عمل کیا اور اونچی جگہ پہنچ گئے۔ تھوڑا ہی وقت گزرا تھا
کہ شدید طوفان آیا اور جن لوگوں نے میری بات سُنی اَن سنی کر دی اور وہیں نشیب میں رہ گئے۔ وہ
مع اسباب طوفان کی نذر ہو گئے۔ راوی کا کہنا ہے کہ جن لوگوں نے میری بات کا یقین کر لیا وہ بلند مقام
پر آ گئے، وہ بچ گئے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اس وقت حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ لاہور میں
تشریف فرما تھے۔

۲۹۸۔ گونگے کی زبان درست ہونے کا واقعہ

ایک مرتبہ ایک شخص حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا اور عرض کی کہ میرا بیٹا نزع
کی حالت میں ہے۔ یہ امید لے کر آیا ہوں کہ آپ توجہ فرمائیں گے۔ حضرت نے جب اس کی گھبراہٹ، اور
پریشانی دیکھی تو ان پر استغراق کی کیفیت طاری ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد اس کیفیت میں کچھ کمی واقع
ہوئی تو آپ نے پانی کا پیالہ طلب کیا۔ اس پر دعا پڑھی اور اس شخص کو دیا کہ اسے لے جائے اور اپنے
بیٹے کو پلا دے۔ جب وہ پانی اسے پلایا تو اسے شفا ہو گئی۔ پھر وہی شخص اپنے بیٹے کے ہمراہ حضرت کی خدمت
میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ یہ سات سال کا ہو گیا ہے لیکن گونگا ہے بول نہیں سکتا۔ حضرت میاں جیو
رحمۃ اللہ علیہ نے اس لڑکے کو فرمایا کہو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ آپ کا یہ فرمانا تھا کہ لڑکے کی
زبان کھل گئی اور اس کا گونگا پن جاتا رہا۔ اور پھر یہ بھی ہوا کہ تھوڑی ہی مدت میں اس نے قرآن شریف
حفظ کر لیا۔ حضرت نے اس پر یہ عنایت بھی کی کہ وضو کرتے ہوئے جس رومال سے ہاتھ اور منہ پونچھتے
تھے وہ اسی کو دے دیا اور فرمایا جس وقت کوئی بیماری تمہارے بیٹے کو لاحق ہو یہ رومال اس کے سر
پر لپیٹ دینا۔ خدا شفا دے گا۔ اس شخص نے اس عطیہ کو عطیہ مقدس سمجھا اور رومال کو سر آنکھوں پر لگا کر
لے لیا۔ کہتے ہیں یہ رومال آج تک اس کے پاس ہے۔ جب کبھی اس گھرانے کے بیٹے کو کسی قسم کی بیماری
یا تکلیف ہوتی ہے تو وہ اسی طرح کرتا ہے جیسے حضرت نے ہدایت فرمائی تھی۔ چنانچہ اسی دن اسے
شفا ہو جاتی ہے۔ (سفینۃ الاولیاء)

۲۹۹۔ سانپ کی عقیدتمندی

دارا شکوہ نے سکینۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ میں نے شیخ عبدالواحد بنیانی کو جو حضرت کے مرید تھے اور ایک سال انھوں نے حضرت کی باسعادت خدمت میں گزارا تھا، کہا کہ آپ اتنی مدت خدمت میں رہے ہمیں حضرت کی کچھ کرامات بتائیے۔ وہ بولے کہ آپ کی کرامات حد سے زیادہ ہیں۔ بس یہ سمجھیے کہ جیسا آپ فرماتے ہیں ویسا ہو جاتا تھا۔ بہر حال ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک دن حضرت میاں جیو مزار کامران کے باغ کے سامنے دریا کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے پاؤں میں تکلیف تھی۔ میں پاؤں دبا رہا تھا اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بہت بڑا سانپ چلا آرہا ہے۔ آپ نے فرمایا اسے آنے دو۔ جونہی وہ قریب آیا، حضرت اٹھ کر بیٹھ گئے۔ سانپ آپ کے حضور میں بلند ہو کر بیٹھ گیا اور کچھ کہا جسے میں نہ سمجھ سکا۔ حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا، خوب! ایسا ہی سہی۔ سانپ اٹھا تین مرتبہ حضرت کے گرد پھرا اور چلا گیا۔ میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ سانپ نے کیا کہا تھا؟ آپ نے فرمایا، سانپ نے یہ کہا تھا کہ میں نے تہیہ کیا تھا کہ جب آپ کو دیکھوں گا تو آپ کے گرد طواف کروں گا۔ جواب میں میں نے کہا بہتر! ایسا ہی سہی!

۳۰۰۔ بہشت کا میوہ

میاں حاجی محمد بنیانی نے یہ کرامت بیان کی کہ میں نے حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کی زبان مبارک سے سنا کہ چار فقیر مل کر سیوستان کے پہاڑوں میں سفر کر رہے تھے۔ کچھ ایسا اتفاق ہوا کہ تین دن انھیں کھانے پینے کو کچھ میسر نہ آسکا۔ اسی سوچ میں تھے کہ کوشش کریں کہ کھانے کو کچھ مل سکے۔ ان میں سے ایک نے کہا میں آگے چل کر کوئی چیز مہیا کرتا ہوں تم آہستہ آہستہ چلے آؤ۔ وہ فقیر تھوڑی دور گیا تھا کہ اس کے ساتھیوں نے راستے میں پھلوں سے لدا ہوا ایک درخت دیکھا۔ اس کی شاخیں پھل کے بوجھ سے جھک کر زمین تک آرہی تھیں۔ درخت کے نیچے ٹھنڈے پانی کا چشمہ بہہ رہا تھا۔ فقیر درخت کے نیچے آیا۔ حسب خواہش پھل کھایا، پانی پیا اور کہنے لگے کہ اس جیسا پھل دنیا میں اور کوئی نہیں۔ شاید یہ بہشت کا میوہ ہے۔ انھوں نے ساتھی کا حصہ لے لیا اور چل پڑے۔ تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ وہ

ساتھی ان سے آملا جو خوراک کا بندوبست کرنے کے لیے گیا تھا۔ وہ بولے افسوس تم موجود نہ تھے ہمیں میوے سے بھرا ہوا درخت اور بہتا پانی میسر آیا۔ تمہارا حصہ ہم ساتھ لے آئے ہیں۔ لو اور کھاؤ۔ اس نے جواب دیا مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ یہ سن کر حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ بابا! وہ درخت وہ میوہ، وہ چشمہ وہی فقیر تو تھا جو خوراک کی تلاش میں نکلا تھا۔ حاجی محمد کہتے ہیں کہ وہ فقیر دراصل حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

۱۰۳۔ ہندو جوگی کا قبولِ اسلام

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی بھدونڈ چلے گئے۔ یہ جگہ چھوٹے بڑے مندروں سے بھری پڑی تھی۔ یہاں زیادہ ہندو لوگ ہی رہا کرتے تھے۔ ہندو جوگی اپنے تعصب کی وجہ سے مسلمانوں کو اس علاقہ میں آنے ہی نہ دیتے۔ یہاں کے بڑے مندر کا جوگی اپنے آپ کو اژدہا کی شکل میں تبدیل کرکے لوگوں کو حراساں کیا کرتا تھا۔ کئی دفعہ مسلمانوں کی مسجد میں داخل ہو جاتا اور مسجد کے صحن میں کنڈلی والا سانپ بن جاتا اور لوگ خوفزدہ ہو جاتے۔ سید اشرف جب بھدونڈ پہنچے تو ان کو ہندو جوگیوں کی کارستانیوں سے مطلع کیا گیا۔ آپ کو بھی مندروں کے علاقے میں جانے سے لوگوں نے منع کیا مگر آپ نے فرمایا اب تو میں اپنا قیام بھی بڑے مندر میں ہی رکھوں گا۔ یہ کہہ کر سید اشرف بڑے مندر کی طرف گئے۔ مندر کے اندر پہنچے تو آپ نے بہت سے جوگیوں کو بیٹھا دیکھ کر فرمایا کمال وہ جوگی کہاں ہے جو اپنے آپ کو اژدہائی شکل میں تبدیل کر لیتا ہے۔ یہ بات سنکر ایک نوجوان پجاری چراغ پا ہو گیا اور سید اشرف کی طرف حملہ کرنے کی نیت سے بڑھا سید اشرف نے نظر بھر کر دیکھا اور آن کی آن میں سارے کے سارے پجاری پتھر کے بن گئے۔ پھر سید اشرف مندر کے اندر چلے گئے۔ وہاں ایک بے لباس جوگی ایک بت کے آگے بیٹھا جاپ کر رہا تھا۔ آپ کی آہٹ پا کر غصے سے آپ کی طرف مڑا اور نہایت بدتمیزی سے بولا "تم نے میرے چیلوں کو پتھر کا بنا دیا ہے اب میری تپسیا میں مخل ہونے آگیا ہے۔ آج تم یہاں سے زندہ واپس نہیں جاؤ گے"۔ سید اشرف مسکرائے اور فرمایا "تم ایک باکمال پنڈت ہو مگر ابھی نامکمل ہو"۔ یہ بات سید اشرف کے منہ سے نکلی ہی تھی کہ پنڈت نے چمگادڑ کی طرح مندر کے ستونوں کے درمیان اڑنا شروع کر دیا۔ سید اشرف نے مسکرا کر فرمایا۔ تم اژدہا کے ساتھ ساتھ چمگادڑ کا روپ بھی بدل لیتے ہو۔ یہ کہنا تھا کہ پنڈت ایک کیڑے

کی شکل میں تبدیل ہو کر زمین پر گر پڑا۔ اور تڑپنے لگا۔ اب سید اشرف کو اس پر ترس آنے لگ گیا۔ آپ نے اس کو سیدھا کیا اور وہ اس طرح اپنی اصلی شکل میں واپس آگیا مگر اس کی تڑپ دیدنی تھی۔ وہ فوراً سید اشرف کے قدموں میں گر گیا اور آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا۔ آپ نے اس کا نام کمال پنڈت ہی رکھ دیا۔ بعد میں اس کے ۵۰۰ چیلے بھی مسلمان ہو کر سید اشرف کی مریدی میں داخل ہو گئے اور وہ مندر ایک بہت بڑی خانقاہ میں تبدیل ہو گیا اور اس قصبہ کا نام بھی مسلمانوں کی اکثریت کی وجہ سے کثرت آباد رکھ دیا گیا۔

۳۰۲۔ روحانی توجّہ کا اثر

ایک روز سید اشرف دلی کی مسجد میں نماز فجر ادا کرنے گئے۔ وہاں ان کی ملاقات ممتاز بزرگ مولانا محمد کریم الدین سے ہوئی۔ مولانا کریم الدین کو مدت سے نماز میں لذت حاصل نہیں ہو رہی تھی۔ وہ سجدے میں حضوری کے خواہشمند تھے۔ مولانا صف میں سید اشرف کے ساتھ شانہ جوڑ کر کھڑے ہوئے تھے۔ جب نماز شروع ہوئی تو مولانا کریم الدین کو یوں محسوس ہوا کہ ان کے پاؤں زمین پر نہیں ہیں اور کعبہ شریف انکے سامنے ہے۔ دوسری رکعت میں انھوں نے اپنے آپ کو عرشِ معلّٰی پر پایا اور نماز ختم ہونے سے پہلے مقامِ جبروت پر پہنچ گئے۔ جب نماز ختم ہوئی تو مولانا محمد کریم الدین کی حالت غیر ہو چکی تھی۔ آپ کو سید اشرف نے سہارا دیا اور فرمایا مولانا! لذت سفر میں ہے قیام میں نہیں۔ ایک جگہ کھڑے رہ رہ کر تو حیوان بھی تنگ پڑ جاتے ہیں۔ آپ سالوں سے ایک جگہ مقیم ہیں۔ مولانا محمد کریم الدین نے سید اشرف کو ایسا دریا کہا جس کا کوئی ساحل نہ ہو اور آپ وہ شہباز تھے، کونین جس کے بازو ہوتے ہیں۔

۳۰۳۔ بادشاہ کی اصلاح کا ضابطہ

ایک مرتبہ حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی نے بادشاہ کی اصلاح کے لیے فرمایا کہ بادشاہ اپنے اوقات کو اس طرح ترتیب دیں کہ صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد اشراق تک وظیفہ پڑھیں، پھر علماء و صلحاء کے ساتھ صحبت رکھیں اور چاشت کے وقت تک ان سے عدل و انصاف کے متعلق قرآنی آیات کے مطالب پوچھیں۔ اسی جگہ وزیروں اور ندیموں کو بلائیں اور یہ لوگ فوجوں کے جو معروضات پیش کریں ان کا مناسب جواب دیں۔ ہر شخص کے مدعا کو پورا کریں۔ اس کے بعد دربار عام ہو، جس میں رعایا، اور

مسلمانوں کے قضایا اور دعاوی پیش ہوں اور شریعت کے مطابق انصاف کے ساتھ فیصلہ ہو۔ مشائخ اہل سلوک کے معروضات کو حتی الوسع کسی کے توسط سے سنیں، مساوات، قضاۃ اور مشائخ کی درخواستوں کو صدر پہنچائے۔ اس گروہ کے لیے ایک ایسے شخص کو صدر مقرر کریں جو متدین اور ہمدرد ہو بلکہ اسے صوفی مشرب بھی ہونا چاہیئے۔ وزیر تمام علوم و فنون سے آراستہ ہونے کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ دیندار ہو وکالت کا منصب ایسے شخص کو دیں جو پسندیدہ اخلاق کا حامل، نہایت عقلمند، سریع الفہم اور حاضر جواب ہو۔ اس قسم کے ہر شخص کو کوئی نہ کوئی مناسب جگہ دیں۔ حکومت کو چلانے میں تخلیط مناصب سے کام نہ لیں۔ ایک کے کام کے متعلق دوسرے سے نہ پوچھیں۔ قیلولہ کے وقت آرام کے لیے چلے جائیں۔ قیلولہ کے بعد نماز پڑھیں اور کبھی نماز نہ چھوڑیں۔ ظہر کی نماز کے بعد جس قدر ہو سکے قرآن کی تلاوت کریں خصوصاً سورۃ قد سمع اللہ کی مواظبت کریں۔ کیونکہ سلاطین اس سورۃ کی مواظبت کرتے چلے آئے ہیں، سلطان محمود غازی عفا اللہ عنہ برابر اس سورۃ کو پڑھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھ کو دولت اور شوکت اس سورۃ کی بدولت نصیب ہوئی۔ حضرت ابراہیم شاہ بھی ایسا ہی کرتے اور فرماتے تھے۔ خود میں نے جو سلطنت چھوڑی تو پہلی چیز جو میں نے اپنے برادر عزیز محمد شاہ سے کہی وہ یہ تھی کہ اس سورہ کی برابر تلاوت کریں اور رجال الغیب کے مقابلے سے اجتناب کریں۔ کوئی کام شریعت کے خلاف انجام نہ دیں اور عدل و انصاف کے اصول میں ایک نقطہ سے بھی انحراف نہ کریں تاکہ سلطنت میں خلل واقع نہ ہو۔

(لطائف اشرفی)

۳۰۴۔ ولی اللہ سے تمسخر کرنا اچھا نہیں

حضرت اشرف جہانگیری کی خدمت میں بعض حاسدین ایک زندہ شخص کو کفن پہنا کر لائے اور حضرت سے درخواست کی کہ نماز جنازہ پڑھا دیجیے، ان لوگوں نے یہ مشورہ کیا تھا کہ جب نماز کے واسطے تکبیر ہو تو مردہ اٹھ کر حضرت کو سلام کرے اور کہے، حضرت دیکھیں آپ کی کرامات، مُردے کو آپ زندہ کرتے ہیں اس طرح حاسدین نے حضرت کا مذاق اڑانے کی ٹھان رکھی تھی۔ حضرت کو پہلے ہی نور باطن سے معلوم ہو گیا تھا کہ یہ لوگ مذاق کر رہے ہیں، پہلے تو حضرت نے نماز پڑھانے سے انکار کر دیا۔ جب حاسدین نہ مانے، تو حضرت اٹھے اور اپنے ساتھیوں کو لے کر نماز شروع کی۔ جب تکبیر ہوئی اور مردہ نہ اٹھا تو ان حاسدوں نے

پاس آکر دیکھا تو وہ شخص مردہ تھا۔ یہ کرامت دیکھ کر وہ لوگ بہت روئے پیٹے اور اپنا قصور معاف کرایا۔ جب حضرت نے ان کا قصور معاف کر دیا تو مُردہ زندہ ہو گیا اور لوگ اپنے ساتھی کو لے کر واپس لوٹ آئے۔

۳۰۵۔ حضرت مخدوم کا تدبّر

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت بڑے اکابر اولیاء میں سے ہوئے ہیں اس لیے آپ کے وقت کے بادشاہ آپ کی خدمت میں حاضری دینا سعادتمندی خیال کیا کرتے تھے آپ بھی بادشاہوں سے بڑی مہربانی اور تلطف سے پیش آتے۔ ان کو بہترین مشورے دیا کرتے تھے ۷۶۴ھ میں سلطان فیروز شاہ تغلق نے دوسری مرتبہ ٹھٹھہ پر حملہ کرنے کی تیاری کی اور پُل توڑ کر اپنی فوجوں سمیت سندھ میں داخل ہو گیا اور ٹھٹھہ کے حکمران جام بابینہ اور اس کے لشکر کو قلعہ بند کر دیا۔ یہ غالباً فصلوں کی کٹائی کا زمانہ تھا کیونکہ فصلیں پک کر تیار ہو گئی تھیں۔ فیروز شاہ نے دریا کے کنارے ڈیرے ڈال رکھے تھے اور وہیں پر مورچہ بندی بھی کر رکھی تھی۔ سندھی فوجیں قلعہ سے نکل کر بڑی بہادری سے لڑیں جس پر فیروز شاہ کو یقین ہو گیا کہ فتح ممکن نہیں۔ اس نے دہلی سے اپنے وزیر خان کو حکم دیا کہ مزید فوجیں اور کمک سندھ روانہ کرے۔ جب دہلی کا لشکر سندھ پہنچا تو بساط ہی الٹ چکی تھی۔ فیروز شاہی فوجوں نے گندم کے کھیتوں پر قبضہ کر لیا تھا اور غلہ کی عدم دستیابی نے سندھ میں قحط ڈال دیا۔ اہل سندھ بڑی پریشانی کا شکار ہو گئے اور ان کو جان کے لالے پڑ گئے۔ یہ صورتحال دیکھ کر سندھ کے حکمران جام بابینہ نے حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی خدمت میں مدد کے لیے ایک قاصد روانہ کیا آپ اس وقت اُچ شریف میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے فوراً ٹھٹھہ جانے کی تیاری کی۔ جب آپ ٹھٹھہ کے قریب پہنچے تو فیروز شاہ اپنی افواج سمیت آپ کی پذیرائی کو آیا اور دعا کے لیے عرض کی۔

مخدوم جہانیاں نے فرمایا۔ فیروز شاہ اب تمہیں چند دنوں میں فتح ہو جائے گی کیونکہ ٹھٹھہ میں ایک بڑی خدارسیدہ عورت رہتی تھی اور اس کی برکت سے ٹھٹھہ فتح نہ ہوتا تھا۔ اب کچھ روز ہوئے وہ اللہ کو پیاری ہو گئی ہے اب ٹھٹھہ ضرور فتح ہو جائے گا۔ جب جام بابینہ اور اس کی افواج کو مخدوم جہانیاں کی آمد کا علم ہوا تو انھوں نے آپ سے ٹھٹھہ آنے کی درخواست کی اور ساتھ ہی اپنی مشکلات کا بھی تذکرہ کیا۔ مخدوم

جہانیاں نے جام بابینہ کو تشفی دی کہ تمھیں اور تمھاری افواج کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ جب فیروز شاہ کو فتح ہو گئی تو مخدوم صاحب نے اسے حکم دیا کہ تم ٹھٹھہ سے اپنی فوجیں ہٹا لو اور جام بابینہ کے حوالے کر دو۔ مخدوم صاحب کی شخصیت کا یہ اعجاز تھا کہ دونوں حکمرانوں کو مایوسی بھی نہ ہوئی اور دونوں افواج ناقابلِ تلافی جانی اور مالی نقصانات سے بھی بچ گئیں۔ تمام بادشاہانِ وقت مخدوم صاحب سے بڑی عقیدت رکھا کرتے تھے آپ سے دعا کرانے بادشاہ بنفسِ نفیس حاضر ہوا کرتے تھے۔ (تذکرہ حضرت جہانیاں جہاں گشت)

۳۰۶۔ عقیدت مندی کا صِلہ

سلطان محمد تغلق کو آپ کے ساتھ بڑی ہی عقیدت تھی اس نے آپ کو شیخ الاسلام کا خطاب دیا اور چالیس خانقاہیں آپ کے تصرف میں دے دیں۔ مخدوم جہانیاں فرماتے ہیں کہ جس روز مجھے چالیس خانقاہیں بادشاہ نے عطا کیں اسی روز ہی میں نے رات خواب کے عالم میں اپنے مرشد عالی شیخ رکن الدین سے ملاقات کی۔ انھوں نے مجھے حکم دیا کہ خانقاہوں کو چھوڑ کر فوراً حج کے لیے روانہ ہو جاؤ ورنہ تمھاری ساری عبادات اور ریاضت اکارت ہو جائے گی۔ اور تم غرق ہو جاؤ گے۔ چنانچہ میں جب بیدار ہوا تو میں نے فوراً حج کا ارادہ کر لیا۔ اس مقصد کے لیے میں اپنے والد بزرگوار سید احمد کبیر کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے اجازت طلب کی۔ جب اجازت مل گئی تو میں حج کے لیے روانہ ہوا۔ میرے پاس نہ زادِ راہ کے لیے ایک پائی تک نہ تھی اور سواری کا بھی کوئی انتظام نہ تھا۔ میں پیدل ہی حج کے لیے روانہ ہو گیا۔ راستے میں میری ایک شخص سے ملاقات ہو گئی جو حج پر جا رہا تھا مگر کسی مجبوری کے تحت اس کو اپنا حج کا پروگرام ملتوی کرنا پڑا۔ اس نے اپنے حج کے لیے سارا اسباب اور رقم مجھے دے دی اور ایک گھوڑا بھی دیا۔ میرے ہمراہ مولانا نظام الدین بھی تھے۔ وہ بیمار تھے۔ میں نے گھوڑا ان کو دے دیا اور خود پیدل چل کر مکہ شریف پہنچا۔ اس روز اگر میں حج پر نہ جاتا اور خانقاہیں قبول کر لیتا تو مجھ پر غرور سوار ہو جاتا اور میں کیچڑ میں گر جاتا اور کبھی نہ نکل پاتا۔ مگر میرے مرشد نے میری رہنمائی کی اور مجھے صراطِ مستقیم پر گامزن کیا (تذکرہ اولیائے پاکستان)

۳۰۷۔ اتباعِ سنّت کی تلقین

مخدوم صاحب مردوں کے ریشمی لباس استعمال کرنے کے سخت خلاف تھے۔ ایک مرتبہ فیروز شاہ تغلق نے حضرت کی خدمت میں ۴۳ جوڑے کپڑوں کے بھیجے آپ نے ان کو دیکھتے ہوئے فرمایا کہ اگر یہ لباس شریعت کے مطابق ہوئے تو پہنوں گا ورنہ نہیں۔ فرمایا کہ ریشمی لباس اور سونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے مردوں پر حرام اور عورتوں پر حلال کیا گیا ہے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے باریک کپڑے پہنے ہوئے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا کپڑا باریک ہوا اس کا گویا دین باریک ہوا گریبان دار کرتا پہننا آپ بدعت سمجھتے تھے اور بغیر گریبان کا کرتا پہن کر سنت کی پیروی کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے ایک مرید نے آپ کو نعلین کا جوڑا پیش کیا آپ نے خوش ہو کر قبول کیا کہ نعلین پہننا سنت ہے۔ مدینہ شریف میں جب آپ تشریف فرما تھے تو آپ کو ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین مبارک دیکھنے کا موقع ملا تو آپ نے بے اختیار ان کو چوم لیا اور آنکھوں سے لگایا۔ آپ کو آنحضرت ؐ کی سنت سے اس قدر عقیدت تھی کہ آپ پیرویِ سنت میں ایندھن بھی خود چُن کر لایا کرتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی تحفہ لائے تو اس کو قبول کر لیا جائے لیکن حتی المقدور اس تحفہ کے جواب میں بھی کچھ دیا جائے اور اگر کچھ جواباً دینے کی قدرت نہ ہو تو دعائے خیر ہی دے دینی چاہیئے۔ آپ جب بھی کسی سے کوئی ہدیہ یا تحفہ قبول فرماتے تو اس کو جواباً کچھ نہ کچھ ضرور عنایت فرمایا کرتے تھے لیکن اگر کوئی تحفہ شریعت اور سنت کے خلاف ہوتا تو معذرت کے ساتھ واپس کر دیا کرتے تھے (تذکرہ حضرت جہانیاں جہاں گشت)

۳۰۸۔ شیطان کے دھوکے سے بچنے کا طریقہ

ایک مرتبہ مخدوم جہانیاں نے ارشاد فرمایا کہ میں مکہ معظمہ سے بھکر واپس آیا تو وہاں لوگوں نے مجھ سے کہا کہ الور کے پاس ایک پہاڑ کے غار میں ایک درویش رہتا ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ نے اسے نماز معاف کر دی۔ یہ سن کر میں اس کے پاس گیا امراء اور دوسرے بڑے لوگوں کا ہجوم تھا۔ میں اس کے قریب پہنچا، میں نے اسے سلام نہیں کیا بلکہ اس کے نزدیک جا کر بیٹھ گیا۔ پھر میں نے اس سے پوچھا کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مومن اور کافر کے درمیان نماز سے

خرق ہوتا ہے۔ اس درویش نے جواب دیا کہ میرے پاس جبرئیل آتے ہیں اور جنت سے کھانے لاتے ہیں۔ خدا کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمہارے لیے نماز معاف کر دی گئی اور تم خدا کے خاص مقرب ہو میں نے اس درویش سے کہا کہ کیا بیہودہ بکواس کرتے ہو۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تو نماز معاف نہیں ہوئی، تجھ جیسے جاہل کے لیے کیسے معاف ہو سکتی ہے۔ وہ جبرئیل نہیں شیطان ہے جو تیرے پاس آتا ہے اور تجھے دھوکا دیتا ہے۔ جبرئیل تو وحی لانے والے فرشتے ہیں جو سوائے پیغمبروں کے کسی کے پاس نہیں آتے۔ رہا وہ کھانا جو تمہارے پاس آتا ہے وہ بھی سراسر غلیظ ہے۔ اس درویش نے کہا وہ کھانا تو بہت مزیدار ہوتا ہے اور میں اس میں لذت محسوس کرتا ہوں۔ میں نے کہا اب اگر وہ فرشتہ تمہارے پاس آئے تو تم "لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم" پڑھنا۔ میں دوسرے دن پھر اس درویش کے پاس گیا۔ وہ مجھے دیکھ کر میرے قدموں میں گر پڑا۔ اور اس نے مجھ سے کہا کہ میں نے آپ کے کہنے پر عمل کیا۔ جب وہ فرشتہ آیا تو میں نے لاحول پڑھی۔ وہ فوراً میرے سامنے سے غائب ہو گیا اور وہ کھانا جو اس نے مجھے دیا وہ غلیظ ہو کر میرے ہاتھوں سے گر گیا۔ یہاں تک کہ میرے سارے کپڑے ناپاک ہو گئے۔ اس کے بعد میں نے اس بے نمازی درویش کو توبہ کرائی اور اس کی جس قدر نمازیں فوت ہوئی تھیں ان کی قضا پڑھوائی۔ (تذکرہ اولیائے پاکستان)

۳۰۹۔ سفارش کا عجب انداز

فیروز شاہ تغلق کا ایک وزیر خان جہان شروع شروع میں مخدوم جہانیاں سے سخت نفرت کرتا تھا اور مخدوم جہانیاں کی مخالفت میں پیش پیش رہا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے ایک غریب آدمی کے بیٹے کو کسی وجہ سے قید میں ڈال دیا۔ اس کا باپ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے بیٹے کی بے گناہی ظاہر کر کے سفارش کا طالب ہوا۔ حضرت مخدوم خان جہاں کے پاس گئے اور اس کو سفارش کی مگر اس نے آپ سے ملنا بھی گوارا نہ کیا اور اندر سے کہلا بھیجا کہ آپ چلے جائیں میں آپ کی کوئی بات نہ مانوں گا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اے مخدوم آپ آئندہ میرے دروازے پر نہ آئیں لیکن اس کے باوجود مخدوم جہانیاں تقریباً انیس مرتبہ خان جہاں کے پاس گئے۔ آخری مرتبہ تو اس نے کہلا بھیجا کہ اے مخدوم جہانیاں! تُو ہے تو سید مگر غیرت تم میں نام کو نہیں۔ میں تمہیں کتنی مرتبہ کہہ چکا ہوں کہ میرے گھر مت آؤ مگر تم ہو کہ آنا جانا

ترک نہیں کرتے۔

مخدوم جہانیاں نے جواب دیا کہ اے خان جہان میرے عزیز! میں تمہارے در پر جتنی مرتبہ بھی آتا ہوں ایک مظلوم کی دادرسی کے لیے آتا ہوں اور مجھے اس کا ثواب مل رہا ہے لہٰذا تم میری غیرت اور بار بار آنے کی پرواہ نہ کرو۔ بات تو اس مظلوم کی ہے جس کی فریاد ابھی تک نہیں سنی جا رہی اور میرا دل یہ چاہتا ہے کہ تو اس مظلوم کو اپنی قید سے نجات دے دے تاکہ تُو بھی ثواب حاصل کرے۔ یہ سنکر جہان خان بڑا شرمندہ ہوا۔ اسی وقت اپنے محل سے باہر نکلا اور آپ کے قدموں میں گر گیا۔ آپ نے اس کو اٹھایا اور کہا کہ تُو کوئی شرمندگی محسوس نہ کر۔ تمھیں مظلوم کی بے گناہی کا احساس ہو گیا ہے اور قدرت نے تمھیں ظلم سے باز رکھا، یہی بات کم نہیں ہے۔ جہان خان پر آپ کی باتوں سے رقت طاری ہو گئی اور وہ اسی روز آپ کا مرید ہو گیا اور اس کے بعد اس نے کسی پر ظلم نہیں کیا۔ اور ہمیشہ آپ کی تعلیمات اور احکام پر عمل پیرا رہا۔

(مرأۃ الاسرار، ص ۴۱۴)

۲۱۰۔ قرض لے کر سخاوت

ایک مرتبہ مخدوم جہانیاں کی خدمت میں سید شمس الدین عراقی مسعود کسی حاجت کے لیے حاضر ہوئے آپ نے خادم سے پوچھا کہ اس وقت کوئی فتوح آئی ہے؟ اس نے عرض کیا کہ حضرت! اس وقت تو کوئی چیز نہیں۔ فرمایا جاؤ اور کسی بنیئے سے قرض لے کر آؤ۔ مسعود عراقی کی ضرورت پوری کرو۔ یہ سن کر مسعود عراقی بولے، حضرت! کافر سے قرض لینا تو مکروہ ہے۔ مخدوم جہانیاں نے فرمایا کہ قرض ضرورت کے لیے لیا جاتا ہے اور ضرورت کافر اور مسلمان دونوں سے قرض لے کر پوری کی جا سکتی ہے۔ آپ نے بنیئے سے قرض لے کر مسعود عراقی کی ضرورت پوری کر دی اور پھر جونہی فتوح آ گئیں تو فوراً بنیئے کا قرض چکا دیا۔ آپ کے دروازے پر سے کوئی سائل خالی واپس نہیں جاتا تھا۔ آپ فرمایا کرتے کہ جب تک میرے گھر پر سینکڑوں لوگ کھانا نہ کھائیں میرا دل خوش نہیں ہوتا اور یہ آپ کی فیاضی ہی تھی جس نے آپ کو ہمیشہ غریب نواز بنائے رکھا۔

(تذکرہ مخدوم جہانیاں)

۱۱۳۔ تلاشِ مُرشد کا واقعہ

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت بلھے شاہ اپنے شہر قصور میں ایک درخت کے نیچے بیٹھے تھے کہ یکدم آپ پر نیند غالب آگئی اور خواب میں دیکھتے ہیں کہ نیک انسان باشرع ایک تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں اور بلھے شاہ ان کے سامنے کھڑے ہیں، ان بزرگوں نے آپ سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ آپ نے کہا کہ میں سید عبداللہ بن سید درویش ہوں، ان کے پاس ایک دودھ کا پیالہ پڑا ہوا تھا انھوں نے اٹھا کر اپنے منہ سے لگایا اور پھر بلھے شاہ کو دیتے ہوئے کہا کہ بیٹا یہ لو دودھ اسے پی لو۔ حضرت بلھے شاہ کا کہنا ہے کہ میں نے خواب میں دودھ پی لیا اور اس کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ دودھ پینے سے میرا دل روشن ہو گیا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے تاکید کی کہ بیٹا اب مرشد تلاش کر کے بیعت کر لو۔

حضرت بُلھے شاہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ کچھ دیر کے بعد آپ گھر واپس آئے اور اپنے والد محترم کو یہ واقعہ سنایا۔ انھوں نے فرمایا بیٹے تم سے بھول ہو گئی۔ اگر ایسے بزرگ سے ملاقات ہو گئی تھی تو ان سے کہنا تھا کہ آپ کو چھوڑ کر اور کونسا مرشد تلاش کروں۔ آپ نے والد صاحب سے عرض کی اب فرمایئے وہ کہاں مل سکتے ہیں؟ آپ کے والد صاحب نے بتایا کہ اس وقت وہ موضع سانڈہ میں مقیم ہیں بلھے شاہ اسی وقت گھر سے روانہ ہوئے اور سانڈہ کی مسجد میں آکر لیٹ گئے۔ چنانچہ سید عبدالحکیم سے پھر ملاقات ہوئی تو انھوں نے بلھے شاہ کو مولوی محمد عنایت قادری شطاری سے رجوع کرنے کو کہا وہاں سے آپ گھر تشریف لائے اور اپنے والد کو حقیقت سے آگاہ کیا اور بیعت کی اجازت طلب کی۔ انھوں نے اجازت دیدی اور ایک دستار مرشد کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے اور کچھ رقم دی اور ساتھ ہی یہ نصیحت بھی کی کہ کہیں تکبر میں نہ آجانا بلکہ نہایت عجز و عقیدت کے ساتھ مرشد کی خدمت میں حاضری دینا اور جو تعلیمات وہ دیں ان کو غور سے سن کر ان پر عمل کرنا۔

والد صاحب سے رخصت ہو کر بلھے شاہ لاہور کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں انھیں خیال آیا کہ میں تو سید ہوں اور جدامجد کی طرف سے میرا درجہ بھی مقرر ہے۔ اس لیے شاہ عنایت کو مجھے بیعت میں لینے کے لیے کوئی عذر نہیں ہونا چاہیئے۔ ان دنوں مولوی شاہ عنایت قادری بھاٹی دروازہ میں اونچی مسجد کے پیش امام تھے اور درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ جب آپ شاہ عنایت کی خدمت

میں پہنچے اور اپنا مدعا بیان کیا تو آپ نے فرمایا پہلے ایک کام کرو پھر مرید کریں گے، اب دوپہر کا وقت ہے۔ وہ کام کر کے مغرب کی نماز ہمارے ساتھ آکر پڑھنا۔ کام یہ ہے کہ پانچ سو نقد روپیہ، پانچ سو کا گھوڑا، پانچسو کی ایک پوشاک اور پانچ سو روپے کے طلائی کنگن لے آؤ پھر بیعت کریں گے۔

آپ وہاں سے نکلے تو بہت پریشان تھے کہ ان شرائط کو کیسے پورا کروں، اتنی تو میری اوقات بھی نہیں ہے اور گھر سے کچھ نقد لے کر بھی نہیں آیا ہوں جو دو ہزار روپیہ کی شرائط پوری کر سکوں! اسی ادھیڑبن میں دریائے راوی کے کنارے آکر بیٹھ گئے اور سوچنے لگے۔ یہاں تک کہ بہت ہی مایوس ہو گئے اور دل میں آیا کہ کیا ہی اچھا ہو کہ دریا میں ڈوب مروں تاکہ شرمندہ ہونے سے ترنج جاؤں۔ اسی وقت کسی نے آپ کو آواز دی "لڑکے ذرا میری بات سنو" آپ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک نقاب پوش سوار گھوڑے سے اتر رہا تھا اس نے قریب آکر آپ سے کہا میں نہانا چاہتا ہوں، ذرا میرا گھوڑا تھام رکھو اور میرے سامان کی حفاظت کرو۔ اس نقاب پوش نے پہلے آپ کو پانچ سو روپیہ کی تھیلی پکڑائی، پھر ہاتھوں سے طلائی کنگن اتار کر دیے اور پھر اپنی قیمتی پوشاک جو پانچ سو روپیہ کی تھی آپ کے حوالے کر کے دریا میں غوطہ زن ہو گیا اور ایسا غوطہ لگایا کہ پھر نہ ابھر سکا آپ ظہر سے عصر تک وہاں بیٹھے رہے۔ بالآخر یہ سوچ کر وہاں سے اٹھے کہ وہ بیچارہ تو دریا میں ڈوب گیا ہے اور قدرت نے یہ چیزیں مجھے مہیا کر دی ہیں جو مرشد نے مانگی تھیں۔ چنانچہ آپ یہ چیزیں لے کر شہر میں داخل ہوئے تو لوگوں نے مولوی شاہ عنایت کی پوشاک اور گھوڑے کو پہچان لیا اور مولوی صاحب کے پاس لے گئے۔ مولوی صاحب نے آپ سے سب چیزیں لے لیں اور فرمایا برخوردار! بس یہی شیخی تھی کہ ڈوب مرنے کے لیے تیار ہو گئے تھے تم تو سید ہو اور بڑے خوبرو ہو اور تمہارا دس روپیہ روزینہ بھی مقرر ہے جبکہ میں ایک باغبانی کرنے والا آدمی ہوں۔ میں تمھیں کیا فیض دے سکتا ہوں۔ آپ نے عرض کی، جناب! میرا سب کچھ آپ کی نذر اور آپ پر نچھاور ہے۔ حضرت بلھے شاہ کی یہ عقیدتمندی اور خلوص دیکھ کر شاہ عنایت نے آپ کو بیعت کر لیا اور باطنی علوم سے بہرہ ور کیا۔

۱۳۱۲۔ تیرے عشق نچایا کر کے تھیّا تھیّا

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت بُلھے شاہ کے مرشد حضرت شاہ عنایت قادری نے بُلھے شاہ سے

ناراض ہو گئے اور غصے میں آ کر ان سے روحانی فیض سلب کر لیا۔ ناراضگی کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت بُلھے شاہ جن دنوں قصور میں رہتے تھے وہاں ایک مرتبہ یوں ہوا کہ ان کے استاد حافظ غلام مرتضیٰ کی لڑکی کی شادی ہوئی تو اس شادی کے دوران آپ حافظ صاحب کے مہمانوں کی خدمت اور میزبانی میں مصروف تھے کہ عین اسی دن آپ کے پیر و مرشد کے بھتیجے اور داماد مولوی ظہور محمد صاحب خاص طور پر لاہور سے ملنے آئے۔ مولوی ظہور محمد صاحب اپنے خسر سے روحانی سلسلہ تلمذ بھی رکھتے تھے اور اس لحاظ سے حضرت بُلھے شاہ کے پیر بھائی بھی تھے۔ حضرت بلھے شاہ کو مہمان خصوصی کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اپنے ایک درویش کو ہدایت کی کہ ان کی خاطر مدارات میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی جائے اور فرمایا کہ مہمانوں سے فارغ ہو کر میں ان کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ اتفاق سے حضرت بُلھے شاہ تمام رات شادی کے کام سے فرصت نہ پا سکے۔ ادھر مولوی ظہور محمد صاحب اپنی جگہ ہمہ تن منتظر رہے باہمی التفات کی بنا پر انھیں پوری توقع تھی کہ حضرت بلھے شاہ ضرور ملنے آئیں گے مگر وہ نہ گئے تو قدرتی طور پر وہ مایوس ہو گئے۔ صبح ہوئی تو مولوی ظہور محمد صاحب بلا اطلاع لاہور واپس چلے گئے اور اپنے خسر سے حضرت بلھے شاہ کی بے اعتنائی کی شکایت کی اور یہ تاثر دیا کہ انھوں نے غرور و تکبر کی وجہ سے مجھ سے ملنا کسرِ شان سمجھا۔ حضرت شاہ عنایت نے بھی اپنے چہیتے شاگرد کی غیر متوقع بے رخی کو سخت ناپسند کیا اور جلالت میں آ کر حضرت بُلھے شاہ کو اپنے روحانی فیض سے محروم کر دیا۔

دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ حضرت بلھے شاہ نے فوراً محسوس کر لیا کہ ان کا دامن مرشد کے فیض سے خالی ہو چکا ہے۔ چنانچہ آپ نے شادی کے کام دھندوں کو چھوڑا، اپنے ڈیرے پر آئے اور درویشوں کو جمع کیا اور مستانہ سے خفا ہوئے کہ مہمان کو جانے سے کیوں نہ روکا۔ انھوں نے بتایا کہ وہ تورکے تڑکے ہی کسی کو خبر دیے بغیر چلے گئے۔ حضرت بلھے شاہ نے اپنے ڈیرے کا انتظام مستانہ کے سپرد کیا اور قصور کو کچھ عرصہ کے لیے خیر باد کہہ دیا۔ بڑی دقتوں کے بعد آپ اپنے مرشد شاہ عنایت کے شطاری سلسلہ کے بزرگ شیخ محمد غوث گوالیاری کے مقبرہ پر حاضر ہوئے جو قلعہ گوالیار میں واقع ہے اور قریب ہی ہند کے نامور راگی تان سین کا مرقد بھی ہے۔ خواب میں آپ کو شیخ محمد غوث گوالیاری کی زیارت ہوئی جنھوں نے آپ کو عرفان کی دولت بخشی اور تان سین کی قبر پر بیری کے ڈھائی پتے کھانے کی ہدایت فرمائی۔ صبح آپ نے حسب فرمان تان سین کی قبر پر درخت سے پتے کھائے جس سے آپ

میں موسیقی کا کمال پیدا ہو گیا اور آپ کی طبیعت کو سکون حاصل ہوا۔

گوالیار سے آپ قصور آئے اور ایک دن ٹھہر کر لاہور چلے گئے۔ وہاں ان قوالوں سے ملے جو حضرت شاہ عنایت کی محفل میں عارفانہ کلام گایا کرتے تھے۔ آپ نے انھیں بتایا کہ آپ مغنیہ کے بھیس میں اپنے پیر کی بارگاہ میں رسائی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ قوالوں نے حضرت شاہ عنایت کے فرضی ہندوستانی مغنیہ کے فن موسیقی کی بہت تعریف کی اور پیش کرنے کی اجازت چاہی۔ حضرت شاہ عنایت بولے، ہم اس مغنیہ کو خوب جانتے ہیں اور جمعہ کے دن سماع کی اجازت دے دی۔ حضرت بُلھے شاہ بہت خوش ہوئے۔ جمعہ کے روز آپ نے مغنیہ کا بھیس بدلا اور قوالوں کے ساتھ مرشد کی محفل میں جا پہنچے۔ مرشد کے فراق میں آپ نڈھال ہو چکے تھے۔ قدم بوسی کی تمنا نے بے کل کر دیا تھا۔ جن مصائب کے ساتھ روٹھے پیر کو منانے کے لیے ہندوستان کا سفر کیا تھا اس سے آتشِ شوق اور بھی بھڑک اٹھی تھی۔ اس پر موسیقی نے بھی کلام کے اثر میں سوز و درد بھر دیا تھا اور کلام کو جادو اثر بنا دیا تھا پھر مرشد کو جلد از جلد منانے کا خیال بھی آرہا تھا۔ لہٰذا آپ نے بڑے درد بھرے لہجے میں کلام گانا شروع کیا۔ ساری محفل نے آپ کے گانے کا اثر قبول کیا آپ کا وہ کلام آج تک بہت مقبول ہے ؎

تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا

ایسے عشق دے کولوں ساتوں ہٹک نہ مائے — لاہور جاندے بیڑے کون موڑ ہٹائے
اک عشق دی جھگی وچ مور بولیندا — ساتوں قبلہ تے کعبہ پیارا یار دسیندا

ساتوں گھائل کر کے پھیر خبر نہ لئیا
تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا

جب آپ کافی گا چکے تو شاہ عنایت نے فرمایا "تو بُلھا ہے؟" تو آپ نے عرض کی نہیں میں بُھلا (بھولا ہوا) ہوں۔ مرشد نے اٹھ کر آپ کو گلے لگایا اور یوں مرشد و مرید میں صلح ہو گئی اور آپ کی ولایت آپ کو واپس کر دی اور کہا "بے فکر رہو آئندہ تمھاری ولایت تم سے کوئی نہیں چھینے گا۔"

(تذکرہ اولیائے پاکستان)

-٭-

۳۱۳۔ خدا کی بانٹ

شاہ عنایت صاحب کے ہاں کا ایک دلچسپ واقعہ بھی بلھے شاہ سے منسوب و مشہور ہے۔ شاہ عنایت صاحب نے کچھ نیاز کی شیرینی بلھے شاہ کو تقسیم کرنے کے لیے دی۔ بلھے شاہ نے عرض کی یا پیر و مرشد! میں کس طریقہ پر بانٹوں، اللہ کی بانٹ پر یا محمدؐ کی بانٹ پر؟ شاہ صاحب نے فرمایا اللہ کی بانٹ پر تقسیم کر دو۔ آپ نے شیرینی تقسیم کی۔ کسی کو بہت کم کسی کو بہت زیادہ، کسی کو کچھ بھی نہ دیا اور یوں شیرینی ختم کر دی۔ شاہ عنایت نہایت متعجب ہوئے اور بلھے شاہ سے پوچھا، یہ کیا کیا ہے؟ تو بلھے شاہ نے بے ساختہ جواب دیا کہ خدا کی تقسیم تو ایسی ہی ہے، کسی کو کم کسی کو زیادہ کسی کو کچھ بھی نہیں۔ آپ نے خود ہی فرمایا تھا کہ خدا کی بانٹ بانٹو۔ شاہ عنایت اور حاضرین آپ کے کلمات سے بہت محظوظ ہوئے۔

۳۱۴۔ اللہ جیسے چاہے گناہ سے بچالے

حضرت خواجہ سلیمان تونسوی کے بچپن کا واقعہ ہے جو اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ آپ مادر زاد ولی تھے۔ قصہ یوں ہے کہ تونسہ کے امراء و رؤسا نے ایک روز طوائفوں کا مجرا کروایا۔ حضرت کو ان باتوں کے بارے میں کچھ علم نہ تھا۔ وہ محض تماشا دیکھنے چلے گئے تھے۔ یہ رنگ و بو کی محفل رات گئے تک جاری رہی۔ آپ بھی وہاں پر کھڑے ناچ گانا دیکھتے رہے۔ اچانک آپ کو نیند آگئی اور آپ اسی جگہ جہاں کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے سو گئے۔ خواب میں آپ نے ایک بزرگ کو دیکھا جو آپ پر سخت ناراض تھے۔ انھوں نے آپ کے منہ پر زور سے طمانچہ مارا اور فرمایا۔ تم ان طوائفوں کا تماشہ دیکھنے آئے تھے، تمھیں معلوم نہیں یہ کتنی بری بات ہے یہ کہہ کر وہ بزرگ غائب ہو گئے۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ میری جب آنکھ کھلی تو طوائفیں جا چکی تھیں لیکن میرے رخسار پر طمانچے کے واضح نشان تھے بلکہ اس بزرگ کی انگلیاں میرے گالوں پر جم گئی تھیں۔ حضرت فرماتے ہیں کہ اس واقعہ سے کئی سالوں بعد میں جب قبلہ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی صاحب سے بیعت ہوا تو میں یہ دیکھ کر حیران و پریشان ہو گیا کہ یہ وہی بزرگ تھے جن کو میں نے خواب میں دیکھا تھا اور انھوں نے مجھے تھپڑ مار کر طوائفوں کا تماشا دیکھنے کی سرزنش کی تھی۔

۳۱۵۔ جنّ کی عقیدت مندی کا واقعہ

میاں یار محمد ملتانی روایت کرتے ہیں کہ خواجہ سلیمان تونسوی ورگ (ایک جگہ کا نام) میں تشریف فرما تھے کہ ایک روز ایک شخص اپنی بیوی کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری بیوی پر جنّ کا سایہ ہے آپ خدا کے لیے اس کا کوئی علاج فرماویں۔ حضرت خواجہ صاحب نے جنّ کو حکم دیا کہ تم نے اس بیچاری عورت کو کیوں گرفتار کر رکھا ہے اس کی جان چھوڑ دو۔ جنّ نے عرض کی اے خواجہ خواجگان! چند روز سے میرا بچہ سخت بیمار ہے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے بچے کی بیماری دور کرنے کا تعویذ حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن اس کام کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو میں نے اس عورت کو گرفتار کر لیا تاکہ اس کے وسیلہ سے آپ کی زیارت بھی ہو جائے اور میں اپنے بچے کے لیے تعویذ بھی حاصل کر سکوں۔ حضرت غریب نواز نے فرمایا کہ تم تعویذ کس طرح حاصل کرو گے؟ اس جنّ نے عرض کی کہ آپ تعویذ کو فلاں پتھر کے نیچے رکھ دیں میں وہاں سے حاصل کر لوں گا۔ چنانچہ خواجہ صاحب نے مطلوبہ تعویذ پتھر کے نیچے رکھ دیا جنّ نے اس طرح اس عورت کی جان چھوڑ دی۔ اور خود تعویذ لے کر مفقود ہو گیا۔ عورت اچھی ہو گئی اور اپنے شوہر کے ساتھ چلی گئی۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلیمانِ ملک سے انسان ہی فیضیاب نہیں ہوتے تھے بلکہ جن بھی آپ کے در سے درد کا درمان حاصل کیا کرتے تھے۔

۳۱۶۔ حضرت خواجہ سلیمان تونسوی کا رُوحانی تصرف

ایک روز خواجہ غریب نواز اپنے مریدوں کے حلقے میں تشریف فرما تھے۔ یہ واقعہ موضع جسروری کا ہے ذکر و فکر کی باتیں ہو رہی تھیں۔ اچانک آپ کا روئے مبارک متغیر ہو گیا۔ آپ نے سر زانو میں جھکا لیا اور کافی دیر مراقبہ میں بیٹھے رہے۔ کافی دیر کے بعد آپ نے پھر سر اٹھایا اور خداوند کریم کا شکرانہ نوافل کی صورت میں ادا کیا۔ حاضرین اس امر سے متعجب ہوئے کہ چہرہ مبارک کی تغیری کا کیا موجب ہے۔ نور خان گرمانی آپ کا مرید و مشیر تھا اور اس پر آپ کی کمال عنایت بہت زیادہ تھی اور وہ بے تکلف بھی تھا۔ اس نے ہمت کر کے پوچھا، حضرت! آپ کو یکایک کیا ہو گیا تھا کہ آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ اوائل عمری میں ایک شخص عمر خان جو مکول کا رہنے والا تھا میرا مرید ہوا۔ وہ شخص خاصا متموّل تھا اس نے مجھے

ایک گھوڑی تحفتہً دی اور چند پکے مکان میرے لیے تیار کروائے، کچھ کنویں بھی میری نذر کیے مگر میں نے سوائے گھوڑی کے کچھ قبول نہ کیا۔ گھوڑی بھی اس کے اصرار کی وجہ سے مجھے قبول کرنا پڑی۔ میں اس کے لیے ہمیشہ دعائے خیر کرتا تھا اور وہ بھی تونسہ میں میرے پاس اکثر آیا جایا کرتا تھا۔ ایک خاص بات یہ تھی کہ وہ بالکل اَن پڑھ تھا۔ آخری عمر میں اس کے دشمنوں نے اس کی جاہلیت سے فائدہ اٹھایا اور اس کو بہکایا کہ تم نے ایک افغان روہیلہ کی مریدی اختیار کی ہے جبکہ تمہارے اپنے شہر میں ایک سے ایک بڑھ کر مرشد موجود ہیں۔ وہ شخص لوگوں کے بہکاوے میں آگیا اور اس نے تونسہ شریف آنا جانا بند کر دیا، کچھ عرصہ کے بعد وہ سخت بیمار ہوگیا اس کی شکل مسخ ہوگئی اس نے کُتے کی طرح لوگوں پر بھونکنا اور کاٹنا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ اپنے کپڑے پھاڑ کر گلیوں میں بھاگنے لگا۔ ہر وقت اس کی زبان پر کفر کے کلمات رہنے لگے۔ اس کی یہ بدتر حالت دیکھ کر ایک شخص موسیٰ نامی نے اس عمر خان کو کہا کہ تم نے اپنے مرشد کی توہین کی ہے۔ یہ اس کی تمہیں سزا مل رہی ہے لہٰذا اب بھی تم توبہ استغفار کر کے اپنے مرشد کی طرف رجوع کرو تو تمہاری مشکلیں آسان ہو جائیں گی۔ عمر خان نے موسیٰ کی بات کو توجہ سے سنا اور دل سے توبہ کر لی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم کیا۔ اس کی مشکلیں آسان ہوگئیں اور اس کی زبان پر کلمہ شریف جاری ہوگیا۔ پھر اسے احساس ہوگیا کہ میں نے لوگوں کے کہنے سے جو غلط کام کیا اس کی مجھے سزا ملی ہے۔ آج عمر خان پر وقتِ نزع آگیا اور جان کنی کے عالم میں اس کو شدید تکلیف ہو رہی تھی اور اس نے مجھے یاد کیا تھا۔ میں نے اس کے واسطے درگاہِ الٰہی میں دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنی مہربانی کی اور دولتِ ایمان لے کر فوت ہوا ہے۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ ایک مرشد کامل کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنے مرید کا ہر حال میں خیال رکھے اور اس کی دستگیری کرے۔

۳۱۷۔ دعائے خیر

ایک مرتبہ ایک دولت مند مال و زر کے نشے میں چور حضرت سلیمان تونسوی کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا یا خواجہ! یا مجھے موسیٰ بنا دو یا فرعون بنا دو۔ حضرت نے سکوت کیے رکھا۔ اس شخص نے اپنا مدعا دُہرایا۔ آپ پھر خاموش رہے۔ تیسری مرتبہ جب اس شخص نے اپنی بات دہرائی تو آپ نے فرمایا، تم نے کہا ہے کہ تمہیں موسیٰ بنا دیا جائے یا فرعون۔ جہاں تک موسیٰ کا تعلق ہے تو وہ اللہ کے نبی تھے اور نبوت تو

ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی ہے اس لیے تمھارا موسیٰ بننا ممکن نہیں ہاں البتہ فرعون بننا چاہتے ہو تو وہ بن سکتے ہو۔ وہ شخص سخت شرمندہ ہوا اور آپ سے معافی کا طلبگار ہوا۔ آپ نے اس کے حق میں دعائے خیر فرمائی اور اس کو ظاہری و باطنی دولت سے مالا مال کر دیا اور نصیحت کی کہ ایسی خواہش آئندہ مت کرنا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ اس نے تم پر کرم کر دیا ہے ورنہ تم فرعون بنا دیے جاتے تو تمھاری دنیا و آخرت دونوں برباد ہو جاتیں۔

۳۱۸۔ درُود شریف کا دس گُنا اجر

ایک مرتبہ امیر تیمور سید امیر علی ہمدانی کی بارگاہ میں حاضر تھے، امیر تیمور نے حضرت سے سوال کیا حدیث شریف میں آیا ہے کہ سرورِ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جتنی مرتبہ درود شریف پڑھا جائے گا اس کا دس گنا ثواب ملے گا۔ اس بات کی صداقت جاننا چاہتا ہوں کہ یہ کہاں تک سچ ہے۔ اس کے جواب میں سید امیر علی ہمدانی نے فرمایا کہ تم آج شام کے وقت میرے پاس آنا میں تمھیں تمھارے سوال کا جواب دوں گا۔ اب سید امیر علی نے عصر کی نماز کے بعد تمام نمازیوں سے بات کرتے ہوئے فرمایا تم میں سے جو شخص بھی بادشاہ کی دعوت کرنے کا خواہشمند ہو تو اسے اس کی اجازت ہے۔ آپ کے حکم کے جواب میں فی الفور چالیس آدمی بادشاہ کی دعوت کرنے کے لیے تیار ہوئے جن کی دعوت سید امیر علی نے قبول کر لی۔ ان تمام میں سے سب سے پہلے ایک بوڑھے غریب آدمی کے گھر سید امیر علی گئے وہاں سے کچھ کھایا اور دوسرے گھر چلے گئے۔ حتیٰ کہ چالیس گھروں میں باری باری جا کر انھوں نے کھانا کھایا۔ جس کسی گھر میں آپ گئے۔ وہاں لوگوں نے یہی دیکھا کہ امیر تیمور کھانا کھانے آیا ہے اور کھانا کھا کر چلا گیا ہے۔ تمام کھانوں سے فارغ ہو کر سید امیر علی پر ایک غزل وارد ہوئی۔ غزل تحریر کرنے کے بعد وہ مسجد میں آئے اس وقت عشاء کی نماز کا وقت تھا، لوگ مسجد میں جمع ہو رہے تھے۔ وہاں وہ لوگ بھی آئے جنھوں نے سید امیر علی ہمدانی کی دعوت کی تھی۔ وہ سب لوگ دوسروں کو بتا رہے تھے کہ بادشاہ آج ان کا مہمان ہوا ہے۔ آپ نے بادشاہ کو بلایا اور فرمایا ان سب لوگوں سے ملو اور ان کی بات سنو۔ یہ کہتے ہیں کہ بادشاہ نے بیک وقت چالیس گھروں سے کھانا کھایا ہے۔ اگر ایک ادنیٰ سا انسان ایک وقت میں چالیس گھروں سے کھانا کھا سکتا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو نبیوں کے تاجدار ہیں وہ درود شریف کیوں نہیں سن سکتے اور اس کا جواب کیوں

نہیں دے سکتے۔ بادشاہ بہت شرمندہ ہوا اور زار و قطار رونے لگا اور وہ جو چالیس گھروں میں ایک ایک غزل لکھی گئی جن کی تعداد بھی چالیس تھی انھیں چہل اسرار کے نام پر طبع کیا گیا ہے۔

۳۱۹۔ اللہ پر بھروسے کا اجر

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت سید امیر علی ہمدانی سفر میں تھے کہ دورانِ سفر آپ کو اٹھائیس روز تک بھوکا پیاسا رہنا پڑا۔ کہیں سے پانی اور غذا میسر نہ آئی۔ آپ نے عہد کر لیا کہ کسی شخص سے بھی کوئی چیز طلب نہ کروں گا۔ کچھ دیر کے بعد ایک شخص پانی کا کٹورا بھر کر لایا آپ نے اس سے پانی لینے سے انکار کر دیا وہ شخص چلا گیا۔ آپ کی راہ میں ایک کنواں بھی آیا۔ آپ نے کنوئیں کو دیکھا تو پیاس کی شدت بڑھ گئی۔ آپ نے کنوئیں میں چھلانگ لگا دی، پانی پیا مگر جب باہر نکلنا چاہا تو نکلا نہ گیا کیونکہ کنواں بہت گہرا تھا۔ آپ بہت پریشان ہوئے۔ اسی اثنا میں ایک شخص کہیں سے آگیا اس نے اپنی پگڑی اتاری اور پگڑی کا ایک سرا کنوئیں میں بڑھا کر کہا اس پگڑی کو پکڑ لیں۔ آپ نے پگڑی کا سرا پکڑ لیا اور اس طرح آپ کنوئیں سے باہر آگئے۔ آپ نے کنوئیں سے باہر آکر اپنے اس محسن کا شکریہ ادا کرنا چاہا تو آپ کی حیرانی کی کوئی انتہا نہ رہی کہ وہ شخص آن کی آن میں غائب ہو گیا آپ نے بہت تلاش کیا مگر بے سود۔ آخر آپ نے سوچا کہ اللہ تعالیٰ نے میری مدد کے لیے شاید کوئی فرشتہ بھیجا تھا جس نے اس مصائب کے بحرِ بیکراں میں میری مدد کی۔ آپ نے فوراً شکرانے کے نفل ادا کیے۔

۳۲۰۔ حضرت علی ہمدانی کی کرامت

ایک دفعہ آپ کا واسطہ ایک سادھو سے پڑ گیا اس نے آپ سے کہا کہ آپ اگر اپنے آپ کو خدا کے اتنا قریب سمجھتے ہیں تو کوئی حیرت انگیز کرامت اور کرشمہ دکھائیں۔ آپ نے فرمایا میاں سادھو! میں ایک غریب الوطن مسافر ہوں۔ میں تمھیں کیا کرامت دکھاؤں۔ تم ہی کوئی کرامت دکھاؤ۔ اب سادھو شیخی میں آگیا۔ اس نے بتوں کی طرف دیکھا تو سارے بُت ناچنے لگے۔ سید امیر علی شاہ ہمدانی نے جب بتوں کو اس طرح ناچتے دیکھا تو انھوں نے مرید کو کہا کہ اپنے پاؤں سے جوتے اتار دیں۔ انھوں نے جوتے اتار دیے تو یہ جوتے اڑ اڑ کر ان بتوں پر برسنے لگے۔ سادھو نے دیکھا تو فوراً تائب ہو گیا اور تمام فضا کلمہ طیبہ کی

صداؤں سے گونج اٹھی۔

۳۲۱۔ اللہ کے دوست کا امتحان

امیر تیمور بادشاہ کی عادت تھی کہ وہ رات کے وقت گھوڑے پہ پورے شہر کا گشت کر کے اپنی رعایا کا حال معلوم کیا کرتا تھا اور دوسرے روز ان کے متعلق فیصلے صادر کیا کرتا تھا۔ ایک روز وہ حسب معمول شہر میں چکر لگا رہا تھا کہ اس نے ایک غمناک آواز سنی۔ وہ آہ و بکا کی طرف متوجہ ہوا۔ ایک بڑھیا رو رہی تھی اور بارگاہ ایزدی میں فریاد کر رہی تھی۔ "اے رب العالمین! ہمارے بادشاہ اور وزیر کو موت دیدے اور قاضی شہر کی عمر دراز کر۔" بادشاہ اس حیرت انگیز دعا کو سن کر بڑا پریشان ہوا۔ کافی دیر وہ سوچتا رہا، کہ بڑھیا سے کس طرح معلوم کرے کہ وہ بادشاہ اور وزیر سے کیوں اس قدر نالاں ہے کہ ان کی موت چاہتی ہے اور قاضی سے اتنی خوش کیوں ہے جو اس کی لمبی عمر کے لیے دعا گو ہے۔ کافی دیر بعد اس نے بڑھیا کے دروازہ پہ دستک دی۔ جب بڑھیا نے دروازہ کھولا تو بادشاہ نے نہایت بیچارگی اور مسکینی سے پوچھا کہ اے نیک عورت! میں ایک مسافر ہوں لیکن میں نے تمہاری عجیب و غریب دعا سنی ہے۔ کیا میں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ تم بادشاہ وقت اور وزیر سے اتنی زیادہ رنجیدہ کیوں ہو جو ان کی موت چاہتی ہو اور قاضی سے اتنی خوش کیوں ہو کہ اس کی درازئ عمر کی دعا کر رہی ہو؟ اس بڑھیا نے کہا اجنبی! میں بادشاہ کی بیماری کی اس لیے خواہش مند ہوں کہ اگر بادشاہ بیمار ہو گا تو وہ وافر مقدار میں صدقہ و خیرات کرے گا اور اس کی خیرات سے میں اپنے غریب بھوکے بچوں کی روٹی کا سامان کروں گی۔ ہمارے چند دن بہتر گزر جائیں گے وزیر کی موت کی اس وجہ سے خواہش مند ہوں کہ وہ نہایت نیک سیرت انسان ہے اور میں چاہتی ہوں کہ اس کا خاتمہ نیک اعمال پہ ہو جائے اور وہ رب العالمین کے دربار میں اعلیٰ مقام پائے اور نجات حاصل کرے اور قاضئ شہر کی درازئ عمر اس لیے چاہتی ہوں کہ وہ اپنی بداعمالیاں زیادہ سے زیادہ کر سکے تاکہ اس کا ٹھکانہ جہنم کے علاوہ کوئی نہ ہو اور قیامت کے روز اس کو زیادہ سے زیادہ عذاب ملے۔

بادشاہ تیمور جو مسافر کے روپ میں تھا، نے آبدیدہ ہو کر اس بڑھیا سے کہا اے نیک عورت! میں اس وقت تو تہی دست ہوں، میرے پاس صرف ایک تسبیح ہے۔ تم وہ مجھ سے لے لو اور اس کو فروخت کر کے اپنے بچوں کا پیٹ بھرنے کا سامان کرو۔ اور اگر وقت نے مہلت دی تو میں تمہاری ضرور مدد کرونگا

یہ کہہ کر اجنبی مسافر (بادشاہ) چلا گیا۔ ادھر بڑھیا وہ تسبیح لے کر اپنے ہمسائے کے پاس گئی تاکہ اس کو فروخت کر سکے۔ اس ہمسائے نے جو یوں تو سید تھا مگر پرلے درجے کا بخیل انسان تھا جب تسبیح کو دیکھا تو اس کی رال ٹپک پڑی۔ بڑھیا تسبیح کی قیمت سے ناآشنا تھی کیونکہ تسبیح یاقوت اور لعل و مرجان کی تھی اور مذکورہ ہمسایہ کسی طرح اس سے وہ تسبیح ہتھیانا چاہتا تھا۔ اس نے بڑھیا کے ساتھ الٹی چال چلی کہ یہ تسبیح تو میری ہے۔ اس کو کل کسی نے چرایا ہے اور میں اس کی تلاش میں تھا۔ اب مجھے پتہ چلا کہ یہ تم نے چرائی ہے۔ میں اب تم پر مقدمہ دائر کروں گا۔ بڑھیا گھبرا گئی اور بولی میں بالکل بے قصور ہوں۔ یہ تسبیح تو مجھے ایک اجنبی نے دی تھی میں نے ہرگز نہیں چرائی۔ اب اس سید ہمسائے نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور کہنے لگا، اچھا اگر تو نے تسبیح نہیں چرائی تو یہاں سے بھاگ جاؤ۔ میں تم پر اتنا ترس کھا لیتا ہوں کہ تمھیں عدالت میں نہیں کھینچتا۔ بڑھیا نے اسی میں عافیت جانی اور اجنبی کو کوستی اپنے گھر چلی گئی۔

اگلی رات امیر تیمور پھر حسبِ معمول گشت پر نکلا اور قصداً بڑھیا کے محلے میں آیا اور اس نے بڑھیا کے گھر سے پھر وہی دعا سنی جس میں بادشاہ کی بیماری، وزیر کی موت اور قاضیٔ وقت کی درازیٔ عمر کا ذکر تھا بادشاہ نے بڑھیا کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ بڑھیا اس کو دیکھتے ہی اس پر برس پڑی اور اس کے منہ میں جو آیا کہتی چلی گئی۔ جب اس کا غصہ فرو ہوا تو بادشاہ نے اس سے اصل واقعہ سنانے کو کہا۔ بڑھیا نے بلا کم و کاست اپنے سید پڑوسی والا سارا قصہ سنا دیا۔ بادشاہ کو بہت غصہ آیا۔ اس نے بڑھیا کو بتایا کہ میں اجنبی نہیں، بلکہ بادشاہِ وقت ہوں اور میں نے تمھاری ضرورت پوری کرنے کی غرض سے اپنی قیمتی تسبیح تمھیں دی تاکہ تم اپنے بچوں کا پیٹ بھرنے کا سامان مہیا کر سکو مگر تمھارے ساتھ تمھارے بخیل پڑوسی نے بڑی زیادتی کی ہے۔ اس کی سزا اس کو ضرور ملے گی۔ اگلے روز بادشاہ نے بڑھیا اور اس کے بخیل سید پڑوسی کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ دربار میں تمام وزراء امراء اور دیگر مصاحب تشریف فرما تھے۔ بادشاہ نے بڑھیا کو حکم دیا کہ ساری روئداد سناؤ۔ بڑھیا نے شروع سے آخر تک ساری بات دربار میں بیان کر دی۔ فیصلہ یہ کیا گیا کہ بڑھیا کو خاطر خواہ انعام دیا جائے جس سے وہ بارِ زندگانی آسانی سے اٹھا سکے اور اپنے بچوں کی کفالت بہتر طریقے سے کر سکے اور اس کے بخیل سید ہمسائے کو سزائے موت دے دی۔ اسی پر بس نہ کی گئی بلکہ اس علاقے میں جتنے سادات گھرانے تھے ان کو بھی نیست و نابود کرنے کا فرمان جاری کر دیا گیا۔ اس طرح بہت سے سید گھرانے لقمۂ اجل ہو گئے۔

انھی سید گھرانوں میں ایک شخص سید امیر علی ہمدانی بھی تھے۔ آپ کے مریدوں کی تعداد بیشمار تھی اور یہ خطرہ لاحق تھا کہ اگر امیر علی ہمدانی پر ہاتھ ڈالا گیا تو ملک نقصِ امن کا شکار ہو جائے گا۔ امیر تیمور نے کافی سوچ بچار کی کہ کسی طرح کوئی ایسا چال نہ پیدا ہو جائے جس سے سید امیر علی ہمدانی کو بھی ٹھکانے لگا دیا جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ بادشاہ کافی مدت اسی ادھیڑ بُن میں مشغول رہا۔ ایک روز اس کے ذہن میں عجیب سا خیال پیدا ہوا جس سے اس کی خواہش پوری ہو سکتی تھی۔ بادشاہ نے سوچا کہ امیر علی ہمدانی کی ولایت کا امتحان لیا جائے اور اگر وہ فیل ہو گئے تو ان کو قتل کروا دیا جائے گا۔ اس طرح کوئی شخص انگلی نہیں اٹھا سکے گا چنانچہ بادشاہ نے ایک بکری چوری کروائی اور اس کو ذبح کر کے پکوایا۔ پھر اس نے سید امیر علی ہمدانی کو ان کے مریدوں سمیت کھانے پر مدعو کیا۔ بادشاہ کا خیال تھا کہ چوری کی ہوئی بکری جب آپ کھائیں گے اور اس کے متعلق کچھ نہ جان سکیں گے اس طرح آپ کی ولایت کے تمام پردے اٹھ جائیں گے اور ان کو قتل کرنا آسان ہو جائے گا۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے اپنے ولی کو بھی بادشاہ کی بری نیت سے باخبر کر دیا۔ آخر دعوت کے روز سید امیر علی ہمدانی اپنے مریدوں کے ہمراہ بادشاہ کے دربار میں تشریف لائے۔ دستر خوان بچھا دیے گئے اور کھانا لگ گیا ابھی کسی نے لقمہ بھی نہ توڑا تھا کہ ایک بڑھیا روتی پیٹتی آئی اور بادشاہ سے فریاد کی کہ میں نے ایک بکری سید امیر علی ہمدانی کو تحفے کے طور پر دینے کے لیے پال رکھی تھی اس کو کوئی چُرا کر لے گیا ہے لہٰذا اب میں کیا کروں اور کہاں سے بکری لاؤں۔ میں تو سید امیر علی کے آگے بڑی شرمندہ ہوں۔ یہ سن کر حضرت صاحب نے بڑھیا سے کہا، تم اپنی بکری مجھے دے دو۔ تم زبان سے بکری مجھے دے دو گی تو بکری مجھ تک پہنچ جائے گی تو بڑھیا نے کہا کہ حضرت! وہ بکری آپ کے لیے تھی اس لیے میں نے آپ کو دے دی۔ حضرت نے فرمایا میں نے وہ بکری قبول کی۔ اس کے بعد آپ نے کھانا تناول کرنا شروع کیا۔ بادشاہ اس عجیب و غریب صورتحال سے بڑا پریشان ہوا اور نادم ہو کر آپ سے معافی کا طلب گار ہوا۔ آپ نے اسے زیادتی کرنے پر معاف کر دیا۔ بعد ازاں وہ آپ کی روحانیت سے متاثر ہو کر آپ کے ماننے والوں میں شامل ہو گیا۔

۳۲۲۔ پیغمبر کی قبر کی خدمت کا صلہ

حضرت غوث علی شاہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ دورانِ سفر ایک شخص سے ملاقات ہوئی اس کا

حال دریافت کیا تو کہنے لگا کہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مزار کا جاروب کش ہوں۔ چھ مہینے میں ایک مہینہ کی رخصت ملتی ہے۔ ہفتہ بھر گھر پر گزار کر پھر آستانہ پر حاضر ہو جاتا ہوں۔ جب میں بیس سال کی عمر کا ہوا تھا تو مجھے حرم شریف کی زیارت کا خیال آیا۔ جا بجا مقدس مقامات کی زیارت کرتا ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مزار متبرکہ پر پہنچا۔ دل یہاں پہنچ کر کچھ ایسا مانوس ہوا کہ میں یہیں کا ہو رہا اور جاروب کشی اختیار کر لی۔ سات آٹھ برس کے بعد ایک فقیر میرے وطن کا وہاں آنکلا اور پیام دیا کہ تمھاری بیوی نے کہا تھا، کہ اگر کہیں مل جائے تو کہہ دینا کہ تمھارے بچوں کی شادی کا وقت آگیا ہے اور خرچ کو کوڑی بھی نہیں جس طرح ہو سکے آجاؤ۔ اس وقت سے میں فکر مند تھا کہ میرے پاس زادِ راہ بھی نہیں اور سفر دور دراز کا ہے کس طرح اس مصیبت سے نجات ملے۔ اسی خیال میں سو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خواب میں ارشاد فرمایا کہ فلاں مقام پر پتھر کے نیچے پانچ سو ریال رکھے ہیں ان کو لو اور گھر چلے جاؤ لیکن بچوں کی شادی کر کے جلد واپس چلے آنا ہم تمھارے منتظر رہیں گے۔ جب میں نیند سے بیدار ہوا تو اس خواب کو محض خیال سمجھا۔ دوسری رات پھر یہی واقعہ پیش آیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس مقام پر جا کر دیکھو تو سہی۔ میں نے اس مقام پر جا کر دیکھا، تو درحقیقت وہاں پانچ سو ریال پائے۔ تیسری شب آپ نے ارشاد فرمایا کہ کل ضرور چلے جاؤ اور جلد واپس آؤ۔ میں وہاں سے مدینہ منورہ میں آیا۔ وہاں کچھ مدت قیام کا ارادہ تھا خواب میں حضور سرور کائنات ؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہاں سے جلد چلے جاؤ کیونکہ حضرت موسیٰ تمھارے منتظر ہیں۔ میں وہاں سے روانہ ہو گیا گھر پہنچا۔ بچوں کی شادی سے فارغ ہوا تو گھر چھوڑتے کو جی نہ چاہتا تھا۔ ایک رات حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خواب میں فرمایا کہ کیا تم واپس نہیں آنا چاہتا۔ میں نے عرض کیا کہ پیدل چلنا دشوار معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا، جب بیدار ہوا تو دیکھا کہ حضرت کے آستانے پر موجود ہوں۔ اس روز سے میرا یہ حال ہے کہ چھ مہینے کے بعد عرض کر کے سو رہتا ہوں اور صبح کو اپنے گھر بیدار ہوتا ہوں اور پھر آٹھ دن بعد اسی طرح حضرت کے آستانے پر پہنچ جاتا ہوں۔ میرے حال پر موسیٰ علیہ السلام کی بہت مہربانی ہے۔ جس وقت چاہتا ہوں حضرت سے گفتگو کر لیتا ہوں۔

ایک دن عرض کیا کہ حضرت مجھے کچھ تعلیم فرمائیے، ارشاد فرمایا تو متحمل نہ ہو گا مگر یہاں بعد انتقال کے تم کو کچھ دیں گے اب میں اپنے گھر آیا ہوں۔ چار دن تو گزر گئے ہیں تین دن باقی ہیں پھر اسی آستانے پر پہنچ جاؤں گا نہایت خوشی میں حضرت کے صدقے زندگی بسر کر رہا ہوں۔

۳۲۳۔ ایک فقیر کی رُوحانی توجّہ کا اثر

حضرت سید غوث علی شاہ قلندر فرماتے ہیں کہ جب ہم حج بیت اللہ کا قصد کر کے بمبئی سے جہاز پر سوار ہوئے تو ہم نے کپتان سے پوچھا، میاں تمھیں کوئی مردِ خدا بھی ملا ہے یا نہیں۔ کپتان نے کہا جی ہاں ملے تھے۔ ایک مرتبہ ہمارا جہاز حاجیوں کو لے کر روانہ ہوا تو ایک فقیر اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے والد کے پاس آبیٹھا اور کہنے لگا کہ اس سفر میں تو بڑی تکلیف ہوتی ہے ہم بھلا اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ جائیں گے؟ والد نے جواب دیا، سوا مہینے میں پہنچ جائیں گے۔ فقیر نے کہا اتنا طویل سفر تو ہمارے لیے دشوار ہے ہمارا جی متلاتا ہے۔ پہلے سے یہ معلوم ہوتا تو ہم کبھی جہاز پر سوار نہ ہوتے۔ والد نے بطور مزاح کہا، اگر کچھ ہمت ہو تو زور لگاؤ تا کہ جہاز جدہ کے ساحل پر جا لگے۔ فقیر نے پوچھا اچھا یہ بتاؤ کہ پہلے کون سی بندرگاہ آتی ہے۔ والد نے کہا عدن۔ پھر مجہ پھر جدہ۔ فقیر نے کہا بس اب لنگر ڈال دو جدہ آ گیا ہے۔ یہ کہہ کر خود اٹھ کر اپنی جگہ پر چلے گئے۔ والد حیران تھے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ فوراً ہی ایک خلاصی کو تحقیقِ حال کے لیے بھیجا۔ اس نے واپس آ کر بتلایا کہ جدہ کی بندرگاہ آ گئی۔ والد نے اس فقیر کو بہت تلاش کیا لیکن پتہ نہ چلا۔

۳۲۴۔ جادو اور رُوحانیت کا مقابلہ

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت غوث علی شاہ نے ایک چمار کے لڑکے سے پوچھا، تم روزانہ کہاں جاتے ہو اور سارا سارا دن کیا کرتے رہتے ہو؟ اس لڑکے نے جواب دیا کہ میں جہاں بھی جاتا ہوں یا جو کچھ بھی کرتا ہوں ایک دن اس کے متعلق ہر کسی کو معلوم ہو جائے گا۔ آپ نے کہا مگر اس میں رازداری کی کیا بات ہے؟ چمار کے لڑکے نے کہا میں نے کہہ جو دیا کہ یہ بات زیادہ دیر راز نہیں رہے گی۔ آپ نے فرمایا کیا تم یہ چاہتے ہو کہ یہ راز میں اپنی کوشش سے معلوم کر لوں؟ آخر کار چمار کے لڑکے نے بار ماں لی اور سارا ماجرہ سنانے لگا۔ "بات صرف اتنی ہے کہ میں ایک منتر سدھ رہا ہوں اور اس منتر کا جاپ میں دریا کے کنارے کھڑے ہو کر کرتا رہتا ہوں۔" غوث علی نے جواب دیا اچھا جس روز تم اپنا یہ منتر سدھ لو گے تو مجھے ضرور بتا دینا میں بھی تمھارے منتر کا کمال دیکھوں گا۔

اس کے بعد آپ اپنے گھر چلے گئے۔ کافی دنوں کے بعد وہ لڑکا آپ کے گھر پہنچا اور بتایا کہ میں نے اپنا جاپ مکمل کر لیا ہے۔ اگر دیکھنا چاہو تو میرے ساتھ آجاؤ۔ غوث علی اسی وقت لڑکے کے ساتھ چل دیے۔ لڑکے نے دریا کے کنارے پہنچ کر چاول پکائے اور پھر ایک بکرے کو قربان کیا۔ پھر پوجا کرنے کے بعد منتر پڑھنا شروع کر دیا۔ جب اس نے منتر مکمل کیا تو بہت خوش ہوا اور بولا "میاں جی! بھگوان کی کرپا سے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔" غوث علی نے کہا کہ میں کس طرح اس بات پر یقین کر لوں کہ تم کامیاب ہو گئے ہو؟ لڑکے نے جواب دیا میں جو کہہ رہا ہوں۔ غوث علی نے کہا جب تک میں سب کچھ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھوں گا یقین نہیں کروں گا۔ لڑکے نے کہا، چلو پھر تمہیں ابھی اپنے منتر کا تماشا دکھاتا ہوں۔ لڑکے نے ایک کنکر زمین سے اٹھایا، کچھ پڑھا اور پڑھ کر اس کنکر کو درخت پر دے مارا۔ درخت کو فوراً آگ لگ گئی اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے راکھ ہو گیا۔ غوث علی نے کہا کیا تم کسی آدمی کو بھی راکھ کر سکتے ہو؟ لڑکے نے جواب دیا کیوں نہیں۔ میں ہر چیز کو جلا کر راکھ کر سکتا ہوں۔ غوث علی نے لڑکے سے کہا کہ تم مجھے راکھ کر کے دکھاؤ تو مانوں۔ لڑکے نے گھبرا کر کہا کہ اگر میں نے تمہیں جلا دیا تو تمہارے گھر والوں کو کیا جواب دوں گا؟ آپ نے سینہ تان دیا اور کہا، تم اپنا کمال تو دکھاؤ ویسے بھی میں تو راکھ ہو جاؤں گا اور کسی کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔ لڑکے کو بھی اس بات پر غصہ آگیا اور بولا، میاں جی! آپ مجھے غصہ نہ دلائیں ورنہ آپ اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ آپ نے جواب دیا تم بے فکر رہو۔ مجھے کچھ نہیں ہوگا۔ اس پر لڑکے کو طیش آگیا اور اس نے کہا، پھر تیار ہو جائیے میاں جی، مرنے کے لیے۔

پھر لڑکے نے کنکر پکڑ کر اس پر منتر پڑھنا شروع کر دیا۔ غوث علی اس لڑکے پر اپنی نظریں جمائے کھڑے تھے۔ جب لڑکے نے منتر مکمل کر لیا تو کنکر کو غوث علی کی طرف پھینکا۔ غوث علی نے اپنے گرد حصار کھینچ لیا جس کی وجہ سے وہ محفوظ رہے مگر غوث علی نے اپنے دل میں سوچا کہ حصار میں قید ہو کر منتر سے بچے تو کیا بچے۔ آپ نے اس لڑکے سے کہا، تم دوبارہ منتر پڑھو۔ میں پہلے حصار میں قید تھا اب میں آزاد تمہارے منتر کا سامنا کروں گا۔ لڑکے نے دوبارہ منتر پڑھا اور کنکر غوث علی کی طرف پھینکا۔ کنکر غوث علی سے ٹکرایا اور واپس گیند کی طرح اچھل کر چمار کے لڑکے کو لگا اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ غوث علی پریشان ہو گئے۔ اسی پریشانی کی حالت میں چمار کے پاس پہنچے اور اسے سارا واقعہ سنایا۔ چمار بیچارہ بھاگم بھاگ

وہاں پہنچا۔ اس کا لڑکا اوندھے منہ زمین پر پڑا تھا اور اس کے جملہ مساموں سے خون جاری تھا۔ چمار لڑکے کو اٹھا کر سیدھا غوث علی کے نانا کے پاس شکایت لے کر گیا۔ آپ کے نانا نے جب سارا ماجرا سنا تو غوث علی کو فوراً طلب کیا اور ان سے کہا غوث علی: میں کیا سن رہا ہوں؟ غوث علی نے جواب دیا نانا جان! آپ نے جو سنا ہے بالکل درست سنا ہے۔ یہ لڑکا اپنی قوت اور طاقت مجھ پر آزما رہا تھا جبکہ میں بھی اس کے مقابلے میں اپنی قوت آزما رہا تھا اس میں میرا کوئی دوش نہیں ہے۔ یہ سب سن کر آپ نے نانا نے غوث علی کو کئی طمانچے رسید کیے اور کہا تو نے شیخ عبدالقادر جیلانی کو کوئی معمولی ہستی سمجھ رکھا ہے اور وہ تیری کہاں کہاں مدد کرتے رہیں گے۔ اس کے بعد انھوں نے سورۃ المزمل پڑھنا شروع کر دی۔ پڑھتے جاتے اور چمار کے لڑکے پر دم کرتے جاتے۔ یہ عمل کافی دن تک جاری رہا۔ تب کہیں جا کر وہ لڑکا درست ہوا اور بالکل اچھا ہو گیا۔

۳۲۵۔ غیبی رزق کا واقعہ

حضرت غوث علی شاہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم ایک دفعہ قلندر صاحب کے چلّہ میں جا کر ٹھہرے۔ شاہ امیرالدین بھی وہاں تشریف لائے۔ فرمانے لگے کہ میاں جنگل میں رہ کر کیا کھاؤ گے؟ ہم نے کہا صاحب جو خدا کھلائے گا۔ کچھ دیر بعد ایک شخص آیا اور چاول، گھی اور مرغ لے آیا۔ ہم نے اس سے کہا کہ بھائی: اگر تم قلندر صاحب کی نذر لائے ہو تو یہ پانی پت یا کرنال لے جاؤ اور اگر زندہ قلندر کے واسطے لائے ہو تو ہمارے پاس رکھ دو۔ اس شخص نے کہا صاحب! میں تو آپ کے واسطے لایا ہوں۔ ہم نے خدا کا شکر ادا کیا اور پلاؤ پکایا۔ پھر تو ہمیشہ یہی کیفیت رہی۔ چھ ماہ تک ہم وہاں ٹھہرے رہے۔ ہر روز کچھ نہ کچھ خدا کے فضل و کرم سے آتا رہا اور ہم اس کا شکر بجا لا کر کھاتے رہے۔

۳۲۶۔ محفلِ سماع میں وجد کا قصّہ

غوث علی کی کم سنی میں ایک دفعہ آپ کے نانا محمد حیات ایک مشہور بزرگ حاجی لعل کی خدمت میں جا رہے تھے۔ غوث علی کی والدہ نے ان سے کہا، باوا جان! اپنے ساتھ غوث علی کو بھی لیتے جائیے اس پر بھی کچھ کرم ہو جائے گا۔ محمد حیات نے کہا بیٹی! مجھے اس کو حاجی لعل کے پاس لے جانے میں کوئی

اعتراض نہیں مگر اس کی عمر ابھی کیا ہے، صرف آٹھ سال۔

ان دنوں غوث علی کے والد احمد علی بھی دہلی سے آئے ہوئے تھے۔ انھوں نے بھی سُسر سے کہا باواجان! میں خود بھی آپ کے ساتھ حاجی لعل کے پاس چلوں گا اور غوث علی کو بھی ان سے ملواؤں گا۔ اس اصرار کی وجہ سے محمد حیات خاموش ہو گئے۔ پھر تینوں حاجی لعل صاحب کی طرف چل دیے۔ جب یہ تینوں ان مقتدر بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے نانا اور باپ دونوں کو نظر انداز کرتے ہوئے غوث علی کی طرف دیکھا۔ حاجی لعل غوث علی کو دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے اور آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ باقی دونوں بزرگ بہت حیران ہوئے کہ یہ حاجی صاحب کو کیا ہو گیا ہے۔ غوث علی کا ہاتھ حاجی لعل کے ہاتھ میں تھا۔ حاجی لعل کہہ رہے تھے، صاحبزادے تم کہاں تھے، میرے پاس تمھاری ایک امانت پڑی ہوئی ہے اور میں اس امانت کو تمھارے حوالے کرنے کے واسطے تمھیں تلاش کر رہا تھا۔

اس کے بعد کمرے کے سب دروازے بند کر دیے گئے اور وہاں موجود قوالوں نے قوالی شروع کر دی۔ اس دوران کسی نے بتایا کہ حضرت حاجی لعل کسی کو اپنے اتنا قریب نہیں آنے دیتے مگر تمھاری قسمت بہت اچھی ہے کہ تمھیں حاجی لعل نے اپنے پاس بٹھایا اور اپنی خاص توجہ تمھیں دے رہے ہیں۔ قوال نہایت انہماک سے قوالی سنا رہے تھے۔ حاجی لعل حسین پر وجد کی سی کیفیت طاری ہو گئی پھر اسی کیفیت میں آپ نے غوث علی کی طرف خاص نظروں سے دیکھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے حاجی صاحب غوث علی پر اپنی نظر کرم کر رہے ہیں۔ اس کے بعد غوث علی کو بھی اپنی ہوش نہ رہی۔ یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے غوث علی کے نانا نے شکایتاً کہا، حاجی صاحب! یہ آپ نے کیا کر دیا ابھی اس بچے کی عمر ہی کیا ہے۔ آپ نے اتنی سخت نظریں اس بچے پر کیوں ڈالیں؟ اس سے پہلے کہ حاجی صاحب کچھ کہتے، احمد علی نے اپنے سُسر کو سمجھایا کہ باواجان! آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ ہمیں تو حاجی صاحب کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ انھوں نے ہمارے بیٹے کو اتنی کم سنی میں اس دولت سے مالا مال کر دیا۔ میرا بچہ بہت خوش نصیب ہے۔ غوث علی کو اسی غشی کی حالت میں وہ گھر لے گئے۔ گھر والے بہت پریشان ہوئے۔ یہ غشی تقریباً آٹھ روز تک غوث علی پر طاری رہی۔ جب نویں دن آپ کو ہوش آیا تو اس وقت آپ بہت سنجیدہ ہو چکے تھے اور چہرے پر جلال اور بُردباری کا راج تھا۔

۲۲۷۔ حضرت غوث علی شاہ کی مہمان نوازی

دوران سیاحت حضرت غوث علی شاہ کا واقعہ ہے کہ آپ کچھ دن آگرے میں رہے پھر وہاں سے گوالیار کی طرف چل دیے۔ راستے میں کسی گاؤں سے گزر ہوا۔ اس گاؤں میں تمام لوگ تقریباً ہندو تھے آپ کو کسی مسلمان کی تلاش تھی تاکہ رات بسر کر سکیں۔ کسی شخص نے آپ کو ایک تیلی کا پتہ بتایا۔ آپ فوراً اس تیلی کے گھر پہنچے اور رات بسر کرنے کے واسطے اس شخص سے کہا۔ تیلی نے کہا میاں جی! مجھے تو خوشی ہے کہ آپ جیسے برگزیدہ بندے نے مجھے خدمت کا موقع دیا ہے مگر مجھے افسوس ہے کہ میرے گھر میں بالکل جگہ نہیں ہے ویسے اگر آپ مجبور کرتے ہیں تو رہ جائیے میرے گھر میں۔ غوث علی اس گھر میں رہ گئے مگر انھیں جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ وہ اس گھر میں واقعی نہیں رہ سکتے اس لیے انھوں نے تیلی سے کہا کہ تمھارے گھر کے سامنے درخت کے نیچے ایک چبوترہ ہے اگر تم اجازت دو تو میں وہاں لیٹ جاؤں۔ تیلی نے جواب دیا، مجھے تو کوئی اعتراض نہیں مگر چوکیدار نے اگر آپ کو تنگ کیا تو آپ کو تکلیف ہوگی۔ آپ نے جواب دیا اگر اس نے مجھے تنگ کیا تو اس سے کہہ دوں گا کہ میں تیلی کا رشتہ دار ہوں۔ یہ کہتے ہوئے آپ کے دل کو بہت رنج ہوا۔ اس کے بعد آپ چبوترے پر جا کر لیٹ گئے۔ رات کو جب چوکیدار نے آکر آپ کی بابت پوچھا تو آپ نے اسے تیلی کے پاس بھیج دیا۔ چوکیدار تیلی کو ساتھ لے کر چبوترے پر پہنچا اور تیلی سے پوچھا، کیا یہ تیرا مہمان ہے؟ مجھے تو تمھارا مہمان نہیں لگتا کیونکہ اس کے اور تیرے حلیے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ مجھے تو لگتا ہے یہ آدمی دہلی سے آیا ہے۔

حضرت غوث علی نے جواب دیا تم ٹھیک کہتے ہو میں واقعی اس آدمی کا مہمان نہیں بلکہ یہ سب اس نے میرے کہنے پر کیا ہے اور میں دہلی ہی سے آیا ہوں۔ چوکیدار نے یہ سنا تو بہت خوش ہوا اور آپ کو اپنے گھر لے گیا۔ راستے میں چوکیدار سے تفصیلی تعارف بھی ہوا۔ چوکیدار نے بتایا کہ میں بھی دہلی کا رہنے والا ہوں۔ چوکیدار نے گھر پہنچ کر آپ کو کھچڑی پکا کر کھلائی اور پھر آپ سے نماز تہجد کی ترکیب پوچھی۔ غوث علی نے اس کو نماز کی ترکیب بتا دی۔ چوکیدار آپ کی تین دن تک خاطر مدارت کرتا رہا۔ اس کے بعد آپ گاؤں چھوڑ کر آگے روانہ ہو گئے۔

۳۲۸۔ ایک مجذوب کے رُوحانی تصرّف کا واقعہ

حضرت مولانا سید غوث علی شاہ قلندر پانی پتی ارشاد فرماتے ہیں کہ جب ہم پہلی مرتبہ پیرانِ کلیر گئے تو دو وقت کا فاقہ ہوا۔ ہم نے حضرت مخدوم کے مزار پر جا کر کہا کہ حضرت آپ نے تو عمر بھر گولروں پر گزارا کیا ہم کو بھوکا ہی رکھیئے گا۔ غور سے دیکھا تو قبر پر سیاہ سانپ لپٹا ہوا تھا ہم اپنا حال کہہ کر چلے آئے۔ تھوڑی دیر بعد ایک خادم کھانا لایا اور معذرت کرنے لگا کہ میں بھول گیا تھا۔ آپ معاف فرمائیں۔ ہمیں وہاں سال بھر رہنے کا اتفاق ہوا۔ ایک بار تمام خادمانِ درگاہ حضرت عبدالقدوس گنگوہی کے عرس پر چلے گئے تھے۔ وہاں سوائے ہمارے اور کافر شاہ مجذوب کے کوئی نہ تھا۔ وہ عارضۂ اسہال میں مبتلا تھے۔ ایک دن ہم سے کہا کہ میرا وقت قریب آگیا ہے، میرا بدن اور کپڑے سب ناپاک ہیں۔ کپڑے تالاب پر دھولاؤ اور مجھے نہلا دو۔ ہم نے کپڑے دھو دیے اور ان کو خوب نہلا دیا۔ بعد نمازِ مغرب چادر تان کر لیٹ گئے اور السلام علیکم کہہ کر جاں بحق ہوئے اس زمانے میں مزار کے آس پاس بڑا گھنا جنگل تھا۔ ہم ان کی لاش کی نگہبانی کرتے رہے۔ جب آدھی رات گزری تو خیال آیا کہ لاش کو تنہا چھوڑتے ہیں تو اس بات کا خوف ہے کہ کوئی جانور نہ کھا جائے اور اگر لاش کی حفاظت کے لیے بیٹھتے ہیں تو نماز قضا ہوتی ہے۔ ہم اسی فکر میں تھے کہ وہ مجذوب "الا اللہ" کہہ کر اٹھ بیٹھے۔ ہم نے لاحول پڑھی اور اپنا عصا سنبھالا۔ خیال تھا کہ کوئی بھوت لاش کے اندر حلول نہ کر گیا ہو۔ مارنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ وہ گھبرا کر بولے، میاں غوث علی شاہ! خبردار، میں کوئی جن بھوت نہیں ہوں۔ میں تو وہی کافر شاہ ہوں۔ تم فکرمند تھے اس لیے میں دربارِ الٰہی سے دوپہر کی رخصت لے کر آیا ہوں۔ اب تم نماز پڑھو، میں دو گھڑی دن چڑھے مروں گا۔ ہم نے اپنا عصا رکھ دیا ان سے باتیں شروع کیں۔ اول تو ہم نے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ دوسرے یہ کہ آپ کو فیض کہاں سے ہوا؟ تیسرے یہ کہ مرنے کے بعد کیا گزری؟ کافر شاہ نے جواب دیا کہ میں تیموریہ خاندان کا شہزادہ ہوں اور فیضِ باطنی مجھ کو حضرت مخدوم علی احمد صابر کی رُوح پر فتوح سے ہوا ہے اور وہاں کا حال مختلف ہے۔ مجھ پر خیر گزری۔ زیادہ حال بیان کرنے کی اجازت نہیں۔ تم جب آؤ گے تو خود معلوم کر لو گے۔ اب جاؤ نماز پڑھو دیر ہو رہی ہے مگر اشراق پڑھ کر جلد چلے آنا۔ جب ہم ٹھیک وقت پر آپہنچے تو آپ نے فرمایا لو اب ہم جاتے ہیں۔ تم دفن کفن کا کچھ فکر نہ کرنا۔ مولوی قلندر صاحب جلال آبادی اور ان کے دو طالب علم آتے ہی ہوں گے۔ وہ تمھارے

مددگار ہوں گے۔ دو چادریں ان کی اور ایک ہماری، ان میں لپیٹ کر دفن کر دینا اور میری قبر مخدوم صاحب کے پا انداز بنانا۔ پھر آپ نے کہا کہ اب انگوٹھوں میں سے جان نکل گئی ہے۔ اب ٹخنوں میں آئی اور اب گھٹنوں میں، اب کمر میں اب سینے میں اور اب حلق میں۔ السلام علیکم کہہ کر رخصت ہو گئے۔ تھوڑی دیر میں مولوی صاحب بھی تشریف لائے، ان کی وصیت کے مطابق انھیں دفن کر دیا۔ پھر ہم نے تمام حال مولوی صاحب سے بیان کیا۔ وہ بہت دیر تک متحیر رہے اور کہنے لگے کہ حقیقت میں یہ درویش اپنے فن کا پورا تھا۔

۳۲۹۔ دشمن سے درگزر کرنے کا واقعہ

حضرت نصیرالدین چراغِ دہلوی اپنی خانقاہ کے اندر مراقبے میں اس طرح غرق تھے کہ ان کو تراب درویش کی آمد کی خبر قطعی نہ ہوئی۔ تراب کو حضرت سے پرانی دشمنی تھی۔ آج بھی وہ قتل کے مذموم ارادے سے آیا تھا۔ حضرت کو ہوش سے بیگانہ دیکھ کر اس کو اپنا ارادہ پورا ہوتا نظر آیا۔ اس نے اپنے تھیلے سے خنجر نکالا اور حضرت چراغِ دہلوی پر گیارہ کاری ضربیں لگائیں۔ جب آپ زخموں سے چور ہو گئے تو اس نے بھاگ جانے کا ارادہ کیا لیکن گلی میں تراب کے خون آلود کپڑوں کو دیکھ کر لوگوں کو شک گزرا تو انھوں نے اس کو پکڑ لیا۔ اس نے اپنے آپ کو چھڑانے کی بہتیری کوشش کی مگر بے سود۔ لوگوں نے اس کو بھاگنے نہ دیا ہر شخص کا یہی سوال تھا کہ تم کس کو قتل کر کے آئے ہو۔ تراب نے اس بارے میں مسلسل خاموشی طاری رکھی۔ آخر لوگوں نے اسے مارنا شروع کر دیا۔ جب جسمانی ضربوں کی مزید برداشت نہ رہی تو اس نے سب کچھ اُگل دیا کہنے لگا کہ میں حضرت چراغِ دہلوی کو قتل کر کے آ رہا ہوں۔ لوگوں پر عجیب ماتمی کیفیت طاری ہو گئی۔ سب فوراً حضرت کے پاس پہنچنا چاہتے تھے لیکن تراب کو چھوڑنا بھی دانشمندی نہ تھی۔ چنانچہ چند لوگوں نے اسے زیرِ حراست رکھا اور باقی حضرت چراغ دہلوی کی طرف دوڑ پڑے۔

خانقاہ کا فرش خونِ معصوم سے رنگین ہو چکا تھا۔ حضرت بے ہوش پڑے تھے ان کو فوراً طبی امداد کے لیے طبیب کے پاس لے جایا گیا۔ خون زیادہ بہ جانے کی وجہ سے حضرت کی حالت تشویشناک تھی ہر قسم کی دوائی آزمائی جانے لگی۔ مگر حضرت کو کوئی افاقہ نہ ہو رہا تھا۔ مسلسل سعی کے بعد آپ ہوش میں تو آ گئے مگر شدید کرب و اذیت کے باوجود آپ کے لب متبسم تھے۔ آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ تراب کدھر ہے؟ لوگوں

نے سوال کیا، حضرت آپ کو کیسے پتہ چلا کہ آپ پر حملہ تراب نے کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ بیشک مجھے پتہ ہے لیکن میں نے اس کو اس لیے نہیں روکا کہ میرا وقت ابھی نہیں آیا اور میں اس کے حملے سے مروں گا نہیں۔ اس لیے میں نے اس کی دل شکنی مناسب نہیں سمجھی اور اس کو حملہ کرنے دیا۔ معالج نے آپ کو باتیں کرنے سے منع کرتے ہوئے کہا کہ آپ کے لیے اس حالت میں بولنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے مگر آپ نے جواب دیا، میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ ابھی میرا وقت نہیں آیا تو پھر خطرہ کس بات کا۔ فوراً تراب کو میرے سامنے لاؤ میں اس سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ لوگوں نے سمجھا کہ شاید حضرت اسے بلا کر کوئی سزا دینا چاہتے ہیں اس لیے انھوں نے عرض کی کہ حضرت! آپ فکر نہ کریں بلکہ آرام کریں۔ تراب ہماری قید میں ہے وہ کہیں بھاگ نہیں سکتا۔ آپ ٹھیک ہو جائیں تب اس کو آپ کے سامنے پیش کر دیا جائے گا اور پھر آپ جو بھی اس کو سزا دیں گے اس سے اس کا بچنا مشکل ہوگا۔

آپ نے ذرا ترشی سے حاضرین کو حکم دیا، تراب میرا مجرم ہے اس کے متعلق کسی قسم کا فیصلہ بھی مجھ ہی کو کرنا ہے۔ چنانچہ تراب کو فوراً میرے سامنے پیش کیا جائے۔ لوگوں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی اور تراب کو آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے تراب سے سوال کیا، اے تراب! تم نے مجھ پہ کتنے وار کیے؟ تراب خاموش رہا۔ آپ نے دوبارہ اپنا سوال دہرایا مگر اس مرتبہ بھی وہ خاموش رہا۔ شاید وہ یہ سوچ رہا تھا کہ حضرت مجھ سے ایسا سوال اس لیے کر رہے ہیں کہ وہ مجھ کو میرے جرم کے مطابق سزا دیں گے۔ حضرت چراغ دہلوی نے اپنا سوال ایک مرتبہ پھر دہراتے ہوئے فرمایا، تراب تم کیوں نہیں بتاتے کہ تم نے ہم پر کتنے وار کیے، ہم تمھیں سزا نہیں انعام دینا چاہتے ہیں اس لیے گھبراؤ نہیں۔ تراب کی حالت ایسی تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ اور وہ بری طرح کانپ رہا تھا۔ اسی کپکپاہٹ میں اس نے عرض کیا، حضرت آپ کی لوگوں میں مقبولیت کی وجہ سے مجھے حسد پیدا ہو گیا تھا اور میرے دل میں ہر وقت ایک ہی خیال رہتا تھا کہ میں بھی اتنی عبادت کرتا ہوں مگر مجھے وہ شہرت اور عزت نصیب نہیں ہوئی۔ اسی جلن اور حسد میں آ کر میں آپ پہ حملہ آور ہوا ہوں۔

حضرت نے فرمایا میں نے تم سے حملہ کرنے کی وجہ نہیں پوچھی بلکہ میں صرف اتنا جاننا چاہتا ہوں کہ تم نے مجھ پہ کتنے وار کیے؟ یہ سن کر تراب جھجکتے ہوئے بولا حضرت! اس بدنصیب نے آپ پہ گیارہ وار کیے ہیں۔ حضرت نے دوبارہ پوچھا کہ وار آرام آرام سے کیے تھے یا زور زور سے؟ اس وقت

تراب کی حالت دیدنی تھی اور وہ شرم کے مارے زمین میں گڑا جا رہا تھا اس نے خجل ہوتے ہوئے کہا، حضور! میں نے اپنی پوری طاقت سے حملہ کیا تھا۔ آپ نے فرمایا اس طرح تو تمہارے ہاتھوں کو بہت تکلیف پہنچی ہو گی۔ خیر ہم اس وقت تمہاری تکلیف کا مداوا کرنے کے تو قابل نہیں مگر پھر بھی اس کا صلہ تمہیں کچھ نہ کچھ ضرور دیں گے۔ اس پر آپ نے اپنے خادم سے کہا جاؤ اور ہمارے کمرے میں ایک نئی پوشاک پڑی ہے اور ایک تھیلی میں کچھ اشرفیاں ہیں وہ لے آؤ۔ خادم تعمیلِ حکم کے لیے اسی وقت چل پڑا اور تھوڑی ہی دیر بعد وہ پوشاک اور اشرفیاں لے کر حضرت کی خدمت میں پہنچ گیا۔

حضرت چراغ دہلوی نے وہ پوشاک اور اشرفیاں تراب کو دیتے ہوئے کہا کہ یہ تمہاری اس تکلیف کا ادنیٰ سا بدل ہے جو تم نے مجھ پر حملہ کرتے ہوئے اٹھائی۔ اِس وقت اس کے علاوہ میرے پاس کچھ نہیں پھر کبھی آنا اور میرے پاس جو کچھ ہو گا میں تیرے حوالے کر دوں گا۔ اور اس وقت تُو آزاد ہے جہاں تمہارا دل چاہتا ہے چلا جا۔ اس کے بعد خدام کو حکم دیا کہ تراب کو چھوڑ دیا جائے اور اس پر کسی قسم کی گرفت نہ رکھی جائے۔ یہ جہاں جانا چاہتا ہے مجھے اس سے کوئی گلہ نہیں۔ کیونکہ میرے مرشد حضرت محبوبِ الٰہی نے حکم دیا تھا کہ دنیا تجھ پر ظلم کرے گی اور تمہیں طرح طرح کی تکلیفیں اور اذیتیں دی جائیں گی مگر تمہارا کمال یہ ہو گا کہ تم ان تمام کو خندہ پیشانی سے برداشت کرو گے اور کسی پر کوئی گلہ روا نہیں رکھو گے۔ تو میں آج اپنے مرشدِ عالی مقام کے احکام کی بجا آوری کرتے ہوئے تراب کو چھوڑ رہا ہوں۔

۳۳۰۔ حضرت چراغ دہلوی کے ایثار کا واقعہ

حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کو اپنے مرشد کے ساتھ شدید محبت تھی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت محبوبِ الٰہی نے یکسوئی کے ساتھ عبادت کرنے کے لیے دہلی میں کیلوکھڑی نامی جگہ پر اپنی خانقاہ بنا رکھی تھی۔ خانقاہ کی بالائی منزل پر حضرت عبادت کیا کرتے تھے اور حضرت نصیر الدین اس خانقاہ میں غلامِ بے دام کی طرح اپنے مرشد کی خدمت کرتے تھے۔

ایک روز حسبِ معمول فجر کی نماز اور ذکر و فکر کے بعد حضرتِ محبوبِ الٰہی اپنی خانقاہ کی بالائی منزل میں تشریف لے گئے۔ خانقاہ کے ساتھ ہی دریا بہتا تھا۔ وہاں پر لوگ صبح سویرے نہایا کرتے تھے

اس روز بھی ایک درویش نے کپڑے اتارے اور ان کو ساحل پر رکھا اور خود دریا میں اتر گیا، نہاتے میں وہ اس قدر مشغول تھا کہ اسے اپنے کپڑوں کا ہوش نہ رہا۔ اچانک ایک چور آیا اور اس نے درویش کو پانی میں ڈبکی لگاتے دیکھا اور ان کے کپڑے اٹھا کر لے گیا۔ جب درویش نہا دھو کر ساحل پر آیا تو اپنے کپڑے نہ پا کر شور مچانے لگا۔ اس کے ارد گرد لوگوں کا ایک ہجوم جمع ہو گیا اور اس قدر شور مچنے لگا کہ اس کی آواز حضرت محبوب الٰہی کی خانقاہ تک بھی پہنچ گئی۔ حضرت نصیر الدین شور سن کر خانقاہ سے باہر نکلے اور اس درویش کو خاموش رہنے کی تلقین کی کہ مبادا اس کے شور سے حضرت محبوب الٰہی کی عبادت میں خلل پڑے درویش نے چراغ دہلوی کی بات سنی تو اور زور زور سے چیخنے لگا اور کہنے لگا میرا لباس کوئی چرا کر لے گیا ہے تو کیا میں خاموش ہو جاؤں۔ اگر مجھے خاموش کرنا ہے تو مجھے میرا لباس لا کر دو۔

چراغ دہلوی بولے صبر کرو تمہارا لباس ابھی مل جاتا ہے۔ یہ کہہ کر آپ خانقاہ میں گئے۔ وہاں جا کر آپ نے ایک تہبند باندھی اور کپڑے اتار کر اس درویش کو دے دیے۔ درویش نے حیرانی سے پوچھا، مگر یہ کپڑے تو میرے نہیں۔ آپ نے اپنے کپڑے کیوں مجھے اتار کر دے دیے ہیں۔ حضرت چراغ دہلوی بولے کہ تمہیں کپڑے چاہئیں۔ کپڑے لو اور اپنا راستہ ناپو۔ مجھے خدشہ ہے کہ تمہارے شور سے میرے مرشد کی عبادت میں خلل پڑے گا۔ وہ درویش کپڑے لے کر چلا گیا اب جب سارے کپڑوں سے عاری صرف دھوتی میں ملبوس چراغ دہلوی خانقاہ میں پہنچے تو ساتھی مریدوں نے پوچھا کہ یہ کیا قصہ ہے؟ ابھی چراغ دہلوی کچھ بتانے کے لیے تیار ہو رہے تھے کہ خادم نے آ کر بتایا کہ اوپر حضرت یاد کر رہے ہیں اس حالت میں آپ کو اوپر جاتے میں تامل ہوا مگر نہ جانا بھی گستاخی تھی۔ ڈرتے ڈرتے جب آپ بارگاہ مرشد میں پہنچے تو حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا، نصیر الدین، گھبراؤ مت۔ ہم تمام واقعہ سے باخبر ہیں اور ہمیں بڑی خوشی ہوئی ہے کہ تم ہمارے سعادت مند اور بلند مرتبہ مرید ہو۔ اس کے بعد حضرت محبوب الٰہی نے اپنی پوشاک نصیر الدین چراغ دہلوی کو عطا کی۔ اس تحفۂ مرشد کو حاصل کر کے چراغ دہلوی کو اس قدر خوشی ہوئی۔ وہ کہتے تھے کہ مجھے پوری کائنات مل گئی۔ دوسرے مرید بھی رشک کرتے تھے کہ ایسا خوش نصیب مرید روئے زمین پر نہ ملے گا جس پر مرشد کا اس قدر التفات ہے۔

۳۳۱۔ حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کی دعا کا اثر

سلطان محمد تغلق ٹھٹھہ کی مہم پر روانہ ہوا تو فوج کے ساتھ حضرت چراغ دہلوی بھی تھے مگر بادشاہ اس بات سے بے خبر تھا کہ حضرت ساتھ ساتھ میں آپ کی شمولیت امر الٰہی کے پیش نظر تھی۔ ٹھٹھے میں پہنچ کر جنگ جاری ہوئی۔ باغیوں کی سرکوبی ابھی پوری طرح نہ ہو پائی تھی کہ سلطان محمد تغلق کا انتقال ہو گیا۔ لشکر میں بادشاہ کی بہن خداوندزادہ بھی موجود تھی۔ وہ ایک مدت سے اس بات کی متمنی تھی کہ اس کا بیٹا خسرو بادشاہ کا جانشین بنے۔ چنانچہ اس نے اس موقعہ پر اپنے دیرینہ خواب کی تکمیل کرنی چاہی۔ لیکن مشیت ایزدی کچھ اور ہی تھی اور حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی مشیت ایزدی کی تکمیل کرنا چاہتے تھے چنانچہ انھوں نے حکم ربی کے تحت بادشاہ کے برادر عم زاد کمال الدین جو مردانہ وجاہت کا بھرپور شاہکار تھا اور قابلیت کے لحاظ سے بھی اس قابل تھا کہ اسے بادشاہ بنایا جائے۔

حضرت چراغ دہلوی نے کمال الدین کے خیمہ میں جا کر اسے حکم خداوندی سنایا اور فرمایا کہ تم اگر وعدہ کرو کہ مخلوق خدا کے ساتھ عدل وانصاف اور محبت کا سلوک کرو گے تو تمھیں خداوند تعالیٰ بادشاہ بنانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ کمال الدین نے عرض کی، حضرت! میں تو عاجز اور ناتوان سا آدمی ہوں اگر اللہ تعالےٰ مجھے اس کام پر مامور کرنے والا ہے تو وہی مجھے اس قدر ہمت اور طاقت دے گا کہ میں رعایا پروری اور جہانداری کے فرائض کی انجام دہی کما حقہٗ کر سکوں۔ حضرت نصیر الدین نے فرمایا تم وعدہ اور ارادہ تو کرو مدد تو بہرحال خدا نے ہی کرنی ہے اور نیت جس کی نیک ہو اسے خدا نے کبھی بے یار ومددگار نہیں چھوڑا۔ اس کے بعد حضرت نے کمال الدین کو ۳۹ کھجوریں دیں اور فرمایا تم ہندوستان پر ۳۹ سال تک حکومت کرو گے۔ اللہ تعالیٰ نے دہلی سے ٹھٹھہ تک مجھے اسی مقصد کے لیے بھیجا تھا۔

دوسری طرف خداوندزادہ مرحوم بادشاہ کی بہن اپنے بیٹے کو بادشاہ بنانے کا ادھار کھلئے بیٹھی تھی اس نے لوگوں کو اکٹھا کیا اور اپنے بیٹے کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ لیکن تمام امراء اور دیگر افواج کے سربراہ خداوندزادہ کے بیٹے کی حکومت کو پسند نہیں کر رہے تھے تاہم جراتِ اظہار ان میں نہ تھی۔ سیف الدین نامی ایک امیر سچا اور کھرذی شخصیت کا انسان تھا اس نے خداوندزادہ کو منع کیا کہ تم اپنے بیٹے خسرو کو بادشاہ بنانے کا ارادہ ترک کر دو کیونکہ ایک ولی کامل نے کمال الدین کی بادشاہت کا

اعلان کر دیا ہے اور ولی کا عمل خدا کا حکم ہوتا ہے۔ اس لیے خدا کے حکم سے اگر سر تابی کرو گی تو تمہیں سخت نقصان اٹھانا پڑے گا۔ یہ باتیں سن کر خداوند زادہ نے اپنے بیٹے کی بادشاہت سے دستبرداری کا اعلان کر دیا۔

یوں کمال الدین فیروز شاہ تغلق کے نام سے بادشاہ بنا اور ٹھٹھہ کی فتح کے بعد جب فوج بادشاہ فیروز شاہ کی قیادت میں واپس دہلی جا رہی تھی تو ملتان کے مقام پر خواجہ جہان جو محمد تغلق کا وزیر اعظم تھا اس نے فیروز شاہ کا مقابلہ کرنے کے لیے فوج کشی کی۔ اب فیروز شاہ گھبرایا اور حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی سے دعا کی درخواست کی اور آپ کی دعا نے بادشاہ کو جنگ سے نجات دلا دی۔ مگر ہانسی کے نواح میں پہنچ کر خواجہ جہان ایک مرتبہ پھر محمد تغلق کے کسی نام نہاد بیٹے کی قیادت میں فوج کش ہوا یہاں یہ بات بڑی عجیب تھی کہ بادشاہ مرحوم محمد تغلق کی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی۔ پھر یہ خواجہ جہان بادشاہ کے نامعلوم کون سے بیٹے کو لے کر آ گیا۔ اب فیروز شاہ نے دوبارہ نصیر الدین چراغ دہلوی کی خدمت میں دعا کی درخواست کی۔ اس پر حضرت نے فرمایا میں تمہیں ٹھٹھہ سے با حفاظت لایا ہوں۔ اب ہانسی سے آگے کا علاقہ حضرت قطب الدین منور کا ہے۔ وہ حضرت محبوب الٰہی کے چہیتے مرید ہیں ان سے دعا کراؤ چنانچہ بادشاہ نے اسی وقت اپنا قاصد حضرت قطب الدین منور کی خدمت میں روانہ کیا اور عرض کی حضرت! میں حضرت نصیر الدین کی دعاؤں سے ٹھٹھہ میں بادشاہی کے منصب پر فائز ہوا ہوں۔ اور زبردست مصائب سے بچتا ہوا ہانسی تک پہنچا ہوں۔ اب دہلی تک جانے میں مجھے کئی اور میدانوں کا سامنا کرنا پڑے گا آپ میرے لیے دعا فرمائیں۔ حضرت قطب الدین منور نے جواب دیا۔ فیروز شاہ! تمہیں حضرت چراغ دہلوی نے مجھ ضعیف کے سپرد کیا ہے تو میں دعا کرتا ہوں اللہ تمہیں دہلی کی بادشاہت بھی عطا فرمائے گا۔

دہلی میں مرحوم بادشاہ کا ایک اور وزیر جنگ کی تیاریوں میں تھا مگر جب حضرت نصیر الدین اور قطب الدین منور کی سربراہی میں فوج دہلی پہنچی تو وہاں کی ہوا بدل چکی تھی، تمام امراء، وزراء، خواتین، اور رعایا خفیہ طریقے سے نکل نکل کر دہلی کے باہر آ گئے اور فیروز شاہی لشکر میں شامل ہو گئے۔ باغی وزیر خود اپنے آپ کو زنجیروں میں جکڑ کر بادشاہ کے سامنے پیش ہوا اور معافی مانگی۔ بادشاہ نے اسے معاف کر دیا مگر رعایا اور درباریوں نے بادشاہ کو خواجہ جہان کو قتل کرنے کا مشورہ دیا کیونکہ اس کی

صلح ریاکاری پر مبنی تھی اور اس سے کسی وقت بھی بادشاہ کو خطرہ درپیش ہو سکتا تھا۔ دہلی پر مکمل قبضہ کر لینے کے بعد بادشاہ ہانسی پہنچا اور وہاں پر جمعہ کی نماز ادا کی۔ اس موقع پر حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی اور حضرت قطب الدین منور نے ایک دوسرے سے ملاقات کی۔ ملاقات کرتے ہوئے دونوں ایک دوسرے کے قدموں پر جھک گئے۔ بادشاہ یہ انکسارانہ منظر دیکھ کر رو رہا تھا۔ پھر دونوں بزرگوں نے بادشاہ سے کہا ہم نے سنا ہے کہ تم مے خوری کا شغل کرتے ہو۔ اس شغل سے اہل حاجت کی کاربرآری میں رخنہ پڑتا ہے۔ بادشاہ نے آئندہ کے لیے مے خوری ترک کرنے کا وعدہ کیا۔ بادشاہ نے دونوں بزرگوں کے ساتھ اور بھی بہت سے وعدے وعید کیے تھے اور پورے ۳۹ سال تک ہندوستان پر حکومت کی۔

فیروز شاہ کا ایک وزیر خان جہان جو ہندو تھا اس نے حضرت نصیر الدین کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور مسلمان ہونے کے بعد اس نے بہت ہی عبادت و ریاضت کی۔ مجاہدوں کا کوئی حد اور شمار نہ رہا۔ سرکاری کاموں کے دوران بھی وہ ذکر و فکر میں مشغول رہتا تھا۔ جب اس کی وفات ہوئی تو اسے حضرت محبوب الٰہی کے قرب میں دفن ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

۳۳۲۔ مُرشد کی اطاعت میں بہتری ہوتی ہے

جب نصیر الدین بہن سے ملاقات کے لیے دہلی سے اودھ جاتے تھے تو وہاں کے لوگ آپکی بزرگی سے متاثر ہو کر آپ کو ہر وقت گھیرے رکھتے۔ آپ سے طرح طرح کے سوالات اور مسئلے و مسائل پوچھتے۔ یہ باتیں نصیر الدین کو ناگوار گزرا کرتی تھیں۔ ان کا تو منشا تھا کہ وہ اودھ میں جتنے روز قیام کریں بہن کے ساتھ نشست کے علاوہ باقی وقت کسی ویرانے میں یاد الٰہی اور ذکر الٰہی میں بسر کریں۔ مگر ایسا کرنے سے پہلے وہ مرشد پاک سے اجازت لینا ضروری خیال کرتے تھے مگر احترام کی وجہ سے ان میں اتنی ہمت بھی نہ تھی کہ وہ اس بارے میں حضرت محبوب الٰہی سے بات بھی کر سکیں۔ اودھ سے واپسی پر انھوں نے اپنی اس مشکل کا ذکر حضرت امیر خسرو سے کیا کہ اس طرح وہ حضور مرشد سے اجازت کے خواہشمند ہیں۔ امیر خسرو نے وعدہ کیا کہ جونہی موقع ملا وہ حضرت سے آپ کے مسئلہ پر بات چیت کریں گے۔ ایک رات پاؤں دباتے ہوئے امیر خسرو نے حضرت محبوب الٰہی سے نصیر الدین کا مسئلہ بیان کیا

حضرت محبوب الٰہی کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ انھوں نے قدرے ناراضگی سے فرمایا۔ نصیر الدین کو

آخر خلقِ خدا سے کیوں بیزاری ہے اور وہ ان سے کیوں دوری چاہتا ہے۔ اسے ویرانے کی بجائے آبادی میں رہ کر خدا کی عبادت کرنی چاہیئے۔ یہ کہہ کر حضرت نے امیر خسرو کو حکم دیا کہ اسی وقت نصیر الدین کو میرے پاس بھیجا جائے۔ امیر خسرو نے فوراً نصیر الدین کو طلب کیا اور کہا کہ آپ کو حضرت یاد فرما رہے ہیں۔ ڈرتے ڈرتے نصیر الدین حضرت محبوبِ الٰہی کے پاس پہنچے۔ آپ کو دیکھتے ہی حضرت نے فرمایا، نصیر الدین تمھیں آبادی چھوڑ کر جنگل میں بسیرا کرنے کا خیال کیوں آیا؟ نصیر الدین نے عرض کی، حضرت میں چاہتا ہوں کہ دنیاوی علائق سے دور ہو جاؤں۔ دنیا اور لذت ترک کر کے ہر وقت یادِ الٰہی میں بسر کروں اور ذکرِ الٰہی سے لمحہ بھر کے لیے بھی غافل نہ رہوں۔ مگر ایسا کرنے سے پہلے میں آپ کی اجازت چاہتا ہوں۔ کیونکہ میں تو وہی عمل کروں گا جس کا آپ حکم فرمائیں گے۔ حضرت محبوبِ الٰہی نے نصیر الدین سے سوال کیا کہ تمھارے والد صاحب کیا کام کرتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ وہ روئی کے سوداگر تھے۔ یہ سن کر محبوبِ الٰہی مسکرائے اور فرمایا خوب! وہ لوگوں کو گرمی پہنچایا کرتے تھے اور تم لوگوں کو اپنی گرمی سے محروم رکھنا چاہتے ہو۔ یہ کہہ کر حضرت محبوبِ الٰہی نے نصیر الدین کو اپنے قبلہ پیر صاحب حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کا واقعہ سنایا۔

ایک روز میں (یعنی محبوبِ الٰہی) اپنے مرشد (بابا فرید) کی خدمت میں حاضر تھا۔ اتفاق سے وہاں میرا ایک دوست آ گیا جو دنیا دار اور وضع دار تھا۔ اس نے میرا مذاق اڑایا اور کہا کہ نظام! ایسی درویشی کرنے سے بہتر تھا کہ تم معلمی کا پیشہ اختیار کرتے۔ کم از کم تمھیں کوئی مالی آسودگی بھی حاصل ہوتی۔ اس کسب میں تو تم ہمیشہ تنگ دست اور بھوکے رہو گے۔ میں اپنے دنیادار دوست کی بات سن کر بڑا آزردہ خاطر ہوا اور اسی حالت میں اپنے پیر بابا فرید کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے میری حالت دیکھ سوال کیا، بابا نظام! کیا بات ہے تمھارا چہرہ اُترا ہوا ہے؟ میں نے حضرت کی بات سن کر سکوت ہی کیا میرے بولنے سے پہلے میرے بابا فرید نے خود ہی فرمایا نظام بابا! اگر تمھارا دوست تمھیں اس فقیرانہ زندگی سے باز رکھ کے معلمی اختیار کرنے کا مشورہ دے تو تم کیا کرو گے؟

میں تو مرشدِ عالی کی کشفی دست بُرد پر ہی حیران رہ گیا اور میرے منہ سے کوئی بات نہ نکلی۔ اس پر بابا نے فرمایا

نہ ہمسری تو مرا خویش گرد برد ــــــ ترا سعادت بادا مرا نگونساری

(یعنی اپنے ساتھ میری برابری کا خیال دل میں نہ لا، تجھے تیری خوشحالی مبارک، میرے لیے یہ عاجزی ہی کافی ہے)

اس کے بعد بابا نے مجھے کھانے کا خوان دیا جو ڈھکا ہوا تھا اور وہ مجھے اپنے دوست کو دینے کے لیے حکم دیا۔ جب میں اپنے دوست کے پاس وہ خوان لے کر گیا تو میرا دوست دیکھ کر حیران رہ گیا اس میں مرغن اور لذیذ کھانے تھے۔ میں نے اس کو بابا کا ارشاد سنایا کہ آسودگی اور خوشحالی ایسی چیزیں نہیں جو ہم درویش لوگ نہیں حاصل کر سکتے بلکہ ان کا حاصل کرنا تو ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے ہم تو ان چیزوں کو خود ہی پسند نہیں کرتے کیونکہ درویشی اور ان چیزوں کا آپس میں کوئی جوڑ نہیں ہے۔ دوست بہت شرمندہ ہوا اور اس نے نہ صرف مجھے مبارکباد دی بلکہ خود بھی بابا فرید کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی مانگی اور ان کے عقیدت مندوں میں داخل ہو گیا۔

حضرت نظام الدین اولیاء نے اپنا یہ واقعہ نصیر الدین کو سنایا اور فرمایا تم عزلت نشینی اور دیرانہ پسندی کا خیال اپنے دل سے نکال دو۔ دنیا تمھیں بیشک بہت ستائے گی مگر تم کو ان کے جور و ستم، اور زیادتیاں برداشت کرنا ہوں گی کیونکہ چراغ جب جلتا ہے تو ہمیں صرف اس کی جلتی ہوئی روشنی محسوس ہوتی ہے ہم اس کی جلن کا تصور نہیں کر سکتے کہ وہ کتنی اذیت سے جل کر ہمیں روشنی پہنچا رہا ہے اور تم بھی ایک چراغ کی طرح دنیا میں روشن ہو گے اور تمھاری روشنی دنیا کو تب ہی فائدہ پہنچا سکے گی کہ تم اذیت اور تکلیف برداشت کرو گے۔ اسی روز آپ کو حضرت محبوبِ الٰہی نے چراغِ دہلی کا خطاب دیا۔ اس کے بعد حضرت چراغِ دہلی کو لوگوں نے بڑی سے بڑی اذیت دی مگر آپ نے اپنے مرشد کے حکم کو ذہن میں رکھ کر انھیں برداشت کیا اور یہی وجہ ہے کہ آپ کو دین و دنیا میں اللہ تعالیٰ نے بڑے سے بڑے مراتب عطا فرمائے ہیں۔

۳۳۳۔ حضرت آدم بنوری کا نام لینے سے جن بھاگ گیا

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت آدم بنوری کی خانقاہ میں ایک شخص نے آ کر ایک مرید سے کہا کہ شیخ سے کہہ دو کہ ان کے قصبے بنور سے ایک شخص ملاقات کو حاضر ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو اندر لے آؤ۔ مرید نے اس کو اندر پہنچا دیا۔ وہ شخص آپ کے پاس بیٹھ گیا۔ آپ نے بنور کے حالات پوچھے اور اہالیانِ بنور کی خیریت دریافت کی، پھر پوچھا تمھارا آنا کس غرض سے ہوا؟ اس نے کہا حضرت! میں حاجت لے کر حاضر ہوا ہوں۔ میں بہت پریشان ہوں۔ آپ کو میری مدد کرنا ہو گی۔ آپ نے اس شخص کو تسلی دی

اور فرمایا تم پریشان کیوں ہو؟ میں ضرور مدد کروں گا بتاؤ کیا بات ہے؟ اس شخص نے عرض کیا حضرت میری ایک بیٹی ہے وہ جوان ہوئی تو میں نے اس کی شادی کر دی۔ بس شادی کرتے ہی میں پریشانی میں مبتلا ہو گیا۔ آپ نے پوچھا وہ کس طرح؟ اس نے عرض کیا شادی کے بعد پتہ چلا کہ میری لڑکی کسی جن کے زیر اثر ہے۔ اس کا شوہر اس کے پاس نہیں جا سکتا۔ جیسے ہی جانے کی کوشش کرتا ہے اس کو معلوم نہیں کون دھکے دے کر دور کر دیتا ہے ابھی تک یہ خیریت ہے کہ میرے داماد کو کوئی نقصان نہیں پہنچا پھر آپ نے پوچھا کہ وہ جن کیا کرتا ہے؟ اس پر اس شخص نے جواب دیا کہ وہ میری بیٹی کو لے کر ایک کمرے میں بند ہو جاتا ہے اور اندر کسی کو داخل ہی نہیں ہونے دیتا۔ آپ نے کہا تو پھر میں کیا خدمت کر سکتا ہوں؟ اس نے جواب دیا، میں چاہتا ہوں کہ جن میری بیٹی کا پیچھا چھوڑ دے۔ آپ نے فرمایا وہ پیچھا چھوڑ دے گا تو پریشان نہ ہو۔

اس شخص کا خیال تھا کہ آپ اس کو از قسم تعویذ کوئی چیز مرحمت فرمائیں گے۔ مگر آپ نے کچھ بھی نہ دیا کچھ دیر خاموش کچھ پڑھتے رہے اس کے بعد فرمایا، جا تو واپس جا، میرا نام لے کر جن سے کہہ دے کہ وہ بھاگ جائے ورنہ نقصان اٹھائے گا۔ اس شخص نے مایوسی سے پوچھا، بس یا کچھ اور، آپ تعویذ وغیرہ نہیں دیں گے؟ آپ نے فرمایا تعویذ کی کوئی ضرورت نہیں، تو لڑکی کے کان میں میری طرف سے کہہ دے کہ شیخ آدم کا یہ فرمان ہے کہ میری لڑکی کے پاس سے چلا جا ورنہ شیخ تجھ کو جلا دے گا۔ وہ شخص دل برداشتہ ہو کر چلا گیا اور اپنی بیٹی کے کان میں وہی کلمات ادا کر دیے اور یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو گیا کہ اس کے بعد اس کی بیٹی بالکل درست رہی اور اس کے شوہر کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ (اولیاء کرام)

۳۳۴۔ غلّے میں برکت کا واقعہ

حضرت آدم بنوری کی خانقاہ سے ہزاروں آدمی فیض یاب ہوتے تھے۔ لنگر عام جاری تھا لیکن ایک دفعہ یہ بری خبر سننے میں آئی کہ بارش نہ ہونے کے سبب وہ علاقہ قحط سالی کا شکار ہو چکا ہے خانقاہ کے منتظمین کو بڑی فکر ہوئی کہ اب کام کس طرح چلے گا۔ جو غلہ موجود تھا وہ چند دنوں میں ختم ہو جائے گا تو مزید کہاں سے آئے گا؟ آخر جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو شیخ آدم کی خدمت میں پہنچے۔ اور مؤدبانہ عرض کیا حضرت! ہم سب بہت پریشان ہیں۔ آپ ہی بتائیں کہ ان حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہیے

آپ نے پوچھا کیوں پریشان ہو، پریشانی کی وجہ؟ منتظمین نے عرض کیا۔ حضرت! شاید آپ کے علم میں ہو کہ یہ پورا علاقہ خشک سالی کا شکار ہو چکا ہے اور کچھ پتہ نہیں کہ یہ صورتحال کب تک برقرار رہے آپ نے پوچھا پھر تمہیں کیا پریشانی ہے؟ عرض کیا پریشانی یہ ہے کہ جو غلہ سردست موجود ہے چند دنوں میں ختم ہو جائے گا اس کے بعد خانقاہ کا کام کیونکر چلے گا؟ آپ نے فرمایا گیا بازار میں گندم بالکل نہیں ہے؟ جواب دیا گیا حضرت۔ بالکل نہیں، کہیں بھی نہیں۔

آپ نے قدرے تامل کے بعد کہا کہ مجھ کو غلہ دان کے پاس لے چلو۔ منتظمین نے آپ کو غلہ دان کے پاس پہنچا دیا۔ آپ اس کے پاس کھڑے ہو کر کچھ پڑھتے رہے اس کے بعد خانقاہ کے منتظم اعلیٰ کو حکم دیا کہ اس غلہ دان کا منہ اوپر سے بند کرا دے، مٹی کا ردا چڑھا دے۔ منتظم نے عرض کیا کہ آپ کا حکم ہے تو اس کی تعمیل ہو جائے گی لیکن حضرت! یہ تو فرمائیں کہ اگر غلہ دان کا منہ بند کر دیا جائے تو پھر اس میں سے غلہ کس طرح نکالا جائے گا؟ آپ نے فرمایا، غلہ دان کے نیچے سوراخ کر کے غلہ اس میں سے نکالتے رہو۔ اللہ برکت دے گا۔ آپ کی بتائی ہوئی ترکیب پر عمل کیا گیا لیکن چند مرید بہت مایوس تھے اور ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ اس سے فائدہ کیا ہوگا؟

مریدوں نے غلہ دان کا منہ بند کر دیا اور نیچے ایک سوراخ کر دیا اب غلہ کو اسی سوراخ کے راستے سے نکالا اور پہنچایا جا رہا تھا۔ ہر روز بقدر ضرورت غلہ نکال لیا جاتا۔ یہ عمل مہینوں جاری رہا مگر غلہ دان کا غلہ کم نہیں ہوا۔ مرید جب بھی غلہ نکالتے یہی سوچتے کہ شاید آخری بار غلہ نکال رہے ہیں لیکن جب مہینوں بعد بھی یہ عمل جاری رہا اور غلہ کم نہ ہوا تو سبھی کو اتنی حیرت ہوئی کہ وہ اس پر کسی قسم کے تبصرے تک سے عاجز رہ گئے پھر چھ ماہ پورے گزر گئے اور غلہ کم نہ ہوا

نئی فصل آئی تو کھیتوں میں گندم کی بالیاں لہلہانے لگیں اور قحط سالی دور ہو گئی آپ نے منتظمین سے پوچھا اب غلے کا کیا حال ہے؟ منتظم نے جواب دیا اب کوئی پریشانی نہیں غلے سے بازار بھرے پڑے ہیں۔ آپ نے فرمایا تو اب غلہ دان کا منہ کھول دیا جائے کیونکہ اب اس کی ضرورت نہیں رہی مریدوں نے آپ کے حکم پر غلہ دان کا منہ کھول دیا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس میں جتنا غلہ پہلے تھا اتنا ہی اب بھی موجود ہے۔ ہر شخص نے ایک دوسرے کا منہ دیکھنا شروع کر دیا جس میں حیرت کے ساتھ ساتھ خوف بھی شامل تھا۔ اب خانقاہ میں گندم کی کوئی کمی نہ رہی تھی اور اس کا لنگر ایک

دن بھی بند نہ ہوا۔ اس واقعے کی شہرت نے دور دور کے لوگوں کو اکھاڑ کر اس خانقاہ میں پہنچانا شروع کر دیا۔ (اولیاء کرام)

۳۳۵۔ خواب میں حضرت عبدالقادر جیلانی کی زیارت

ایک مرتبہ شاہ ابوالمعالی بہت حیران پریشان اور رنجیدہ خاطر تھے آپ کو حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی کے دیدار کے شوق نے بے کل و بے چین کر رکھا تھا آپ کی اس اضطراری کیفیت سے آپ کے مرشد عالی مقام شیخ داؤد بذریعہ کشف مطلع ہوئے انھوں نے آپ کو فوراً طلب کیا اور فرمایا تم اپنی بے چینی کو ختم کر دو۔ وہ مبارک گھڑی عنقریب آجائے گی جب تم اپنے دل کی بات کو اپنے سامنے پاؤ گے۔ شاہ ابوالمعالی ہر وقت اس نیک ساعت کے منتظر رہنے لگے۔ ایک رات آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ کے مرشد شیخ داؤد آپ کے پاس آئے ہیں اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر ایک محفل میں لے گئے وہاں اور بھی بہت سے لوگوں کے علاوہ حضرت غوث اعظم بھی تشریف فرما ہیں اس وقت حضور غوث اعظم کی دائیں طرف ایک صاحب تشریف فرما تھے ان کا نام بھی ابوالمعالی عراقی تھا۔ شاہ ابوالمعالی پیران پیر کی بائیں طرف فرو کش ہو گئے۔ شاہ ابوالمعالی کے دل میں ابوالمعالی عراقی کے بارے میں ایک خیال آیا کہ یہ بزرگ شاید شیخ داؤد سے زیادہ مرتبے کے ہیں جو ان کو پیران پیر کے دربار میں زیادہ تلطف حاصل ہے۔ ابھی یہ خیال آپ کے دل ہی میں تھا کہ آپ کو حضرت پیران پیر نے فرمایا ابوالمعالی! تمہارا مرشد تو میرا دل ہے اور دل جسم کے اندر ہوتا ہے۔ یہ سن کر شاہ ابوالمعالی کی آنکھ کھل گئی۔ آپ اپنے خواب سے اس قدر خوش تھے جسے بیان نہیں کیا جا سکتا کیونکہ آپ کی خدمات پیران پیر سے ہو گئی تھی آپ کی یہ خوشی بے ٹھکانہ تھی۔ آپ کئی روز تک شکرانے کے دوگانے پڑھتے رہے آپ کو پیران پیر کے علاوہ اپنے مرشد شیخ داؤد سے بھی بڑا پیار تھا آپ ان کی عقیدت میں ہر وہ کام کرتے تھے جو انھوں نے کیا ہو۔ آپ نے اپنے پیر صاحب کی عنایات اور لطف و کرم کا بہت اعتراف کیا ہے۔

۳۳۶۔ رُوحانی توجہ کا اثر

شاہ ابوالمعالی کے ایک مرید کا دل روحانیت اور عبادات میں بالکل نہیں لگتا تھا اس کو آپ کے

حلقے میں آئے ہوئے کافی عرصہ ہوگیا تھا مگر اس کی حالت جُوں کی تُوں ہی تھی حالانکہ دیگر مریدوں کے کیف وجذب کی حالت دیدنی ہوا کرتی تھی اور وہ اپنے معمولات میں بڑی لگن اور ذوق کے ساتھ مصروف رہا کرتے تھے۔ اس مرید نے اپنے دل میں سوچا کہ حضرت شاہ صاحب صرف خاص خاص مریدوں پر تلطف فرماتے ہیں۔ باقیوں پر کوئی توجہ نہیں دیتے۔ اس شخص نے دل میں یہ بھی سوچا کہ پہلے زمانے میں ایک ولیِ کامل نجم الدین کبریٰ جیسے صاحبِ عظمت و صاحبِ حال بزرگ ہوا کرتے تھے۔ جو صرف ایک نظر میں مرتبہ ولایت پر پہنچا دیا کرتے تھے اور ان کو اسی وجہ سے ولی تراش کہا جاتا تھا مگر آج حال یہ ہے کہ انسان بزرگانِ دین کے در پر مدتوں پڑا رہے مگر اس کو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

شاہ ابوالمعالی کو بذریعہ کشف والقا اس مرید کے احساسات وجذبات سے اللہ تعالیٰ نے آگاہ کیا۔ آپ کو بہت دکھ ہوا کہ ایک شخص جو راہِ الٰہی پر چلنے کا آرزومند ہے لیکن فیض یابی سے محروم ہے اور اس کے دل میں مذہب سے بیزاری کے خیالات پیدا ہو رہے ہیں۔ آپ کو سخت پریشانی اور خطرہ لاحق ہوا کہ ایسی صورت میں خواہ مخواہ ایک شخص کا دین اور عقیدہ برباد نہ ہو جائے اور وہ خدا اور رسولؐ کی نظروں سے گر کر ضلالت سے دوچار ہو جائے۔ آپ نے اسی وقت اس شخص کو طلب کیا اور فرمایا جو تم سوچتے ہو وہ غلط ہے آج بھی ایسے صاحبِ کرامت اور صاحبِ ارشاد لوگ موجود ہیں جن کی ایک نگاہ سے ولایت کے مراتب حاصل ہو جاتے ہیں آپ نے پھر اس مرید کی طرف بھرپور نگاہوں سے دیکھا یہ آپ کی طلسماتی نگاہوں کا اعجاز تھا کہ وہ مرید بیخود ہوگیا اور کافی دیر ہوش و حواس سے بیگانہ پڑا رہا اور جب ہوش میں آیا تو ہر وقت ذکر و عبادت میں مصروف رہتا۔ کسی سے کوئی بات نہ کرتا تھا۔ کچھ عرصہ بعد اس کا انتقال ہوگیا۔ شاہ صاحب کو جب ان کی وفات کی خبر ملی تو فرمایا، ہر شخص کو اس کام کے برداشت کی تاب نہیں ہوتی مجھے پہلے ہی معلوم تھا تبھی میں نے اس پر ایسی توجہ نہیں دی تھی مگر اس کے اندر وہ غلط جذبے سر اٹھا رہے تھے ان کو سرد کرنے کے لیے اس پر توجہ دینی ضروری ہوگئی تھی۔ پھر آپ نے اس کے لیے دعائے مغفرت کی۔

۳۳۷۔ ٹھٹھہ شہر فتح ہونے کی بشارت

اکبر کے دورِ حکومت میں جبکہ اکبر لاہور ہی میں تھا تو ایک مرتبہ اس نے ٹھٹھہ کے محاصرے پر ایک

فوجی لشکر روانہ کیا اس لشکر میں عبدالرحیم مرزا خانخاناں کو لشکر کا سپہ سالار بنایا گیا۔ فوجی لشکر کو جنگی آلات سے خوب لیس کیا گیا۔ ضرورت کا تمام سامان فوجیوں کو مہیا کیا گیا۔ اکبر بادشاہ کا مشہور مشیر ابوالفضل فیضی بھی اکبر بادشاہ کے پاس تھا۔ بادشاہ ہر اہم کام میں اس سے مشورہ لیا کرتا تھا جو رائے وہ دیتا اکثر اس پر عمل درآمد کیا جاتا۔ مہم پر جانے سے پہلے عبدالرحیم خانخاناں نے ابوالفضل سے پوچھا کہ کیا لاہور شہر میں کوئی اللہ کا بندہ ہے کہ جس سے میں دعا کے لیے التجا کروں اس نے کہا ہاں، وہاں ایک شخص شاہ حسین نامی رہتا ہے جو ہر لحاظ سے فقیر کامل معلوم ہوتا ہے مگر وہ اکثر اوقات لوگوں کو ملامت کے طور پر گالی بھی نکال دیتا ہے اس لیے اس سے ملنے سے پہلے یہ بات اپنے ذہن میں رکھ لو کہ اگر وہ تجھے ایک دو گالیاں بھی نکال دے تو اس کا برا نہ منانا اور جس کام کے لیے تو دعا کروائے گا اللہ تعالےٰ نے چاہا تو قبول ہو گی اور تجھے ہر لحاظ سے کامیابی نصیب ہو گی لہٰذا اگر تو چاہتا ہے کہ دشمن پر فتح حاصل کی جائے تو اس بزرگ کے پاس جانا۔ تاکہ تیرے سخت سے سخت کام بھی آسان ہو جائیں۔ خانخاناں نے جب ابوالفضل کی یہ بات سنی تو حضرت شاہ حسین کے پاس جانے کے لیے فورًا تیار ہو گیا۔ بلکہ ابوالفضل خود بھی اس کے ساتھ شامل ہو گیا۔ آدھی رات کا وقت تھا کہ وہ شاہ حسین کے پاس پہنچ گئے اتفاق سے شاہ حسین اس روز ایک دوست کے گھر مہمان تھے اس دوست نے آپ کی مہمان نوازی میں طرح طرح کے کھانے چن رکھے تھے مگر شاہ حسین نے اپنے دوست سے کہا کہ جاؤ آٹے میں شکر اور گھی ڈال کر تین روٹیاں پکا لاؤ۔ اس نے فورًا آپ کے حکم کی تعمیل کی اور تین روٹیاں پکوا لایا جو دسترخوان پر دوسری چیزوں کے ساتھ رکھ دی گئیں۔ حضرت شاہ حسین نے کہا کہ کھانا کھا لیا جائے اور دو روٹیاں حفاظت کے ساتھ رکھ دی جائیں۔ دوست نے ویسا ہی کیا۔ آدھی رات کے وقت عبدالرحیم خانخاناں سپہ سالار ہند اور ابوالفضل آپ کے مکان کے باہر آ گئے اور انھوں نے دروازے پر دستک دی آپ نے اپنے دوست سے کہا کہ روٹیاں کھانے والے آ گئے ہیں۔ دیکھو جلدی دروازہ کھولو اور انھیں اندر لاؤ۔ چنانچہ دوست اٹھا اور اس نے فورًا دروازہ کھول دیا۔ عبدالرحیم خانخاناں اور ابوالفضل شاہ حسین کے پاس اندر آ گئے۔ اور بصد نیاز کھڑے ہو گئے۔ خانخاناں کے پاس پانچ سو سونے کے درہم تھے جو اس نے شاہ حسین کی خدمت میں تحفے کے طور پر پیش کیے آپ نے ان دونوں سے بیٹھنے کو کہا لہٰذا وہ دونوں بیٹھ گئے۔

اس کے بعد حضرت شاہ حسین نے فرمایا کہ میری بات سنو، تم ٹھٹھہ شہر کی طرف جاؤ انشاء اللہ فتح نصیب ہوگی اور یہ اپنے پانچ سو درہم واپس لے لو کیونکہ میں نے اللہ کے حضور التجا کر دی ہے کہ ٹھٹھہ تمھارے نام پر فتح ہو جائے گا۔ اس کے بعد شاہ حسین نے ان دونوں کو رخصت کیا اور عبدالرحیم خانخاناں ملتان کی طرف آگے بڑھا۔ ملتان میں حضرت بہاء الدین زکریا کے مزار پر بھی اس نے حاضری دی۔ اور حاضری کے بعد وہی پانچ سو درہم بالا پیر کی نذر کیے جو اس دور میں حضرت بہاء الدین زکریا کے سجادہ نشین تھے اس کے بعد واپس آیا مگر بالا پیر صاحب نے بھی درہموں کی وہ دونوں تھیلیاں واپس کر دیں۔ خانخاناں اس بات پر بڑا حیران ہوا کہ کیا معاملہ ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ اس تحفہ کو قبول نہیں کرتا۔ اسی وقت گھوڑے پر سوار ہو کر پھر بالا پیر کی خدمت میں جا پہنچا اور عرض کی کہ اے شیخ کامل! مجھ سے کیا خطا ہوگئی ہے کہ آپ نے یہ تحفہ واپس کیا۔ شیخ کبیر عرف بالا پیر نے کہا کہ آپ اس بات کو دل پر نہ لگائیں، اور نہ افسوس کریں بلکہ انھیں اپنے پاس ہی رکھیں کیونکہ مجھے حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی نے بذریعہ کشف مطلع کیا ہے کہ اسے کہو کہ درہموں کی یہ تھیلیاں جو حضرت شاہ حسین کی خدمت میں پیش کی گئی تھیں اور انھوں نے واپس کر دیں، اخلاص کے ساتھ اللہ کی راہ میں نہیں دی گئی تھیں بلکہ انھوں نے اس میں اپنی غرض شامل کی تھی کہ ٹھٹھہ فتح ہو جائے اس لیے شاہ حسین نے یہ تحفہ لینا پسند نہ فرمایا۔ اس پہ خانخاناں نے کہا کہ حضور اب میں بغیر کسی غرض کے آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں آپ اسے قبول فرمائیے۔ اس پر شیخ کبیر نے کہا کہ اگر یہ واقعی اللہ کی راہ میں ہیں تو انھیں قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں خانخاناں سوچ میں ڈوب گیا کہ حضرت شاہ حسین نے تو ہمیں ٹھٹھہ فتح ہونے کی خوشخبری سنا دی ہے پھر انھی کی بات پہ مجھے دل سے یقین کر لینا چاہیئے آخر یہ لشکر ٹھٹھہ پہنچا اور انھوں نے ٹھٹھہ پہ حملہ کیا۔ شاہ حسین کی دعا سے دشمن کو شکستِ فاش ہوئی اور ٹھٹھہ فتح ہوگیا۔ والی ٹھٹھہ مرزا جانی کو گرفتار کر کے خانخاناں کے پاس لایا گیا اس نے خانخاناں سے اپنی جان کی امان مانگی اور کہا کہ ٹھٹھہ آپ کا ہی ہے اور میری جان بخشی کی جائے میں اکبر بادشاہ کی رعایا ہی بن کر رہوں گا۔ خانخاناں نے اس پر مہربانی کی اور اسے وہاں کا نائب مقرر کر کے ٹھٹھہ کے تمام امور اس کے حوالے کر کے لاہور واپس آگیا اور لاہور آکر حضرت شاہ حسین کا شکریہ ادا کیا۔ اور آپ کو بتایا کہ آپ کی دعا سے ٹھٹھہ فتح ہو گیا ہے۔

۳۳۸۔ آپ کی دُعا سے بارش ہوگئی

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت شاہ حسین اپنے ڈیرے پر یادِ الٰہی میں بیٹھے ہوئے تھے بہت سے فقراء بھی موجود تھے یکایک دل میں خیال آیا کہ آج کہیں لاہور شہر سے باہر سیر کے لیے چلتے ہیں آپ نے اس خیال کا اظہار اپنے پاس بیٹھے ہوئے فقراء اور مریدوں سے کیا۔ ان سب نے آپکی رائے سے اتفاق ظاہر کیا لیکن اس کے ساتھ یہ خواہش ظاہر کی کہ آپ سرکار تمام فقراء کو میٹھے روغنی نان کھلائیں گے اس پر حضرت شاہ حسین ہنس پڑے اور کہا کہ ہاں میرا اللہ (انشاء اللہ) تمھاری خواہش پوری کرے گا پس وہاں سے حضرت شاہ حسین ہنسی خوشی لاہور سے باہر ایک طرف چل پڑے۔ ایک جگہ سے دریائے راوی کو عبور کیا اور ایک آبادی کی طرف بڑھے اس آبادی کا نام منڈیا نوالہ تھا۔ حضرت شاہ حسین سیر کرتے ہوئے اپنے دوستوں کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ جب گاؤں کے لوگوں نے دیکھا کہ یہ بہت سے فقراء کہاں سے آگئے ہیں تمام گاؤں میں یکدم چرچا ہوگیا۔ تمام گاؤں کے لوگ انھیں دیکھنے کے لیے جمع ہوگئے۔ ہ فقراء کو دیکھتے ہی ان کے ذہنوں میں یہ بات آئی کہ کیوں نہ ان سے بارش کے لیے دعا کروائی جائے کیونکہ ایک عرصہ سے خشک سالی تھی۔ لوگ پانی کی بوند کو ترس رہے تھے لہٰذا انھوں نے سوچا کہ بہتر موقع ہاتھ آیا ہے کہ اللہ کے ان فقیروں سے بارش کی دعا کروائی جائے۔ حضرت شاہ حسین کی شہرت پہلے ہی کافی تھی اور لوگ غائبانہ طور پر آپ کے نام سے متعارف تھے۔ جب انھوں نے ان فقراء میں حضرت شاہ حسین کو دیکھا تو انھیں یقین ہوگیا کہ یہ بڑے بلند پایہ فقیر ہیں اور ان کی دعا سے اللہ ضرور بارش کرے گا۔ یہ سوچ کر انھوں نے فقراء کو بارش کی دعا کے لیے کہنا چاہا۔ ان کے ذہن میں یہ بات بھی اٹھی تھی کہ اگر یہ فقراء سچے ہوں گے تو بارش ضرور ہوگی اور اگر صرف انھوں نے ظاہری طور پر فقیروں کا لبادہ اوڑھا ہوگا تو بارش نہیں ہوگی۔ اس طرح ان فقیروں کی آزمائش ہوجائے گی کہ یہ اصلی ہیں یا نقلی۔ اس سوچ کے تحت انھوں نے حضرت شاہ حسین کے تمام ساتھی فقراء کو پکڑ لیا اور رسوں سے باندھ دیا۔ صرف حضرت شاہ حسین آزاد رہ گئے اور ان کی خدمت میں آکر عرض کرنے لگے کہ حضرت ہمیں بارش کی سخت ضرورت ہے اس لیے بارش کے لیے دعا فرمائیں۔ اس گاؤں کے معروف لوگوں میں ایک شخص پہاڑ خان نامی بھی تھا جو بڑا رئیس اور امیر کبیر تھا۔ وہ بھی فقیروں کا بڑا

معتقد تھا، وہ آیا اور اس نے فقراء کے متعلق تمام باتیں سنیں مگر اس نے بھی وہی مشورہ دیا کہ حضرت شاہ حسین سے بارش کے لیے دعا کروائیں۔ اگر ان کی دعا سے بارش نہ ہوئی تو ہم ان کے فقیروں کو زدوکوب کریں گے اور انھیں تمام لوگوں کے سامنے ذلیل و خوار کریں گے۔ اس کی اس تجویز پر تمام لوگوں نے ہاں میں ہاں ملادی۔ ادھر حضرت شاہ حسین نے یہ سوچا کہ ان فقیروں کے پاس کیوں نہ جاؤں کہ جنھیں ان لوگوں نے باندھ رکھا ہے۔ چنانچہ اس نیت سے آپ ان کی طرف چل دیے۔ جب قریب پہنچے تو ہنس پڑے اور کہا کہ یاالٰہی! یہ تو میرے ساتھ میٹھی روٹیاں کھانے آئے تھے مگر یہاں ان کے ساتھ کیا ہوا۔ تو ہی ہمیں عزت دینے والا ہے۔ آج تجھ سے یہ لوگ تیری فقیری کی دلیل اور ثبوت مانگ رہے ہیں لہذا تو ان پر اپنی رحمت کا مینہ برسادے اور میرے ساتھیوں کو ان سے رہائی دلوا۔ دوسری طرف انھوں نے فقیروں کو قید کرنے والے لوگوں سے کہا کہ تم نے فقیروں کو ناجائز قید کیا ہے اگر تم نے انھیں نہ چھوڑا تو تم پر پانی کی بجائے آگ برسے گی کیونکہ اللہ کے فقیروں کے ساتھ زیادتی کرنا اللہ کو پسند نہیں۔ اور آپ نے لوگوں کو مطلع کر دیا کہ ان فقیروں کو چھوڑ دو ورنہ اللہ تم سے ناراض ہوگا۔ ان کی سمجھ میں یہ بات آگئی اور انھوں نے فقراء کو چھوڑ دیا۔ آخر آپ نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی، تو یکایک کالے بادل نمودار ہوئے اور آپ اللہ کی محبت میں ڈوب کر ناچنے لگے۔ بس آپ کا رقص کرنا ہی تھا کہ خوب زوردار بارش ہونے لگی۔ حتیٰ کہ ان کے کھیت اچھی طرح سیراب ہو گئے مگر بارش مسلسل ہوتی جا رہی تھی اور انھیں خطرہ لاحق ہو گیا کہ کہیں یہ رحمت کی بجائے زحمت نہ بن جائے لہذا کیوں نہ حضرت شاہ حسین کے پاس چلیں اور انھیں کہیں کہ بارش رکنے کی دعا فرمائیے آپ نے ان کے کہنے پر بارش رکنے کی دعا فرمائی تو بارش فوراً بند ہو گئی۔ اس گاؤں کے تمام لوگ اور پہاڑ خاں آپ کے پاس آئے، آپ کا شکریہ ادا کیا اور پہاڑ خاں خصوصی طور پر متاثر ہو کر آپ کا مرید بن گیا اور آپ کے تمام ساتھیوں کو چھوڑ دیا گیا۔ اور گاؤں والوں نے خوشی کے طور پر گھی والی میٹھی روٹیاں پکائیں اور تمام فقراء کو کھلائیں۔

۳۲۹۔ رُوحانیّت کا کمال

حضرت شاہ حسین کے زمانہ میں ایک عالم دین تھا جو دینی علوم بھی بڑا ماہر تھا۔ علم حدیث، علم

منقولات اور علم صرف میں کمال کی حد کو پہنچا ہوا تھا۔ غرضیکہ وہ علمِ ظاہر میں ہر لحاظ سے فاضل بے نظیر تصور کیا جاتا اور بہت کم علماء اس کے مقام کے تھے۔ اس کا تعلق شاہی دربار سے بھی تھا۔ اس لیے اگر کسی شخص کو کسی شرعی مسئلے کا حل درکار ہوتا تو وہ اس کی طرف رجوع کرتا اور وہ اپنی دانائی سے مشکل سے مشکل مسئلوں کو حل کر دیتا اور علوم و فنون کے ایسے ایسے نکات سے شرح کرتا، کہ لوگ دنگ رہ جاتے۔ یعنی وہ تمام علوم میں یکتائے زمانہ تھا اس نے شراب پینے والوں کو توبہ کرنے کا حکم جاری کیا جس سے بہت سے شرابی توبہ کر گئے۔ ایک روز اسے پتہ چلا کہ ایک فقیر شاہ حسین نامی بھی شراب پیتا ہے اور اس کے باوجود لوگ اس کی فقیری کو بھی مانتے ہیں چنانچہ اس نے شاہی فرمان کے ذریعے سمجھانے کی غرض سے شاہ حسین کو بلا بھیجا۔ آپ چلے گئے۔ ملاقات ہونے پر اس نے کہا کہ آپ فقیر ہوتے ہوئے شراب، جام اور صراحی کیوں رکھتے ہیں، کس اسلام یا فقیری میں شراب پینا درست ہے؟ پھر شراب پی کر آپ جو رقص و سرود کرتے ہیں یہ کونسے مشائخوں کا طریقہ ہے؟ پھر تم فقیر ہو کر داڑھی بھی منڈواتے ہو۔ جبکہ شرعاً فقراء کے لیے داڑھی رکھنا ضروری ہے۔ مجھے ذرا یہ تو بتائیے کہ آپ نے کونسی شرع اپنا رکھی ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ ہماری شریعت اللہ کی محبت، ہماری داڑھی رضائے الٰہی اور ہماری شراب اللہ کا عشق ہے۔ میں خلافِ شرع نہیں بلکہ تو بذاتِ خود خلافِ شرع ہے۔ تیرے عالمِ دین ہونے کا مقصد تکبر اور بڑائی ہے جو ہم فقیروں میں نہیں۔ تیری نیت اخلاص سے خالی ہے۔ تیرا وعظ اثر سے خالی ہے۔ تیرے عمل میں محبت نہیں۔ غرضیکہ تیرا باطن پاکیزہ نہیں، مگر ہم فقیروں کا ظاہر اور باطن ایک ہے اس لیے اصل غلامِ مصطفٰے ہم ہیں، تم علماء لوگ نہیں۔ ہمارا دل اور روح شریعتِ مصطفٰی میں رنگا ہوا ہے اگرچہ ظاہر میں تمھیں رند دکھائی دیتا ہوں لیکن اندر سے دنیا کو ترک کر چکا ہوں اور اس کی ذات کے عرفان میں فنا ہو چکا ہوں اور اس مقام پر وہ چیزوں کے اثرات کو بدل دیتا ہے۔ آؤ آزماؤ۔ آپ نے ایک شراب کا پیالہ منگایا، پھر مخدوم الملک کو پینے کے لیے کہا۔ انھوں نے کہا یہ خلافِ شریعت ہے۔ آپ نے فرمایا پیو، یہ شراب نہیں شربت ہے۔ دیکھا تو وہ شربت تھا۔ اس نے کہا میں یہ نہیں پیتا۔ آپ نے فرمایا چلو دودھ پی لو، دیکھا تو وہ دودھ بن گیا اس نے پھر بھی نہ پیا۔ حتیٰ کہ وہی شراب سات تاثیروں میں بدلی یعنی شربت، پانی، گلاب کا عرق چائے، دودھ، سرکا اور قہوہ۔ وہ یہ تبدیلی دیکھ کر حیرت میں ڈوب گیا۔ آپ نے فرمایا تم یہ دیکھتے ہو کہ

میں شراب پیتا ہوں۔ میں شراب نہیں پیتا بلکہ تمھیں وہ شراب نظر آتی ہے۔ اصل میں اللہ اس شراب کی تاثیر کو تبدیل کر کے مجھے شرابِ معرفت پلاتا ہے اس لیے میں خلافِ شرع کیسے ہوا۔

۳۴۰۔ آپ کی دُعا سے مٹی سونا بن گئی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ یعقوب نامی ایک شخص آپ کے پاس آیا اسے کیمیا گری میں بڑا کمال حاصل تھا وہ سونا بنانے میں اپنے آپ کو بڑا ماہر سمجھتا تھا۔ اس نے چاہا کہ حضرت شاہ حسین کو اپنے فن سے آگاہ کرے۔ اس غرض سے اس نے اپنے پاس سے ایک پڑیا نکالی جس میں کیمیا گری کا کمال یعنی اس کا اپنا بنایا ہوا سونا موجود تھا۔ وہ سونا اس نے حضرت شاہ حسین کو دکھایا کہ میں یہ بناتا ہوں اور سونا دکھاتے ہوئے اپنے فنِ کیمیا پہ بڑے فخر اور ناز کا اظہار فرمایا اور کہا کہ اگر آپ چاہیں تو میں یہ نسخہ آپ کو بتا دیتا ہوں اور آپ بھی سونا بنا کر اپنی مادی ضروریات پوری کر لیا کریں اس پر حضرت شاہ حسین ہنس پڑے اور فرمانے لگے کہ اللہ کے فقیر بذاتِ خود کیمیا ہوتے ہیں اس لیے انھیں سونا بنانے کی کیا ضرورت ہے پھر آپ نے اس سے پوچھا کہ اے صاحبِ فن! تو نے یہ کیمیا کتنے عرصے میں حاصل کی اور کتنی محنت سے کام سیکھا ہے اور اس فن کو سیکھنے پر کتنا روپیہ خرچ کیا۔ کتنی رقم کا تو نے پارہ خریدا اور پھر جنگل بوٹی کی تلاش میں کتنا عرصہ گزارا۔ پھر اسے خشک کر کے کوٹ چھان کر پارے سے ملایا اس طرح تو نے زندگی کا بہت ہی قیمتی وقت اشیاء اکٹھی کرنے میں لگایا۔ پھر تو نے کوئی پوشیدہ مکان تلاش کیا ہوگا جہاں تجھے دوسرے نہ دیکھ سکیں۔ پھر تو نے بھٹی تیار کی ہوگی اور مٹی کا برتن لیا ہوگا جسے بھٹی پر رکھا ہوگا اور دل میں یہ سوچتا ہوگا کہ جلدی جلدی کر لوں تاکہ کوئی دیکھ نہ لے۔ گویا کہ ہر وہ محنت تو نے بڑی جانفشانی سے کی جس کی تجھے ضرورت تھی۔ پھر تو سونا بنانے میں کامیاب ہوا۔ اللہ کے فقیر دل کو ایسا سونا بنانے کی کیا ضرورت ہو اللہ کی یاد سے غافل کرے۔ اللہ کے بندے تو مٹی کو ہاتھ لگائیں تو اسے سونا بنا دیتے ہیں پھر آپ نے اسے کہا آؤ میرے ساتھ۔ حتیٰ کہ آپ ایک ایسی جگہ پر گئے جہاں سوائے زمین کے کچھ نہ تھا آپ نے تھوڑے سے فاصلے پر اپنے سر کو ڈھانپے ہوئے ایک جگہ پر پیشاب کیا۔ پھر اس کے بعد پیشاب سے فارغ ہو کر اس شخص کو بلایا اور کہا کہ اٹھا لو سونا، دیکھا کہ جہاں پر آپ نے پیشاب کیا تھا اتنی جگہ سونا بن گئی اور فرمایا اے کیمیا گر! تجھے تو اپنی کیمیا گری پر ناز تھا اور

مجھے صرف اپنے اللہ پر بھروسہ ہے، اللہ پر بھروسہ کرنے والے دنیا کے سونے سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ تو نے جس طریقے سے سونا بنایا اس نے تجھے اللہ سے دور کر دیا تو غفلت کا شکار ہوا مگر میں نے جس طرح سونا بنایا تو میں نے سونے والے کو دریافت کر لیا۔ اس لیے اے نادان! اللہ کو ڈھونڈ، کیمیا کو کیا ڈھونڈتا ہے۔ اگر تجھے خدا مل گیا تو کیمیا گری خود ہی آ جائے گی، کیمیا گر حضرت شاہ حسین کی یہ باتیں سن کر حیران ہو گیا اور آپ کے قدموں میں گر گیا اور سچے دل سے راہِ حق کا طالب بن گیا اور آپ کے مریدانِ باصفا میں شامل ہو گیا۔

۱۴۱۳۔ چشم زدن میں مادھو کو گنگا پر لے جانے کی کرامت

مادھو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے مگر حضرت شاہ حسین کی محبت میں پوری طرح اسیر تھے شب و روز کا بیشتر وقت حضرت شاہ حسین کی صحبت میں گزارتے۔ مادھو کے والدین چونکہ ہندو تھے اس لیے وہ ہر سال اپنے مذہبی عقیدے کے مطابق دریائے گنگا پر شنان کرنے جایا کرتے تھے ایک مرتبہ جب گنگا پر جانے کا موقع قریب آیا تو مادھو بھی اپنے والدین اور دیگر ہندوؤں کے ساتھ شنان پر جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ حضرت شاہ حسین سے ملاقات پر آپ نے انھیں بتایا کہ عنقریب ہی میرے خاندان اور میری قوم کے کچھ لوگ دریائے گنگا پر جانے والے ہیں اور ان کے ساتھ میں نے بھی جانے کا ارادہ کیا ہے۔ اگرچہ محبت اور وفا کی بنا پر میں ایک لمحہ بھی آپ سے جدا نہیں ہو سکتا مگر گھر والوں کے ساتھ شنانِ گنگا پر نہ جانے سے خاندان کے سامنے نادم ہوں گا۔ اس پر حضرت شاہ حسین نے فرمایا میرے پیارے! تم اس بارے میں فکر نہ کرو۔ تم یہیں میرے پاس رہو، میری صحبت سے فیض یاب ہوتے رہو۔ انشاء اللہ جب شنان کا دن آئے گا میں تمھیں فوراً وہاں پہنچا دوں گا۔ اور یہ بات کسی کو نہ بتانا کہ میں نے تمھیں چشم زدن میں وہاں پہنچایا ہے اگر تو مجھے اجازت دے گا تو میں بھی تیرے ساتھ چلوں گا اور جانے میں جتنے دن ہیں تم میرے پاس اطمینان سے رہو۔ محبت کا تقاضا تھا کہ مادھو شاہ حسین کی یہ بات سن کر ان کا کہنا مان گئے اور اپنے گھر والوں کے ساتھ گنگا کی طرف نہ گئے۔ آخر شنان گنگا کا دن آ گیا۔ مادھو کے دل میں بڑی حسرت تھی کہ کاش میں اپنے خاندان کے ساتھ چلا گیا ہوتا۔ بے تابی کے ساتھ آپ نے حضرت شاہ حسین کو بتایا کہ حضور آج ہی گنگا پر

شنان کا دن ہے۔ آپ نے میرے ساتھ وعدہ فرمایا تھا کہ میں تجھے یکدم وہاں پہنچا دوں گا لہذا اب وعدہ پورا فرمائیے اور مجھے وہاں پہنچا دیجیئے۔ تاکہ میں بھی ان کے ساتھ غسل کرلوں۔ حضرت شاہ حسین نے جب یہ بات سنی تو فوراً اٹھ کھڑے ہوئے، چہرہ جلالِ فقر سے جگمگا گیا اور مادھو سے کہنے لگے آؤ آگے بڑھو، میرے پاؤں پر اپنا پاؤں رکھو اور اپنی آنکھیں بند کرلو۔ مادھو نے بصد نیاز حکم کے مطابق حضرت شاہ حسین کے پاؤں پر اپنے پاؤں کو رکھ دیا اور دونوں ہاتھوں سے کندھوں کو پکڑ لیا اور آنکھیں بند کرلیں۔ حضرت شاہ حسین نے اللہ کے حضور التجا کی کہ یا الٰہی! تو جسے چاہے اپنی طاقت سے آنِ واحد میں کہاں سے کہاں پہنچا سکتا ہے لہذا آج میری لاج رکھ اور میرے اس چاہنے والے کو اور مجھے بھی گنگا کے کنارے پر پہنچا دے آپ کے دل میں اس التجا کا آنا ہی تھا کہ اللہ نے اپنی طاقت سے مادھو اور شاہ حسین کو گنگا کے کنارے پہنچا دیا۔ پھر حضرت شاہ حسین نے مادھو سے کہا۔ اب اپنی آنکھیں کھولو۔ جب مادھو نے اپنی آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ گنگا کے کنارے کھڑے ہیں۔ اس یکدم پہنچنے پر مادھو سوچ میں ڈوب گیا کہ آخر میں یکدم یہاں کیسے پہنچ گیا۔ اس میں کیا بھید ہے۔ یہ سوچ کر حضرت شاہ حسین سے عرض کی کہ سرکار مجھے ذرا یہ تو بتا دیجیئے کہ ہم یہاں آنِ واحد میں کیسے پہنچے۔ حضرت شاہ حسین نے کہا میرے پیارے! تجھ پر یہ بات کھل جائے گی مگر یہاں اصرار نہ کر کہ یہ راز کیا ہے۔ تو گنگا میں شنان کرلے اور اپنی قوم کے پاس چلا جا۔ وہ دیکھ وہ سامنے نہا رہے ہیں۔ غسل کے بعد میرے پاس آجانا۔ میں یہاں تمھارا منتظر ہوں۔ مادھو حضرت شاہ حسین کے کہنے پر اپنی قوم کے دوسرے لوگوں کے پاس چلے گئے اور وہاں نہانے لگے۔ اس کے خاندان کے لوگوں نے جب یہ دیکھا کہ مادھو تو ہمارے ساتھ غسل کر رہا ہے حالانکہ ہم تو اسے لاہور ہی میں چھوڑ آئے تھے پھر یہ اتنی جلدی یہاں کیسے پہنچ گیا جبکہ ہم کتنے دنوں کا سفر طے کرکے یہاں پہنچے ہیں۔ وہ حیران ہوئے اور مادھو سے پوچھنے لگے کہ تم یہاں یکدم کیسے پہنچ گئے ہو جبکہ ہم تمھیں لاہور میں چھوڑ آئے تھے۔ مادھو نے کہا بس میں نے ارادہ کیا کہ تمھارے پاس آجاؤں اور شنانِ گنگا سے پوتر (یعنی پاک) ہو جاؤں بس کسی کی نگاہِ فیض نے مجھے یہاں پہنچا دیا۔ اب میں نے غسل کرلیا ہے اور میرا ارادہ ہے کہ میں اسی وقت لاہور کی جانب روانہ ہو جاؤں۔ مجھے امید ہے کہ جس نے مجھے یہاں پہنچایا تھا وہ مجھے واپس بھی لے جائے گا۔ یہ کہہ کر وہ اپنی قوم سے جدا ہوئے اور اس مقام پر آگئے جہاں حضرت شاہ حسین

کھڑے تھے اور اس بات کے منتظر تھے کہ مادھو آئے اور ہم واپس لاہور چلیں۔ پس حضرت شاہ حسین نے پہلے کی طرح مادھو کو کہا کہ میرے پاؤں پر پاؤں رکھو اور آنکھیں بند کرلو۔ مادھو نے ویسے ہی کیا۔ جب آنکھیں کھولیں تو وہ لاہور میں اس مقام پر کھڑے تھے جہاں سے گئے تھے۔

مادھو ذہنی طور پر حضرت شاہ حسین کے اس کمال کا بیحد معترف ہوا اور سوچ میں ڈوب گیا کہ میں اپنے غلط راستے کو چھوڑ کر کیوں نہ اسی خدا کو مانوں جسے حضرت شاہ حسین مانتے ہیں اور اس رسولؐ کا امتی بن جاؤں جس کے امتی حضرت شاہ حسین ہیں۔ یہ سوچ کر حضرت شاہ حسین کے قدموں پر گر گیا اور کہا کہ حضرت! مجھے فوراً کلمہ طیبہ پڑھا کر مسلمان کیجیے۔ میں تو آج تک سچی راہ کو بھولا ہی رہا۔ اس پر حضرت شاہ حسین نے آپ کو مشرف بہ اسلام کر کے دولتِ ایمان سے نوازا۔ جب یہ خبر مادھو کے والدین تک پہنچی تو وہ مادھو سے سخت ناراض ہوئے۔ اس پر مادھو نے کہا کہ مجھے ماں باپ چھوڑنا گوارا ہے لیکن دولتِ ایمان کو ترک کرنا گوارا نہیں۔ آخر مادھو حضرت شاہ حسین کے سچے دل سے مرید ہو گئے اور آپ پر دل و جان نچھاور کرنے لگے اور کفر کی راہ سے ہمیشہ کے لیے منہ موڑ لیا۔

۳۴۲۔ روحانی بیعت کا واقعہ

حضرت سلطان باہو جب سنِ بلوغ کو پہنچے تو ایک روز کا واقعہ ہے کہ آپ قصبہ شورکوٹ کے قریب کھڑے تھے، اچانک ایک صاحبِ حشمت، صاحبِ نور اور بارعب سوار نمودار ہوا اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو پیچھے بٹھا لیا۔ پہلے تو آپ ڈرے لیکن کچھ دیر بعد دل کو ٹھہرایا، جرأت کی اور سوال کیا کہ حضرت آپ کی تعریف کیا ہے اور مجھے کہاں لے جانے کا ارادہ ہے۔ اس پاکیزہ دل سوار نے پہلے توجہ کی اور اس کے بعد اپنی زبان درفشاں سے ارشاد فرمایا میرا نام علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہے اور میں تجھے حسب الارشاد حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مجلس پاک میں لیے جا رہا ہوں۔ یہ سن کر آپ مطمئن ہو گئے تھوڑی دیر بعد آپ کو حاضر مجلس کر دیا اس وقت حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم اجمعین بھی اہل بیت اطہار کی نورانی مجلس میں حاضر تھے۔ آپ کو دیکھتے ہی سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجلس سے اٹھے اور حضرت سلطان العارفین قدس سرہ سے ملاقات کی اور توجہ فرما کر رخصت ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، پھر حضرت عثمانؓ

جب تینوں خلفائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باری باری رخصت ہو گئے اور مجلس میں صرف اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہی رہ گئے۔ تو حضور سلطان العارفین قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس وقت مجھے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے چہرۂ انور سے اس قسم کے آثار نظر آتے تھے کہ میری بیعت کے لیے نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے انھیں ارشاد ہو گا مگر بظاہر خاموش تھے۔ کچھ دیر کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں دست مبارک میری طرف بڑھائے اور ارشاد فرمایا۔ میرے ہاتھ پکڑو۔ مجھے دونوں مبارک ہاتھوں سے بیعت کی اور تلقین فرمائی۔ آپ کے مبارک ہاتھوں کے پکڑنے کی دیر تھی کہ میرے لیے درجات اور مقامات کا کوئی حجاب باقی نہ رہا۔ دور اور نزدیک کی ہر چیز یکساں دکھائی دینے لگی، لوح محفوظ کے تمام پردے اٹھ گئے۔ اول آخر، ظاہر باطن ایک جیسا ہو گیا۔ چنانچہ آپ اپنی کتاب "عین الفقر شریف" میں فرماتے ہیں کہ مرشد کامل ایسا ہی ہونا چاہیئے جو طالب کو ایک ہی نظر سے مراتب انتہا کو پہنچا دے اور تمام حجابات کو دور کر کے اسے مشاہدات میں غرق کر دے۔ پھر فرماتے ہیں کہ جب نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام تلقین فرما چکے تو سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے مجھے فرمایا کہ تو میرا فرزند ہے۔ میں نے حضرت سبطین الشریفین امام السعیدین حضرت امام حسن و حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کے مبارک قدموں کو چوما اور اپنی کانوں میں غلامی کا حلقہ پہنایا۔

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین کے بعد مجھے فرمایا کہ خلق خدا سے محبت کرنا کیونکہ تمھارا مرتبہ دن بہ دن بلکہ گھڑی بہ گھڑی ترقی پر ہو گا اور ابد الآباد تک ایسا ہی ہوتا رہے گا کیونکہ یہ حکم سرمدی اور سرمدی ہے۔ اس کے بعد آقائے نامدار، مالک کون و مکاں، محبوب رب دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے قطب الاقطاب، غوث الاغیاث، محبوب سبحانی، حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا۔ حضرت پیر دستگیر قدس سرہ العزیز نے مجھے سرفراز فرمانے کے بعد خلقت کے لیے ارشاد و تلقین کا حکم دیا۔

حضرت سلطان العارفین قدس سرہ فرماتے ہیں کہ میں نے جو کچھ دیکھا ان ظاہری آنکھوں سے دیکھا جو سر میں موجود ہیں اور جو کچھ سنا ان ظاہری کانوں سے سنا اور بمعہ جسم مجلس پاک میں حاضر ہوا۔ اس روز کے بعد آپ پر ذات الٰہی کے انوار و جذبات اسی طرح متجلی ہوتے لگے کہ سینکڑوں آدمیوں کو ایک ہی

نگاہ سے ایک ہی قدم پر خدا رسیدہ واصل باللہ کر دیتے تھے۔ چنانچہ لاکھوں طالبانِ حق کی مرادیں آپ کی نظرِ کرم سے بر آئیں۔ سبحان اللہ! مالکِ کائنات جل مجدہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے بلا محنت و مشقت اپنا قرب و وصال بخش دے۔ یہ اس کی عنایت اور خاص فضل ہے اس فیض یابی کے بعد حضرت سلطان العارفین سلطان باہو قدس سرہ ہر وقت اور ہر گھڑی وحدانیت میں مستغرق، حق تعالےٰ کی تجلیات کے مشاہدوں سے مشرف اور ذاتِ مطلق کے جلال و جمال کے دیدار میں مست رہتے تھے۔

۳۴۳۔ بیعتِ مُرشدِ کامل

حضرت سلطان العارفین سلطان باہو کی والدہ ماجدہ نے فرمایا بیٹا! تمہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کے لیے پیدا کیا ہے اس لیے اب تمہیں کسی مرشدِ کامل کے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہیئے آپ نے عرض کیا کہ مجھے خدا کی معرفت حاصل ہے اور میرے مرشدِ کامل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ والدہ ماجدہ نے فرمایا پھر بھی ظاہری مرشد پکڑنا لازمی ہے کیا تجھے معلوم نہیں کہ حضرت موسٰی علیہ السلام کو باوجود اللہ تعالیٰ کی ہمکلامی کا شرف حاصل ہونے کے، حصولِ ارشاد اور تلقین کے لیے حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ چلنا پڑا۔ جس کا مفصل ذکر سورۂ کہف میں موجود ہے۔ یہ سنکر آپ نے عرض کیا، آپ میرے لیے کافی مرشد ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے فرمایا بیٹا! عورتوں کو بیعت اور تلقین کرنے کا حکم نہیں کیونکہ امہات المومنین اور سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہن اور رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے کسی کو بیعت کی تلقین نہیں کی، پس مجھے بیعت کا حکم کیسے ہو سکتا ہے۔ آپ نے عرض کی کہ میں مرشد کامل کہاں سے تلاش کروں؟ فرمایا کہ خدا کی زمین میں چل پھر کر تلاش کرو اور بابرکت ہاتھ سے اشارہ مشرق کی طرف کیا۔ آپ فوراً اٹھے۔ والدہ ماجدہ کو سلام کہا اور دریائے راوی کی طرف چل پڑے جب آپ دریا کے کنارے پہنچے تو وہاں آپ نے حضرت شاہ حبیب اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے فیض عام کا شہرہ سنا جو ایک گاؤں میں (جس کا نام بغداد تھا) سکونت رکھتے تھے۔ آپ وہیں ان کے پاس پہنچے تو آپ خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ پھر اپنا مقصود عرض کیا۔ حضرت شاہ حبیب اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اے درویش! تم چند روز ٹھہرو۔ مجاہدہ کرو اور تمھاری ڈیوٹی مسجد کا پانی بھرنا ہے۔

آپ نے پانی بھرنے کے لیے مشک مانگی اور درویشوں نے مشک لا کر دی آپ نے ایک ہی

مشک بھر کر ڈالی تو مسجد کا حمام اور تمام صحن پانی سے بھرپور ہوگیا۔ درویشوں نے یہ واقعہ شاہ صاحب کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے حضرت سلطان العارفین قدس سرہ کو بلایا اور فرمایا اے درویش! کیا تمھارے پاس دنیا کا مال ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا تو پھر یاد رکھو دو کام نہیں ہو سکتے پہلے مال و متاع سے فارغ ہو لو پھر اس مقصد کے لیے یہاں آنا۔ یہ سن کر آپ فوراً گھر واپس آئے۔

چونکہ آپ کی والدہ ماجدہ بھی ولی اللہ تھیں اس لیے انھوں نے پہلے ہی سے آپ کے اس غرض سے لوٹنے کا ذکر آپ کی پاکیزہ ازدواج سے کر دیا تھا اور انھیں اپنا اپنا زیور اور نقدی محفوظ کر لینے کا حکم بھی دے دیا تھا۔ انھوں نے زیور وغیرہ زمین میں دفن کر دیا۔ تاکہ بوقتِ ضرورت کام آئے۔ اس وقت سلطان العارفین قدس سرہ کے فرزند حضرت نور محمد علیہ الرحمۃ شیر خوارگی کی حالت میں گہوارے میں تھے۔ جب آپ تشریف لائے تو والدہ ماجدہ نے آنے کی وجہ پوچھی۔ حضور نے عرض کیا کہ شیخ نے دنیاوی مال و متاع کو دور کرنے کا حکم دیا ہے۔ آپ نے فرمایا اگر کوئی مال نظر آتا ہے تو لے کر دور کر دو۔ آنحضرت قدس سرہ نے بچے کی انگلی میں انگوٹھی دیکھی جو نظر بد سے بچاؤ کے لیے ڈالی گئی تھی۔ آپ نے اسے اتار کر باہر پھینک دیا۔ پھر آپ نے فرمایا اگر کوئی دنیاوی مال ہے تو دو تاکہ اسے باہر پھینک دوں۔ والدہ ماجدہ نے فرمایا بیٹا تمھارے گھر میں مال کہاں۔ آپ نے عرض کیا ابھی مجھے بدبو آتی ہے۔ والدہ ماجدہ نے فرمایا اگر بدبو آتی ہے تو جہاں ملتا ہے لے کر باہر پھینک دو۔ چنانچہ جس جگہ زیور وغیرہ دبایا ہوا تھا وہاں سے نکال کر آپ نے باہر پھینک دیا اور فارغ ہو کر شاہ حبیب اللہ علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم دنیاوی مال سے تو فارغ ہو گئے اب اپنی عورتوں کا کیا کرو گے؟ چنانچہ آپ دیدار ذات کے مست الست اسی وقت واپس گھر لوٹے تاکہ اپنی ازدواج کو آزاد کر دیں۔ اللہ! اللہ! یہ ہے خدا کی سچی طلب! شاہ صاحب نے آپ کا امتحان کتنا سخت لیا۔ مگر آپ ہیں کہ خدا کی طلب میں کسی چیز کی پروا نہیں کر رہے ہے۔

آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کی مستورات کو اطلاع دی کہ میرا بیٹا اب تم سے قطع تعلق کی غرض سے آ رہا ہے۔ تم ہوشیار ہو جاؤ اور میرے پیچھے بیٹھ جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ خدا کی طلب میں مست تمھارے حق میں کوئی شرعی کلمہ کہہ دے۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ اتنے میں سلطان العارفین قدس سرہ بھی تشریف لے آئے۔ والدہ ماجدہ نے فرمایا۔ بیٹا تمھاری مستورات تمھیں اپنے حقوق بخش دیتی ہیں

اگر تم خدا کو حاصل کر کے آؤ گے تو بہتر، ورنہ تمھیں ان کے حقوق ادا کرنے کے لیے آنے کی ضرورت نہیں۔
چونکہ آپ شریعت کے سخت پابند تھے اس لیے اپنی والدہ ماجدہ کی فرمانبرداری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے تھے۔ والدہ صاحبہ کی یہ نصیحت بھی آپ پر اثر کر گئی۔ اپنی مستورات کی زبان سے ان کے حقوق کی معافی قبول کر کے پھر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے نظرِ کاملہ سے توجہ فرمائی، پھر آپ سے حصولِ مراد کے متعلق پوچھا۔ آپ نے عرض کیا یا شیخ! جو مقامات آپ کی توجہ سے آج منکشف ہوئے ان سے تو میں اپنے گہوارے میں ہی گزر چکا تھا۔
فرمایا کہ اے درویش! جس نعمت کے تم مستحق ہو وہ ہمارے امکان سے باہر ہے البتہ ہم تمھاری اتنی راہنمائی کرتے ہیں کہ جس جگہ تمھارا نصیبہ ہے وہ جگہ بتا دیتے ہیں وہاں جا کر اپنا نصیبہ لے لو۔
پھر حضرت شاہ صاحبؒ نے آپ کو ارشاد فرمایا کہ تم میرے شیخ سید السادات حضرت پیر عبدالرحمن شاہ صاحبؒ دہلوی قادری کی خدمت میں جاؤ جو ظاہر شاہی منصب دار ہیں۔ چنانچہ حضرت سلطان العارفین قدس سرہٗ نے حضرت شاہ حبیب اللہؒ سے دہلی رخصت ہونے کے بعد اثنائے سفر میں ایک ایسا مجذوب دیکھا جس نے آپ کے خلیفہ سلطان حمید بھکر والے کی پشت کی طرف سے ہو کر سلطان حمید پر لکڑی کا ایک ایسا وار کیا کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اس مست نے دوسری طرف لکڑی مارنے کے لیے اٹھائی تو حضرت سلطان العارفین قدس سرہٗ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا اے صاحب! بس کر ہم درویش اہل صحو اہل سنت والجماعت ہیں۔ ہمیں ایسا وار کرنا روا نہیں۔ وہ مست باز آیا، اور چلا گیا۔ پھر آپ نے سلطان حمید کو حالت سکر سے صحو میں لا کر روانہ ہونے سے پہلے فرمایا کہ اے حمید! اگر ہمیں خبر نہ ہو جاتی اور وہ مجذوب دوسری دفعہ تمھیں لکڑی مار بیٹھتا تو ہم بھی تمھیں مستی سے ہوش میں نہ لا سکتے۔
پھر آپ وہاں سے رخصت ہو کر آگے تلاشِ حق میں سفر طے کرتے ہوئے شہر دہلی کے قریب آ پہنچے ادھر حضرت شیخ سید عبدالرحمنؒ نے بھی اپنے ایک درویش کو فرمایا کہ فلاں راستے اس شکل و صورت کا اور اس حلیہ کا ایک فقیر آ رہا ہے جاؤ اور اسے ہمارے پاس لے آؤ۔
غور فرمائیے کہ ایک ولی کامل کی فراست، وسعتِ علم اور نگاہ کتنا کام کر رہی ہے سید السادات حضرت پیر صاحبؒ شاہی منصب دار ہیں۔ آپ بیک وقت حکومت کی طرف سے سپرد کیے ہوئے کام

کو بھی سرانجام دے رہے ہیں۔ طالبانِ حق کی تلقین کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ حضور نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس پاک سے بھی غیر حاضر نہیں اور اسی وقت میں سینکڑوں میل دور سے آنے والے طالب صادق کو بھی دیکھ رہے ہیں۔ اس کے آنے کی غرض اور ارادے کا بھی علم رکھتے ہیں۔ اس کا اٹھا ہوا قدم جس زمین پر پڑنے والا ہوتا ہے اس زمین کو بھی جانتے ہیں، آنے والا ابھی دور ہے اور آپ وہیں بیٹھے ایک درویش کو یہ کہہ کر بھیج رہے ہیں کہ جاؤ اس شکل و صورت کا ایک انسان فلاں فلاں راستہ سے ہوتا ہوا فلاں گلی سے شہر میں داخل ہونے والا ہے اسے ہمارے پاس لاؤ۔ ولی اللہ کی یہ ایک ادنیٰ سی کرامت ہے۔ یہاں تو آنے والے اور بلانے والے دونوں کی مرضی ہی ایسے تھی ورنہ اگر وہ چاہتے تو پہلا قدم ہی اٹھا کر منزلِ مقصود پر رکھ سکتے تھے۔ کیونکہ اولیاء اللہ کی صف میں ان مقدس ہستیوں کو وہ مرتبہ اور مقام حاصل رہتا جس مرتبہ کے اہل اولیاء اللہ کو باذن اللہ تعالیٰ زمان و مکان پر تصرف حاصل ہوتا ہے۔ یہ جب چاہتے ہیں وہی وقت ہوتا ہے ہو جاتا ہے اور اسی طرح مکان کو بھی اپنی مرضی کے مطابق قبض کر لیتے ہیں۔

آمدم برسر مطلب! وہ درویش حکم سنتے ہی آپ کے بتائے ہوئے راستے کی طرف چل پڑا۔ حضرت سلطان العارفین قدس سرہ بھی اسی راستے چلے آ رہے تھے۔ جب وہ درویش آپ کے پاس پہنچا تو آپ کو سید السادات حضرت پیر صاحبؒ کے بتائے ہوئے حلیہ اور شکل و صورت کو پا کر اپنے ہمراہ کر لیا اور حضرت پیر صاحبؒ کی خدمت میں لا حاضر کیا۔ سید السادات حضرت پیر صاحبؒ نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور خلوت میں لے گئے اور ایک دم میں ایک ہی نگاہ سے نعمتِ عظمیٰ سے مالا مال کر دیا۔ فیضِ ازلی سے مستفیض فرمایا آپ کی امانت آپ کے سپرد کی اور ساتھ ہی گھر جانے کی اجازت بھی فرما دی۔ آپ نعمت سے پُر اور فیض رسانی کے جذبات سے لبریز تھے، باہر تشریف لائے اور ہر خاص و عام پر توجہ کرنے لگے۔ لوگوں نے بھی جب دیکھا کہ ایک فقیر کامل قیمتی گوہر مفت تقسیم کر رہا ہے تو موقعہ کو غنیمت جانا اور دھڑا دھڑ فیض حاصل کرنا شروع کر دیا پھر کیا تھا منٹوں کے اندر اندر بے شمار مخلوقِ خدا جمع ہو گئی بازار اور گلیاں لوگوں سے بھر گئیں۔ راستے بند ہو گئے اور تمام شہر میں غل سا مچ گیا۔ حضرت پیر صاحبؒ کے درویش بھی اُدھر آ نکلے۔ جب مخلوقِ خدا کو اس طرح سے جمع دیکھا تو وجہ دریافت کر کے حضرت پیر صاحب عبدالرحمن قادریؒ (یعنی اپنے شیخ) کی خدمت میں حاضر ہوئے

اور عرض کیا حضرت! آج شہر میں ایک ولی اللہ داخل ہوا ہے جو اپنی توجہ سے عام مخلوقِ خدا کو جذباتِ الٰہی میں لاتا ہے۔ آپ نے فرمایا جاؤ اور اچھی طرح معلوم کر کے آؤ کہ وہ درویش کون ہے، کہاں کا رہنے والا ہے اور کس خاندان اور سلسلہ سے تعلق رکھتا ہے؟ درویش وہاں پہنچے تو دیکھتے ہی پہچان لیا دوڑتے ہوئے پیر صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت! یہ تو وہی درویش ہے جسے آپ نے تلقین فرمائی ہے، اور فیض بخش کر رخصت کیا ہے۔ یہ سن کر آپ کو سخت رنج ہوا اور فرمایا کہ جاؤ اسے میرے پاس لے آؤ۔ درویش واپس گئے اور حضرت سلطان العارفین قدس سرہ کو حضرت پیر صاحبؒ کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ حضرت پیر صاحبؒ نے جھڑک کر فرمایا کہ اے درویش! ہم نے تجھے یہ خاص نعمت عنایت کی اور تو نے عام کر دی؟ آپ نے عرض کیا سیدی! جب بڑھیا عورت روٹی پکانے کا توا بازار سے خریدتی ہے تو اسے بجا کر دیکھتی ہے کہ آیا یہ مجھے کام دیتا رہے گا، اس میں کوئی خرابی تو نہیں؟ اور جب ایک لڑکا لکڑی کی کمان خریدتا ہے تو اسے کھینچ کر دیکھتا ہے کہ اس میں لچک کافی ہے یا نہیں؟ سو میں نے جو آپ سے نعمتِ عظمیٰ حاصل کی۔ میں بھی اس کی آزمائش کرتا تھا، کہ مجھے آپ سے کس قدر نعمت عطا ہوئی ہے اور اس کی ماہیت کیا ہے۔ پس جس طرح حضرت سید المرسلین احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور سے مجھے حکم ہوا تھا کہ خلقِ خدا سے ہمیت کر، اسی طرح آپ نے بھی حکم دیا تھا کہ اسے آزماؤ اور فیض کو عام کرو۔ انشاء اللہ العزیز قیامت تک یہ نعمت ترقی پر ہو گی۔